تلاشِ زبان و احب

ڈاکٹر اشرف رفیع

حمله حقوق محفوظ

. تلاشر زبان و احب

: ڈاکٹراشرف رفیع

سنه اشاعت بخوری ۱۹۹۹ء

تعداد اشاعت : ٥٠٠

نام كتاب

نام مصنف

قمت

کپیوٹر کمیوزنگ اور طباعت

: ١٠٠/ دويے

: شارپ کمپیوٹرس، محبوب بازار کامپکس،

چادر گھائ ، حدر آباد۔ ۲۳ فون: 4574117 وسٹا گرافکس ، حدر آباد

TALASE-E-ZABAH-O-ADAB

DR. ASHRAF RAFI PRICE RS. 100/= 1999

یہ کتاب آندھرا پر دیش ار دو اکادمی کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے

لمنے کے ہتے :

۱- مصنف ۱۰۹ - ۱۰ یاقوت بوره ، حدر آباد - ۵۰۰۰۲۳

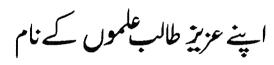
۲ ۔ حسامی بک دلیو ، محھلی کمان ، حیدرآ باد ۔ ۲

٣ به اردو بک دلو ، انجن ترقی اردو آندهرا پردیش ، حمایت نگر ، حیدرآباد

٣ - كلتب جامعه لميثير - دلى - بمبنى - على كره-

فون نمبر 3 57775 4

ون خبر د ۲۰۱۱ د ۴





فهرست

4.	حرف ِ ٣ غاز
4	۱۔ ہندوستانی صوتیات
14	۲۔ اردو زبان کا آغاز : مختلف نظریے
171	۳۔ اردو کا اثر تلکو مپ
٥٣	س _س ے دکنی اردو کی گفت
44	ہ۔ محمد قطب شاہ اور اس کے کارنامے
A۳	۹۔ اردو غزل : ابتدائی نقوش
44	، ۔ دکنی مثنویاں
171	۸۔ دکنی قصائد
1179	۹۔ دکنی ننر : آغاز و ارتقاء
168	10. لطف النساء امتياز: وكنى كى يهلى صاحبِ دلوان شاعره
194	۱۱۔ دلستانِ صفی

حرف آغاز

میرے مصامین و مقالات کا یہ پہلا مجموعہ ہے ۔ ان گیارہ مصامین میں سے چار مصامین زبان سے تعلق رکھتے ہیں : " ہندوستانی صوتیات " " اردو کا اثر تلکو پر " اور " دکئی اردو کی لفت " مختلف رسائل میں شائع ہوچکے ہیں۔ " اردو زبان کا آغاز : مختلف نظریہ " میں نے " سبرس " (حیدرآباد) کے لیے لکھا تھالیکن عثانیہ یو نیورسٹی کے مرکز فاصلاتی تعلیم میں نے اسے اپنی کتاب میں شامل کرلیا ہے ۔ اسی طرح " اردو غرل : ابتدائی تقوش ، دکئی متویاں ، دکئی قصائد اور دکئی نٹر: آغاز و ارتقاء " مجی مرکز فاصلاتی تعلیم، عثانیہ یو نیورسٹی نے حاصل کر لیے ۔ دراصل یہ میرے توسیسی گورز ہیں یا مجر سمینادوں میں پیش کردہ مقالے اور مصامین ۔ دراصل یہ میرے توسیسی گورز ہیں یا مجر سمینادوں میں پیش کردہ مقالے اور مصامین ۔ شمید شاہ اور اس کے کارنامے " اور "لطف النساء انتیاز: دکئی کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ " میمد قطب شاہ اور اس کے کارنامے " اور " لطف النساء انتیاز: دکئی کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ " میمد تطب شاہ اور سب دس سب دس " حیدرآباد اور عجلہ ء عثمانیہ" دکئی ادب نمبر " میں شائع ہموچکے ہیں ۔ دبستان صفی " تلادہ و صفی " مرتبہ محبوب علی خال اظر میں شامل ہے

ممکن ہے بعن اصحاب یہ خیال کریں کے ان میں زیادہ تر مصامین اور مقالے طالب علم طالب علموں کے لیے لکھے گئے ہیں۔ مجھ بجی اس خیال سے اتفاق ہے طلب اور اہلِ علم بی ہمادے اصل قاری ہیں۔ خصوصا طلب اگر پڑھنے لکھنے لگ جائیں اور ہمادا لکھا ان کے کام اجائے تو مجمعا چاہیے کہ در حقیقت ہمادی محنت چیز ہوگئ ۔ آج سے پچیس تیس برس پہلے ہمادے بزرگوں نے خود کو طالب علموں کے لیے وقف کردیا تھا اور مطمئن بجی تھے ۔ گر مہادے بزرگوں نے خود کو طالب علموں کے لیے وقف کردیا تھا اور مطمئن بجی تھے ۔ گر مجموع لائیں زکواتا علم و ہن لیے اب صاحب نصاب کس

هندوستانی صوتیات

ڈاکٹر ذور کی جمہ جبی شخصیت کا ہر پہلو بڑا تابناک رہا ہے ۔ وہ نہ صرف دکن کے بید مناوہ ، نور تھے بلکہ دنیائے اسان و ادب کے لیے آج بھی ان کے کارنامے مشعل راہ بیں ۔ ان کی شخصیت کے بعض پہلوؤل کی طرف زبانے نے زیادہ توجہ صرف کی ۔ نقادول نے ان کو بحیثیت محقق، مرتب ، مورخ اور اہر دکنیات جانچا پر کھا اور ان کے کام کی تحسین و شعید بھی کی ہے ۔ تاہم ان کی ادبی اور علمی شخصیت کاوہ پہلوجس میں وہ بیک وقت محقق، نقاد، اہر دکنیات ، مورخ اور مرتب بن کر سلمنے آتے ہیں اور اس خاص میدان میں ابنی اولیت منواتے ہیں وہ بیص ان کی اسانی خدمات جن کی طرف بہت ہی کم توجہ ہوئی ہے ۔ ہماری کم منواتے ہیں وہ بیص سرت اور علمی گرسکتا بلکہ ہماری سائنگ بصیرت اور علمی آگئی پرضرور حرف آسکتا ہے ۔

الکر زور کے جس علمی کارنامے کا بیاں تعارف پیش کیا جارہا ہے وہ ان کی زندگی کے تعیرے دہے میں ان کی علمی شخصیت کے تعیرے دہے میں ان کی علمی شخصیت کھل کر ہمارے سلمنے آتی ہے ۔ چیتھ دہے کہ وسط میں ان کا ذہن اور ان کی زندگی کا نصب العین واضح ہونے لگنا ہے ۔ 1910ء (جب کہ انھوں نے جامعہ عثمانیہ سے بی ۔ اے کیا تھا) سے 1940ء کک ان کی زندگی کا یہ دور مصروف ترین اور ننگن خز کمحات کا حامل رہا ہے ۔ اس سے 1940ء کی انکوں نے ایم دیے میں انھوں لے ایم ۔ اے کیا (اگسٹ 1940ء) اور ریاست حدید آباد کے تعلی وظید پر دے میں انھوں لے ایم ۔ اے کیا (اگسٹ 1940ء) اور ریاست حدید آباد کے تعلی وظید پر دے میں اپنی تعلیم و تحقیق کی تکمیل کی ۔ وہاں سے واپسی پر (۲۳ فبروری 1941ء) شعبہ ادرو

عثمانید لونی ورسی میں ریڈر مقرر ہوئے۔ اس عرصہ میں ایک اندازے کے مطابق کم و بیش دس كابي اور پياس سے زيادہ مضامن لكھے ، ١٩٢٠ء سے ١٩٣١ء كے آغاز تك وہ بورب مي رہے اور کینے چار سالہ قیام کے دوران انھوں نے لسانیات میں دو اہم تصانیف پیش کیں ۔ ١٩٢٠ء مي "اردو كا آغاز وارتقا" بر لندن لونورسي مي لسانياتي تحقيق مي مصروف رہے ـ اس وقت تک ہماری زبان کے اسانی مہلوؤں را علمی اور تحقیقی کام سبت کم ہوا تھا۔ اور جو کچے ہوا تھا وہ دوسری زبانوں کے متعلق اور دیگر زبانوں میں تھا۔ ڈاکٹر زور کو اس بات کا شدنی احساس تھا کہ اردو والے اردو زبان کے آغاز اور اس کے تاریخی ارتفا کے بارے میں اں وقت تک کس متبع رہنیں مین سکے اور مذاین زبان کے سائنٹنگ مطالعے کی طرف توجہ کی۔ جو چند تحریب اس وقت تک ملتی تھیں ان میں اردو کے سفاز اور اس کی لسانی خصوصیات کے متعلق بیشتر منظی اور غیرمدلل بلکه جذباتی باتی تھیں جنھیں جدید علمی تحقیقات کی رو سے زیادہ وقیج نہیں سمجما جاسکتا تھا۔ اس کی کو دور کرنے اور اردو زبان کے مطالعے کو سائنگ بنانے کے لیے ڈاکٹر زور نے قیام اورب کے زمانے میں اسانیات کے جدید اصول اور اطلاقی اسانیات سے واقعیت برمھانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی ۔ اس مقصد کے لیے اسکول تف اور منطل استدیز لندن میں بروفسیر آر ۔ ایل ۔ ٹرنر اور ماہر اردو زبان و ادب ڈاکٹر گراہم بیلی کی مدد اور مشوروں کے بعد " اردو کا آغاز و ارتقا " کے موضوع بر مقالہ لکھا ۔ مقالہ کی تلمیل کے بعد پیرس گئے ۔ وہاں کے قومی مدرسہ السنہ ، مشرقیہ (National School of Oriental Studies من ڈاکٹر جیونس بلوک (رکن ادارہ تحقیقات عالیہ پیرس او نیورسٹ) کے ککچراسے استفادہ کیا ۔ ساتھ می اردو کی گراتی شکل پر ڈی لٹ کے لیے کام کرنا شروع کیا جو ناممل رہ گیا۔مشہور ماہر اسانیات پروفسیر واندر سیس، فارسی عربی اور سنسکرت زبان کے ماہر روفسيرين وس ست ركن اداره تحقيقات عاليه بيرس اونيورسي اروفسير مس اون اروفسير عربی (قوی مدرسه السنه و مشرقیه) بروفسیر سلون لیوی (بروفسیرسنسکرت ، کالج ،دے فرانس) کے

گچرز اور مثوروں سے اردو کے علاوہ فاری عربی اور سنسکرت زبان کے لسانی عناصر کے تجزیہ سے متعلق علمی بصیرت عاصل کی ۔ ان ہی قابل اساتدہ کی رہمائی میں اپنی تالیف Hindustani Phonetics کا خاکہ تیار کیا ۔ اردو کے صوتی تجزیے و تشریح میں اسکول آف اور پیٹل اسٹریز کے صدر شعبہ صوتیات پرفسیر Lloyed James سانیات کے اصول و صوابط اور انگریزی صوتیات کی ،تعلیم حاصل کی ۔ پیریں میں سوبورن نونورٹی کے ادارہ صوتیات میں مدموزیل دیران سے تجرباتی صوتیات کے آلات اور مشینوں پر اردو زبان کو ادارہ صوتیات میں رہبری حاصل کی جس کے عکس " ہندوستانی صوتیات " میں شامل کرکے اکور قلمبند کرنے میں رہبری عاصل کی جس کے عکس " ہندوستانی صوتیات " میں شامل کرکے اکور التور میں چھپواکر شائع کیا۔

ستمبر ۱۹۲۲ء میں ڈاکٹر زور نے لسانیات پر اپنی دوسری کتاب " بندوستانی لسانیات " طائع کی۔ " بندوستانی صوتیات " کے پیش لفظ اور " بندوستانی لسانیات " کی تمہید میں زور صاحب نے اس بات کا اعر اف کیا ہے کہ ان دونوں تصانیف میں انصوں نے لینے Ph.D کے مظورہ لندن یونورسٹی کا بیشتر مواد شامل کیا ہے۔ مقالے منظورہ لندن یونورسٹی کا بیشتر مواد شامل کیا ہے۔ کی تقارفی حصہ میں اددو کے آغاذ و ارتفاکے بارے میں لینے نظریہ کی وصاحت کی ہے ۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ہندوستان میں پروفسیر شیرانی نجی تقریبا اسی زمانہ میں اددو کے آغاذ کی بارے میں انصی خطوط پر عور و فکر کرکے ڈاکٹر زور اس تیج پر بادے میں انصی خطوط پر سوچ رہے تھے جن خطوط پر عور و فکر کرکے ڈاکٹر زور اس تیج پر بینجی میں انصی خطوط پر سوچ رہے ہے جن خطوط پر عور و فکر کرکے ڈاکٹر زور اس تیج پر بینجی میں اندو کے آغاذ کا سرچشمہ پیخابی ہے ۔ ۱۹۹۲ء میں پروفسیر محمود شیرانی نے اپنی کتاب میں اددو و میں لفظی اور صوتی تغیرات کے لحاظ سے اددو اور جدید پیخابی میں آہرا اشر تینجیت میں اددو و میں لفظی اور صوتی تغیرات کے لحاظ سے اددو اور جدید پیخابی میں آردو ہے۔

ڈاکٹر زور نے پر فسیر شیرانی سے ایک قدم آگے بڑھ کر نواح دلی اور دو آب گنگا جمنا میں بولی جانے والی زبان کا اثر بھی اردو پر ثابت کیا۔ ہندوستانی صوتیات کے پہلے باب میں وہ کہتے ہیں: " اردو کی بنیاد بادھویں صدی علیوی میں بخباب میں بولی جانے والی ذبان پر ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اردو نواح دہل اور دوآبہ ، گنگا جمنا میں بولی جانے والی ذبان پر بینی نہیں ہے ۔ کیونکہ ہندآریائی دور کے آغاز کے وقت پنجاب کی اور دبل کے نواح کی ذبانوں میں بہت کم فرق تھا۔ "

آگے چل کر وہ اس قطعی تنبجہ پر نہیجتے ہیں کہ "اردو تو پنجابی سے مشتق ہے اور نہ · کھڑی بولی سے بلکہ اس زمان سے جو ان دونوں کی مشترک سمرچشمہ تھی۔ "

ڈاکٹر زور اور پروفسیر شیرانی نے یہ کام اس وقت کیا جب اردوکی اصل عام طور پر برج بھاشا سمجھی جاربی تھی ۔ ان دونوں نے بیک وقت تقابلی لسانیات کی مدد سے اردو کی ابتدا کے بارے میں پنجابی زبان کی اہمیت پر زور دیا ۔ ڈاکٹر زور نے اس پر اصافہ کرتے ہوئے نواح دلی کی زبان یعن کھڑی بولی کے اثرات پر بھی روشنی ڈالی ۔ جدید دور کے ماہرین لسانیات نے اس سلسلہ میں گہری جھان بین کرکے اردوکی ابتداء کے متعلق جو نظریات قائم کئے ہیں وہ ڈاکٹر زور کے نظریہ سے بی روشنی لے کر کسی تتجہ پر بہنچتے ہیں ۔ استاد محرم پروفسیر مسعود حسین خال کو بھی غالبا ڈاکٹر زور کے بیان بی سے اپنا نظریہ قائم کرنے میں تحریک ملی ہوگی ۔ ڈاکٹر زور کے بعد تقابلی اور تاریخی لسانیات میں ہم نے مبت کچھ ترقی کرلی ہے ۔

صوتیات میں پروفسیر مسعود حسین خال پروفسیر گوپی چند نارنگ ، پروفسیر گیان چند جمین کے اپنے طور پر کام کیا ہے ۔ تاہم مبوط انداز میں Hindustani Phonetics سے ہور کتاب اب تک پیش نہیں کی جاسکی ۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں آج بھی اس کتاب سے حوالہ جوئی کا کام لیا جاتا ہے ۔ سنیتی کمار چڑ جی جیسے ماہر لسانیات نے بھی اس سے استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے ۔

یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے ۔اس کتاب کے پہلے باب میں ہندوستانی زبان کے تاریخی ارتفااور مابعد تغیرات کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے ۔ہندوستانی کے دوخاص گروپ شمالی اور جنوبی (دکن) اور ان کے اہم اسانی انحرافات اور اختلافات پر مخضر گفتگوکی گئی ہے بلکہ خصوصیت سے حدید آباد کے تعلیم یافتہ لوگوں کی روز مرہ زبان کا جائزہ لیا ہے ۔ صوتیاتی نقطہ نظر سے شمالی اور جنوبی بندکی اردو کے مصوتوں Vowels ، جراواں مصوتوں (Dipthongs) ، مصمتوں شمالی اور جنوبی بندکی اردو کے مصوتوں (aspirated consunents) ، بکاری مصنیتی معکوسی ارتعاثی مصمتوں یعنی محکوسی ارتعاثی مصمتوں یعنی محکوسی ارتعاثی مصمتوں یعنی محکوسی ارتعاثی مصمتوں یعنی محکوسی ارتعاثی نامی نشکیل اور صوتیاتی بئیت کے بارے میں گراں افاظ سے مثالیں پیش کرکے خصوصاً دکنی زبان کی تشکیل اور صوتیاتی بئیت کے بارے میں گراں قدر معلومات فراہم کی بیں۔

دوسرے باب میں حدر آباد کی مروجہ دکن زبان (جے تعلیم یافتہ افراد بھی بولتے ہیں) کے . نظام اصوات (Sound system) بر بحث کی ہے ۔ اس باب کو مطالعہ کی سہولت کے لیے صوتیاتی بنیادوں یر دو حصول میں بانٹ دیا ہے ۔ پہلے حصہ میں مصوتوں اور جراوال مصوتوں Vowels and Diphthongs کا مطالعہ پیش کیا ہے ۔ ڈاکٹر زور کا خیال ہے کہ اردو زبان میں کم از کم (9) بنیادی مصوتے اور جی (6) جراوال مصوتے ہیں ۔ اردو میں ان پندرہ اصوات کی کوئی تحریری شکل متعن نہ ہونے کی وجہ سے متداوں کے لیے اردو الفاظ کا صحیح تلفط مشکل ہوجاتا ہے اس لیے زور صاحب نے ایک تفصیلی جارٹ من ہر مصوتے کے لیے ایک خاص علامت مقرر کی ہے ۔ اس جارٹ میں انہوں نے LP.A (منتشن فوندیک اسوسی کیش) کی علالت اللا اور مروج و مستعمل رومن حروف کو بھی ساتھ ساتھ پیش کیا ہے۔ پہلی مرتبہ اس و مارٹ کے حوالے سے زور صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کد رومن حروف و علائم ، آمدہ اور مشرقی زبانوں کے تلفظ کاری (Articulaion) کو بوری طرح ادا نہیں کر یاتش - کیونکہ رومن علامتوں من ایک سے زیادہ اصوات کے اظہار کے لیے ایک می حرف استعمال کیا جاتا ہے جبکہ I.P.A کے مادٹ مل ہر صوت الزادان طور یر ایک علامدہ حرف کے ذریعہ کامر کی جاتی ہے۔

بنیادی مصوتوں کے مقابات تلفیظ کو ڈاکٹر زور نے ایک الگ چارٹ پر پیش کیا ہے ۔ ایسی کوششش سب سے پہلے جون راس نے ۱۹۵۳ء میں کی تھی جو اپنے اہبام کی وجہ سے مقبول شہ بوسکی۔ اس کے بعد مشور انگریزی باہر صوتیات ڈینیل جونز نے زبان کی اٹھان کے چار در سے فرص کرکے مصوتوں کی ادائیگی کے وقت زبان کی حرکت کے درجات مقرر کے ہیں ۔ زور صاحب نے اس چارٹ کو بنیاد بناکر ہندوستانی اردو کے حیر آبادی لب و لچہ میں مصوتوں کی ادائیگی کے وقت زبان کی بوزیش کا اظہار کیا ہے ۔ پھر ان کے لیے Palatograms (آبادی اور نگارش کے ریکارڈ س پرس میں تیار کرکے شامل کئے ۔ اس باب کے حصہ (ب) میں انعیت اور نگارش کے دیکارڈ س پرس میں تیار کرکے شامل کئے ۔ اس باب کے حصہ (ب) میں انعیت افس طور پر بہاں دکنی تلفظ کے مطالعہ میں ان کی ڈرف نگا ہی اور گہرے مشاہدے کی داد دینی خاص طور پر بہاں دکنی تلفظ کے مطالعہ میں ان کی ڈرف نگا ہی اور گہرے مشاہدے کی داد دینی برقی ہے۔ اس مطالعہ میں مفرد اور مرکب الفاظ دونوں سے استفادہ کیا ہے ۔

Assimilation کے سلسلہ میں بولی جانے وہی زبان اور اردو کے الما (ریم خط)
میں قابل لحاظ اختلافات کی نشاند ہی کرتے ہوئے ۔ اس کاسب ڈ کٹر زور نے انضمام اور ادغام قرار
دیا ہے ۔ جو عموار جعی (Regressiv) ہوتا ہے ۔ اسے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ ایک
قسم وہ ہے جو صوتی تادوں کے عمل کو متاثر کرتی ہے ۔ دو سری زم تاہو اور تسیری زبان کے عمل کو
متاثر کرتی ہے ۔ انضمام اور ادغام کی وصناحت کے لیے مرکب الفاظ کی ان آوازوں کی تفسیل دی ہے
جو متعاقب اصوات کے اثر سے بدل جاتی ہیں ۔ مثلا "چپ بیٹو " میں "پ " کی آواز "ب " کے
ساتھ مدغم ہوکر چب بیٹو ہوجاتی ہے ۔ (اس طرح بدتر بر بر بادشاہ ، باشاہ ، پاشا ، باشاہ ، پاشا ہوگیا ہے)
بدش مصیتی مصیح ہکاری اور غیر ہکاری دونوں بعض وقت غیر ہکاری غیر مصیتی ہوجاتے ہیں جیے
تقسیر تعبیر اب تک اب تک میں بدل جاتا ہے ۔

حویتھے باب میں اصوات کے اوصاف مثلا بل (Stress) اور سر ار (Intonation) سے بحث کی گئی ہے ۔اردو الفاظ میں بل اور سراہر کے اظہار پر ڈاکٹرزور نے سب سے بیٹے غور کرکے اس کی نشاندی Hindustani Phonetics س کی ہے ۔ ان کے بعد ڈاکٹر مسعود حسن خل نے 1954 می اپنے انگریزی رسالے A Phonetics and (Phonological Study of wards in URDU) ومن من دورو المسرئير الوزيل سے بحث کی ہے ۔ ان کے بعد روفسیر جن کا خیال ہے کہ ساگر یونیورسی کے شعبہ لسانیات کے رمیش چندر مہرورا نے اس موضوع بر قلم اٹھایا ہے ۔ لفظوں کے تلفظ میں مختلف صوت ر کنوں رم بل یعنی Stress کی کمی بیشی ہوتی ہے اور ہر لفظ کی ادائیگی میں سر نہر Intonation موجود ہوتا ہے ۔ سرلبر صوتی تاروں من ارتعاش کی کی بیٹی سے ظبور من آتی ہے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خال اور ڈاکٹر دمیش چندر مہروترانے بل کی کوئی خاص تقیم نہیں کہ ہے۔ (یروفسیر گیان چند جنن) واکثر زور نے بل کے کھ قسمیں مجی بیان کی ہیں ۔ انسول نے دور کی العام کے صوتی اظہار کے سلسلہ س اس بات کا ادعاکیا ہے کہ لفظ کے دونول ارکان بریکسف عل دیا

جانا بیک وقت ممکن ہے ۔ ڈاکٹر مسعود حسنی خال اور پروفسیر گیان چند جبین دونوں نے اس سے اختلاف کیا ہے ۔ جیبے ، جب ، اس ، جس اور آ ، جا کی ادائیگی میں بیک وقت دونوں ار کان ریر Stress کرنا ناممکن ہے۔ دو اور تن رکنی الفاظ میں بل (Stress)سے متعلق اصولوں کو زور صاحب اور روفسير مسعود حسين خال نے تفصيل سے بيان كيا ہے ۔ زور صاحب نے بتيس (٣٢) اصول دریافت کیے ہیں ۔ بروفسیر گیان چند نے ان ۱۳۲۶ اصولوں بر اعتراض کرتے ہوئے [لسانى مطلع ص ١١٠ ١١٠] ان اصولول كا تنين زمرول مين احاطه كرليا ہے ـ بروفسير جين حونكه مامر عروض بھی ہی اس لیے انہوں نے عروض سے مدد لیتے ہوئے اس مسئلہ کا آسان حل ڈھونڈھ لکالا ہے ۔ لیکن جس زمانے میں زور صاحب " Hindustani Phonetics " لکھ رہے تھے کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی تھی اور اس وقت تک ہی تحقیق معتبر تھی ۔ آج یہ لسانیات کا ایک اہم موصنوع بن گیاہے اور اس کے کئی مباحث اور مسائل سلمنے آرہے ہیں ، چنانچہ اب Stress بل اور Intonation سرلبر کا مطالعہ سماجی لسانیات کا اطلاقی شعبہ ہوگیا ہے جس می مختلف سماجی ست Social Status سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لب و لیجہ میں مختلف مولمی modes کے دوران الفاظ کے بل اور سراہر کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے ۔ اس مطالعہ سے انسانی نفسیات کے کئ گوشے کھل کر سامنے آسکتے ہیں۔ اس مطالعہ کے بعد کسی تتیجے پر ہینچنے سے قبل انہیں صوتی آلات ہر جانچنا بر کھنا بھی ضروری ہے اگ قطعی نلائج پیش کیے جاسکس۔

المستحات کی Hindustani Phonetics میں کئی غلطیاں بھی در آئی ہیں جس میں بڑا دخل Composing کا معلوم ہوتا ہے ۔ کمپنے سکے مشکل یہ تھی کہ اسے ایک غیر نبان کو رومن حروف پر Dicritical Marks (نشانات نگارش) بھی لگانے تھے ۔ اکثر غلطیاں Dicritical Marks کی بیشی سے ہوگی ہیں ۔ مثلا صفی دومی پر اردو مصوتوں غلطیاں Dicritical کی کمی بیشی سے ہوگی ہیں ۔ مثلا صفی دومی پر اردو مصوتوں اور جربواں مصوتوں کا چارٹ دیا گیا ہے جس میں I.P.A اور رومن علامتوں کا مفسل چارٹ بھی ہے ۔ اس چارٹ میں دور صاحب نے پہلی ہے ۔ اس چارٹ میں دور صاحب نے پہلی

مرتبہ متعن کی ہن (جن کا ذکر پہلے مجی آچکا ہے) مالیہ غیر اردو داں کو تنفیج تلفظ کرتے ہوئے لكف مذ بور اس جارف كے سلسله نمبر الري مجينس ك IPA علامت بر انفي علامت جو ردو ہندے (۸) کی طرح ہوتی ہے لکھی جانی چاہیے تھی وہ دارج نس ہے جس سے مجینس کا نفی تلفظ ادا نہیں ہوتا اور بھینس بھیس ہوجاتی ہے ۔ صفحہ اس پر شہاں اور دکن میں جمع بننے کا قاعدہ پیش کیا گیا ہے ۔ وہاں دکن اور شمالی ہند کی اردو سے ماس دی گئی ہس ۔ Point B کے تحت مثل نمبر ۲ میں بکاری آوازوں کی ادائیگی کا فرق واضح کرنے کے لئے دو نظ تشحصہ ہیں "وہ دعوتیں " وہ کی ہکاری آواز دکنی میں بھی لگادی گئی ہے حالائلہ ہم آج بھی وہ نسس "وو "كت بير ـ اس صفى ير شال اور جنونى مندكى زبان كاحواله دية بوس اسكى مثل دى ب جس میں آدی اور ادمی ہونا چلئیے تھا گر دونوں جگہ آدمی ہی کھے دیا ہے ۔ عام طور بر کتابت T ypography من یہ غلطیاں معمولی اور سبت معمولی ہو سکتی ہیں کیکن ایک فن اور سائتنگ موصوع ہر لکھی کتاب میں کمپوزنگ کی ایسی غلطیاں کری طرح گھٹکتی ہیں ۔

ڈاکٹر ذور کی اس کتب اور ہندوستانی نسانیات پر اب تک چند نک منامین اور تصرے بھی لکھے گئے، تقریبا سمی مضمون نگارول نے ، جن میں پروفسیر گیان چند کا نام مرفرست آتا ہے ڈاکٹر ذور کے ان کارنامول کو خوب سرابا اور تعریف کی ہے گئی ماہرین السنہ اور نسانیات نے ان کتابوں سے استفادہ کا اعتراف بھی کیا ہے ۔ ان میں پروفسیر سنیتی کماد چئری ، پروفسیر مسعود حسین خال ، ڈاکٹر شوکت سبزواری ، پنڈت دنا تربہ کمنی ، رمیش چندر مہروترا ، پروفسیر عبدالقادر سروری اور ڈاکٹر شوکت سبزواری کے نام لینا کافی ہوگا۔ ان سب سے بڑھ کر ڈاکٹر نور کے استاد پروفسیر جولس بلوک نے نام لینا کافی ہوگا۔ ان سب سے بڑھ کر ڈاکٹر نور کے استاد پروفسیر جولس بلوک نے میں اولیت کا تدکرہ کیا ہے وہ ان کی لیافت ، ہوئے جس شفقت سے ڈاکٹر ذور کی اس میدان میں اولیت کا تدکرہ کیا ہے وہ ان کی لیافت ، ریاضت ، علی شغف اور نکھ رسی پر میمر تحسین ہے ۔ جولس بلوک کے الفاظ ملاحظہ ہوں (ترجمہ)

" ہندوستان کی زبانوں میں ہندوستانی ، جو دنیا تمام میں مطالعہ کا خصوصی محور رہی ہے اس کا ایسا تو صنبی مطالعہ خصوصا تلفیظی اعتبار سے اب تک نسیں کیا گیا اکر و بیشتر تلفظ کی جانب برنے عالمانہ اشارے ملتے ہیں لیکن بحیثیت جموعی اس موصوع پر کام نہیں کیا گیا ۔ اور سمی وہ نکھ ہے جس کی Philologists اور علمات لسانیات کو عملی مقاصد کے لیے یکسال صرورت ہے یہ بات قابل تحسین ہے کہ اس خصوص میں ایک ہندوستانی مسلم اسکالی (ڈاکٹر سید غلام محی الدین قادری) نے سب سے پہلے قدم اٹھایا " (Hindustani Phonetics P . 5

ڈاکٹر زور پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک طرف صوتی اور لسانی اصولوں کے مطابق اردو زبان کے مطالعے کی بنیاد ڈالی اور اس زبان کی تاریخ لکھی ۔ Hindustani ان کی دلی آرزوں کی نمائندگی کرتی ہے جو اردو زبان اور خصوصیت سے ارض دکن کے ساتھ وابستہ ہیں ۔

اردوزبان كا آغاز: مختلف نظريے

اردو زبان کے آغاز و ارتقا کے بارے میں کئ نظریات ہمارے سامنے آئے ہیں۔
ان نظریات کا سلسلہ میر امن سے شروع ہوتا ہے۔ لین مدلل طور پر حافظ محمود شیرانی اور سید می
الدین قادری زور کے محتقانہ اور قابل ذکر نظریات اس صدی کے نصف اول میں سلمنے آتے ہیں۔ اس نصف اول کے آخر آخر میں ڈاکٹر شوکت سبزواری اور پرونسیر مسعود حسین خال نے جدید لسانیاتی تناظر میں اردو کے آغاز و ارتقا کی تاریخ مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان محتقین سے قبل اور ان کے ساتھ مستشرقین میں سے جارج گریسن، باریخے ، جان بیز ، گراہم بیلی اور ژول بلاک نے بھی اس مسلہ پر قلم المحایا اور تحقیق کی نئی راہیں تلاش کی ہیں۔ ہندوستان میں اردو کے آغاز و ارتقا کے بارے میں جن لوگوں نے گفتگو کی ہے ، ان ہندوستان میں اردو کے آغاز و ارتقا کے بارے میں جن لوگوں نے گفتگو کی ہے ، ان میں سے اکمریت لیے اصحاب علم کی ہے جن کا لسانیات سے کوئی تعلق نہیں ، جیسے میرامن ، میں سے اکمریت لیے اصحاب علم کی ہے جن کا لسانیات سے کوئی تعلق نہیں ، جیسے میرامن ، میں سام بیش صمبائی اور محمد حسین آزاد وغیرہ ۔ میں باہرین لسانیات میں سے مستشرقین کے علاوہ شوکت سبزداری ، ڈاکٹر محمی الدین قادری زور اور

دراور ٹی خاندان کی زبان ہے۔ اس غیر حقیقت پسندانہ نظریہ کے متعلق پروفسیر گیان چند جین لکھتے ہیں کہ: • ڈاکٹر سیل بخاری انو کھے ،غیر سنجیدہ اور ایجادِ بندہ قسم کے لسانیاتی نظریات گرانے

روفسیر مسعود حسین خال کے نظریات کی روسی اہمیت ہے ۔ ڈاکٹر سہیل بخاری پاکستان کے گئے

چنے ماہرین لسانیات میں سے ایک ہیں ۔ انموں نے ایک مفتحکہ خز نظریہ یہ پیش کیا کہ اردو

کے ماہر ہیں۔ "[المانی مطاعد ص ٢١٣]

اپی تحقیقی کتاب حقائق کے ایک مضمون "اردو کے آغاز کے نظریے " (ص ۲۵۰) میں بھی پروفسیر جین نے سِیل بخاری پر سی اعتراض کیا ہے:

" ان کے (ڈاکٹر سیل بخاری) سبت سے مفروصنات ایجاد بندہ قسم کے ہوتے ہیں۔" پروفسیر جین کے اس بیان کے بعد سہیل بخاری کے بارے میں مزید گفتگو کی۔" نہ

عثرورت باقی نہیں رہتی۔

اردو کی ابتداء کے بارے میں جتنے بھی نظریات اب تک پیش کیے گئے ہیں ان میں اکثریت آن لوگوں کی ہے جنھوں نے اردو کو مختلف زبانوں کے میل جول کا متیجہ بتایا ہے ۔ ان میں سب سے پہلا نام میرامن کا آتا ہے ۔

میرامن نے " باغ و مبار " کے دیباہے میں لکھا ہے :

" حقیت اردو زبان کی بزدگوں کے منہ سے دوں سی ہے کہ جب اکبر بادشاہ تخت پر بنیٹے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم، قدردانی اور فیص رسانی اس خاندان لا ثانی کی سن کر، حضور میں آکر جمع ہوئے لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدا جدا تھی ۔ اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین، سودا سلف، سوال جواب کرنے ایک زبان اردوکی مقرر ہوئی ۔ " [ص س]

میرامن کا یہ نظریہ غیر معمولی مقبولیت اختیاد کرگیا ۔ بعد کے بیشتر لکھنے والوں نے اس کو جوں کا توں یا قدرے ترمیم کے ساتھ پیش کیا ۔ انتا نے اردو کو عربی، فارسی، ترکی اور برج بھاشا پر مشتمل قرار دیا ۔ امام بخش صببائی نے رسالہ قواعد اردو میں لکھا کہ شاہجمال آباد میں فارسی اور بندی کے خلا ملا ہے جو بولی مروج ہوئی اس کا نام، اردو تھہرا ۔

مولوی عبدالحق بھی اس قسم کی بات " اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ ۔ " [ص ۸۲ ۔ ۸۳] میں کرتے ہیں ۔ آٹھویں ، نویں اور گیار ھویں صدی کی زبان کے نمونے پیش کرنے کے بعد مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ بزرگانِ دین نے اہل ملک سے ارتباط اور میل جول برمھانے اور ان کو اپن طرف مائل کرنے کی کوششش کی ۔ اس نظر سے انھوں نے ان کی اور اپنی زبانوں کو ملانا شروع کیا ۔ اس ربط و ارتباط سے خود بحود ایک نئی زبان بن گئی جو نہ ہندی تھی اور نہ فارسی بلکہ ایک نئی مخلوط زبان تھی جسے ہم اب اردو یا ہندوستانی کہتے ہیں ۔

بعض عالموں نے مختلف زبانوں کے ارتباط کے نظریہ کو جغرافیائی یا علاقائی صدود میں دیکھنے کی کوشش کی ۔ حول کہ ان کے پاس اس نظریہ کی کوئی مضبوط بنیادی نہیں تھیں اس لیے وہ کسی ایک تتیج پر نہیں بہتی سکے بلکہ اپن رائے کی خود ہی تردید و تنسیخ کرنے لگے یا بغیر مستمکم دلائل کے اپنی بات پر اڑے رہے ۔

مولانا سلیمان ندوی بڑے عالم تھے " نقوش سلیمانی " کے ایک مقالہ میں انھوں نے اپنا ایک نظریہ پیش کرنا چاہا کہ اردو سندھ میں پیدا ہوئی ۔ دوسرے ایک مضمون میں وہ میر امن کے ہمنوا ہوگئے ۔ ان کے بیانات ملاحظہ ہوں :

" مسلمان سب سے پہلے سندھ میں سینجتے ہیں۔ اس لیے قرین قیاس سی ہے کہ جس کو ہم آج اردو کہتے ۔ اس کا ہیولیٰ اس وادی ۔ سندھ میں تیار ہوا ہوگا۔"

[تقوش سليماني ص ٣١]

اس سے پہلے ایک خطبے میں فراتے ہیں:

" اردو زبان کا پیدا ہونا کسی ایک قوم یا قوت کا کام نہیں بلکہ مختلف قوموں اور زبانوں کے میل جول کا ایک ناگزیر اور لازی تتبہ ہے ۔ [نقوش سلیانی مں ،] ایک اور مضمون میں انھوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ :

" به مخلوطه زبان سنده ، گرات ۱وده ۱ دکن ۱ پنجاب او ربنگل هر جگه کی صوبه دار

زبانوں سے مل کر ، ہر صوبہ میں الگ الگ پیدا ہوئی ۔ " [تقوش سلیانی ص ٥١١]

مندرجہ بالا تینوں بیانات کے مطالعہ سے پنہ چلتا ہے کہ اردو کے مولد کے بارے

میں مولانا کسی ایک منتبر پر نہیں مین سکے ۔ اس لیے انھوں نے تین مختلف آراو کا اظہار کیا ہے۔ جو سے ہیں:

(۱) اردو کا مولی وادی ء سنده میں تیار موا۔

(۷) مختلف قوموں اور زبانوں کے میں جول کے ایک ناگزیر ختیجہ میں اردو پیدا ہوئی۔

(۳) اردو ایک مخلوط زبان ہے جو سندھ گجرات اودھ ادکن اپنجاب اور بنگال کی زبانوں سے مل کر ہر صوبہ میں الگ الگ پیدا ہوئی ۔

مولانا سیہ سلیمان ندوی کے تینوں نظریوں کی بنیاد دو باتوں پر ہے ۔ ایک یہ کہ اردو۔ مسلمانوں کی آمد کے سبب وجود میں آئی اور دوسرے یہ کہ مختلف زبانوں کے اشراک سے وجود میں آئی۔

میلے نظریہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر زور لکھتے ہیں:

" ۔۔۔۔ اس میں کوئی شک نسیں کہ سندھ میں ایک زبان یقینا ارتقا پاتی رہی مگر وہ اردو یہ تھی ۔ وہ اس زبان کی قدیم شکل تھی جو آج سندھی کملاتی ہے ۔ "

[ہندوستانی لسانیات ص ۹۲]

ىپوفىيىر گيان چند رقمطراز بىي .

" سندہ تھی عربوں کے آنے سے قدیم سندھی متاثر ہوئی ہوگی ۔ عربی اور سندھی کے میل سے اردو نہیں پیدا ہو سکتی ۔ "

[مضمون اردو کے آغاز کے نظریے مشمولہ حقائق م ۹]

مشور ماہر لمانیات پروفسیر معود حسین خال نے سلیمان ندوی کے نظریہ کی تردید کرتے ہوئے وجوہات پرروشیٰ ڈال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ " سیسلیمان ندوی نے اپن تحریروں میں اردو کے پہلے ہولے کے سندھ میں بننے کا ذکر کیا ہے لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں۔ اس لیے کہ عربی فارسی الفاظ کا ہندوستان کی کسی زبان میں داخلہ اردو زبان کی تشکیل کی ضمانت نہیں کرتا سندهی زبان ہندآریائی ہوتے ہوئے بھی اردو یا ہندی سے مختلف ہے ۔ اس لیے قدیم سندهی میں عربی الفاظ کے دلفطے سے جدید سندهی وجود میں آئی یہ کہ اردو ۔ اس جدید سندهی اور اردو کے درمیان اشتراک صرف عربی رسم خط بعض اسماء اور روایات شعر کا ہے ۔"

[مضمون: اردو زبان کی اجدا اور ارتفاء کا سنلہ مشمولہ اردو زبان کی تاریخ " مرتبہ ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ م ۱۸۹۰ میں پروفسیر مسعود حسین خال کے اس بیان کے بعد اب کسی بحث کی گنجائش نہیں رہتی اور یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ عربول نے وادی سندھ میں اپنے قیام کے دوران کسی نئی زبان کو جنم نہیں دیا بلکہ اس خطر ارض میں پہلے سے بولی جانے والی زبان کو متاثر صرور کیا۔

مولوی نصیر الدین ہاشی " دکن میں اردو " میں سندھ کے نظریے کی تردید کرتے ہوئے اردو کا آغاز دکن کی سرزمین میں تلاش کرتے ہیں :

" سندہ کے بعد مسلمانوں کی آمد سواحل ملیبار اور کرناٹک پر ہوتی ۔ شیوخ عرب اور سرداران آل ہائم تجارت اور تبلیخ دین کی دھن میں صدبا میل سمندر کی راہ طے کرکے پر امن طریقہ سے سواحل ہند پر پینچے اور اپنی کوسٹش و جدو جد سے سواحل کے ہندووں میں خاص رسوخ حاصل کر لیا ۔۔۔ جب مسلمانوں نے مدتوں دکن میں بود و باش کی اور حکومت قائم کی ، تجارت کی ، ندہب کی اشاعت کی تعلیم دی ۔ ان کا انمحنا بیش کی اور حکومت قائم کی ، تجارت کی ، ندہب کی اشاعت کی تعلیم دی ۔ ان کا انمحنا بیش ان کے ملکی اور دلیمی باشدوں کے ساتھ تھا ۔ ہر وقت کام کاج ، خرید و فروخت میں ان سے سابقہ رہتا تھا تو ظاہر ہے کہ ایک خاص زبان کا پیدا ہونا صروری تھا ۔ جو دونوں غیرقوموں کے لیے تبادلہ ، خیالات کا ذریعہ ہوتی ۔ اس لحاظ ہے جو دعوی اردو کے دکن سے بیدا ہونے کا کیا جاتا ہے وہ ست برمی حد تک صحیح ہوسکتا دعوی اردو کے دکن سے بیدا ہونے کا کیا جاتا ہے وہ ست برمی حد تک صحیح ہوسکتا ہے گر جو امور سندھ سے ادرو کی ابتداء ہونے کے مانع ہیں وہی امور بیاں بھی مانع ہیں اس لیے سردست ہم دکن کو بھی ادرو کا مولد نہیں قرار دے سکتے ۔ "

[" دكن مين اردو " ترتى ، اردو بيورو ، في دلى ١٩٨٥ ، ص ٣٣ _ ٣٦]

دکن میں اردو ۱۹۲۳ء میں مہلی مرتبہ شائع ہوئی تھی ۔ اس وقت تک اردو کے آغاذ کے

بارے میں مندرجہ ذمیل نظریات منظر عام پر آجکے تھے :

(۱) اردوکی ابتداء برج بھاشاہے ہوئی (محمد حسین آذاد کا نظریہ)

(۲) اردوکی ابتداء پنجاب سے ہوئی (پروفسیر شیرانی کا نظریہ)

(مولانا سلیمان ندوی کا نظریه)

(٣) اردوکی ابتداء دو آبہ گنگا جمناسے ہوئی (ڈاکٹر زور کا نظریہ)

" دکن میں دو " میں مولوی نصیرالدین ہاشی نے ان نظریات کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ محمد حسین آزاد کے نظریہ " اردو برج بھاشا سے نکلی " کے بارے میں الکھتے ہیں:

• شورسین کا دوسرا نام برج بھاشا ہے ۔ یہ زبان بست وسیح طلقہ میں بولی جاتی تھی سدھ سے بہار اور لاہور سے بالوہ تک اس کی وسعت تھی ۔ اردو زبان کا مخز ن اس برج بھاشا کو قرار دیا گیا تھا ۔ گر جدید تحقیقات کی رو سے یہ بات بوری طرح صحیح نہیں ہے ۔ "

[دکن میں اردو ص ۲۲]

برونسیر شیرانی کے نظریہ کے بارے میں ہاشی صاحب لکھتے ہیں:

" پنجاب کے مولد ہونے کے متعلق مولف " پنجاب میں اردد " مولا نا محمود شیرانی نے پڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ گر جب تک مسعود (مسعود سعد سلمان) کا ہندی داوان دستیاب ر ہو ان کی تحقیقات کو صحیح نہیں کما جاسکتا ۔ "

[دك مي اردد ص ٢٦]

سندھ و دکن و اور پخاب والے نظریات کی خود ہاشی نے تردید کردی اب رہا نظریہ کہ اردو دو آبہ و گنگا جمنا سے نکلی ہے اس کی ہاشی صاحب ہائید کرتے ہوئے تعویں لکھتے ہیں ب مسلمان فاتحین شمال کی جانب سے ہندوستان میں داخل ہوئے تو اول انحوں نے پنجاب میں قیام کیا ۔ مگر اس کے بعد دبلی کی جانب پیش قدمی کی ۔ مسلمانوں کے صدبا خاندان جو ترک مغل اور افغان تھے ، جن کی زبان عام طور پر فارس تھی پنجاب سے لے کر دبلی تک آباد ہوگئے ۔ اس زبان میں بیباں جدید ہند آدیائی دورکی پراکرت زبان بولی جاتی تھی ۔ اس دبسی زبان میں غیر ملکوں کی زبان کی آمیزش ہونے گی اور اس امتزاج سے اردوکی پیدائش ہوئی ۔ " [دکن میں اردوص ۳۹]

اب تک پیش کیے گئے بیانات کی روشیٰ میں یہ طئے ہوجاتا ہے کہ مولوی نصیر الدین باشمی نے سوائے دو آبہ ، گنگا جمنا کے نظریے کے (جس کا ذکر آگے آئے گا) مشمول دکن تمام فھریات کی تردید کی ہے۔

میرامت اور محد حسین آزاد نے جب یہ کہا کہ بیرونی مسلمانوں اور مقافی ہندوؤل کے میں ملاپ سے اردو بن ہے تو دوسرے محققین کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ میل تو سواحل ملیبار پر شمال ہند سے پہلے ہوا ہے ۔ سندھ اور پنجاب کے بارے میں بھی سمی خیال تھا۔ چنال چہ مولانا سلیمان ندوی اور پروفسیر شیرانی نے سندھ اور پنجاب سے اردو کا آغاز کیا۔ نصیرالدین ہاشی کے بیان کا بغور مطالعہ کئے بغیرنا مکمل بات کو کہ:

- اس لحاظ سے جو دعوی اردو کے دکن سے پیدا ہونے کا کیا جاتا ہے ۔ وہ برمی حد

تک صحیح ہوسکتا ہے۔"

لوگ لے اڑے اور یہ کہ دیا کہ نصیرالدین ہاشی نے دکن کا نظریہ دیا جو سراسر غلط ہے۔ اردو ہند آریائی زبان ہے ۔ نصیرالدین ہاشی اہر اسانیات نہ سی لیکن وہ انتاصرور سمجہ سکتے ہیں کہ اردو ایک غیر خاندان یعنی دراوڑی زبانوں کے علاقے میں پدائنس ہوسکتی ۔

محر حسن آزاد کا نظریہ کہ " اردو زبان برج بھاشا شے نگلی " بڑی اہمیت رکھتا ہے اس نظریہ پر عرصہ تک گفتگو ہوتی رہی ۔ آج بھی جب اردو کے آغاز کا ذکر چڑتا ہے تو محمد حسن آزاد کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ۔ اس نظریہ میں تھوڑی ہیت لسانی حقیقت بھی بوشدہ ہے ۔ اس لیے میاں تفصیل سے بحث کی جائے گی ۔ محمد حسین آزاد نے " آب حیات " کے آغاز میں دعویٰ کیا ہے کہ:

" اتن بات بر شخص جانا ہے کہ ہماری اردو زبان برج بھاشا سے لکلی " [ص ١]

آزاد کو جس چیز نے یہ سوچنے پر مجبور کیا وہ برج کے شہر آگرہ کی تاریخی اہمیت ہے ، جسے آ
اعظم اور جہاں گیر نے پایہ تخت مقرر کیا تھا اور جہاں شاہماں نے اپنے عہد کا بڑا حصہ گزار
تھا۔ مغلیہ حکومت کے عروجی دور میں مرکزیت حاصل ہونے کی وجہ سے بیہاں کی زبان برج
بھی بڑی اہمیت حاصل ہوگئ تھی ۔ خود اکبر کے نورتن میں سے آٹھ رتن برج کے علاقے سے
تعلق دکھتے تھے ۔ تان سین کی وجہ سے سنگیت کو بڑا عروج ملا ۔ برج تو سنگیت ہی کی زبان تھی
اس میں شک نہیں کہ اس وقت دلی اور اطراف دلی میں جو زبان بولی جارہی تھی اس بر برج کا با
اثر بڑا تھا ۔ یہ ایک لسانی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے قیام سے بہت پہلے
ادرو کا آغاز ہوچکا تھا اور اکبر ، جہاں گیر اور شاہ جہاں کے عہد تک اس نے کئی ارتقائی منازل
طئے کرلیے تھے وہ دلی اور آگرہ شہر میں رواج پاچکی تھی ۔

محد حسن آزاد کے اس نظریے کی وجہ سے اردو کے محققین اور باس کسانیا کھی نے اردو کے آئی نظریے کی اردو کے آئی نظریے کی وجہ سے اردو کے آئی نظریے کی بارے میں سوچنا شروع کردیا۔ علمی طقوں میں آزاد کے آئی نظریے کی بار سمج برئی دھوم رہی۔ بعضوں نے آئھ بند کرکے اس نظریے کو قبول کرلیا اور برج کو اردو کی بال سمج لیا۔ تحقیق کے دوران پتہ چلا کہ اردو کے برج سے باخوذ بونے کا نظریہ سب سے پہلے بند آریائی لسانیات کے ماہرروڈولف برور نظے نے پیش کیا تھا۔ " داستان زبان اردو " میں کا کھٹ شوکت سبزواری نے اس حقیقت کا پردہ چاک کیا اور روڈولف برور نظے کی تصنیف "گونڈی نے بانوں کی قواعد " کے مقدے سے حوالہ دیا ہے کہ:

" اردو مقابلت طال کی پیداوار ہے۔ دملی کی فوج میں جو مسلم اقتدار کا مرکز تھا اردو بارھویں صدی عینوی میں پیداہوئی۔ یہ علاقہ مارواڈی پنجابی کے لیے سنگم کی حیثیت رکھتا ہے ۔ مقامی باشندوں اور مسلمان سپامیوں کے اختلاط اور ارتباط سے ایک ملی طبی ذبان وجود میں آئی جو صرفی و نحوی اصول کی حد تک برج ہے ۔ اگرچہ کہ اس میں بخابی اور مارواڑی کی آمیزش بھی ہے ۔ اس کے کچھ الفاظ دیسی ہندی ہیں اور کچھ بدیسی یعنی فارسی عربی ۔ " [ص ۴۸]

ہورنلے (Hoernle) بنارس کے جے زائن اسکول کے پرنسپل Grammar of Eastern Hindi Compared with تھے۔ انھوں نے

به اددو کو برج کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اس سلسلہ میں شمس اللہ قادری کا نام خاص طور پر لیا جاسکتا ہے جن کی تحریروں میں اس نظریہ کی گونج سنائی دیتی ہے ۔ سید شمس اللہ قادری رسالہ تاج

اردو کے قدیم نمبر میں لکھتے ہیں:

" مسلمانوں کے اڑ ہے برج بھاشا میں عربی فارسی داخل ہونے گی جس کے
باعث اس میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز برها گیا اور ایک عرصہ کے بعد اردو زبان
کی صورت اختیار کرلی ۔ " [بحوالہ حافظ محود شیرانی " بخباب میں اردو " ص وہ]
الدوو کے برج بھاشا سے لگلنے کے نظریبے کی شقید اور تردید کئی اہمرین لسانیات نے
کی ۔ محمود شیرانی [(۱۸۸۸ ۔ ۱۹۲۹) اردو کے نامور محق تھے ۔ نوادرات کے انھی پارکو تھے ان کے معناین پر
مشتل ۲ جلدیں عالات شیرانی کے نام سے خائع ہو کھی ہیں] نے کُ پتخاب میں اردو میں ، پروفیسر مسعود
مسین نے مقدمہ تاریخ زبان اردو میں اور ڈاکٹر شوکت سبزواری نے داستان زبان اردو میں اس نظریہ کی پرزور اور مدلل تردید کی ہے ۔ تقابلی مطالعہ اور لسانیاتی تجزیے سے یہ بات پایہ ء شوت
کو ہیچگئی کہ ان دونوں زبانوں کا رشتہ مال بیٹی کا نہیں بلکہ مہنوں کا دشتہ ہے ۔

بروفسير مسعود حسين خال رقمطران بين :

"آزاد نے محض روایتا برج کو اردو کا ماخذ بتایا ہے ۔"

[مضمون " اردو زبان کی ابتداء کا مسئله " مشموله فکر و نظر علی گرمه ۱۹۹۹ م ص ۱۳]

اردو اور برج بھاشا میں بعض اہم لسانیاتی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مثلا برج بھاشا میں اسماء ، افعال اور اسمائے صفات کا اختتام عموماً (و/او) پر ہوتا ہے جیسے اپنو (اپنا) چلیو (چلا) گھوڑو (گھوڑا) اردو کا تیرا اور تمھارا برج میں تیرو اور تمھارو ہوجاتا ہے ۔ اردو اور برج کے ضمائر میں خاصا فرق ہے ۔ زمانہ قدیم میں برج میں واحد منظم کے لیے (ہوں) مستعمل تھا۔ دکنی میں قلی قطب شاہ نے ریختیوں میں دو ایک جگہ (ہوں) استعمال کیا ہے :

پیاره نه شکھیج ، بدوں تو پرواری بدوں سرتل رتل تمن پرتھے واری ہو پیاری

برج بھاشا میں ضمائر کی مخصوص شکلی ہیں جواردو میں نہیں ملتی جیسے تو ہی ، آہیں ، تیراؤل ، تمھول ، موی ،موے ،میراؤ ۔

برج بھاشا میں جمع (ن) کے اصافے سے بنتی ہے جیسے وھونڈن ،روون ،اردو میں مادہ کے اندر (تا) کا اصافہ کرکے مصادع بنایا جاتا ہے ۔ برج بھاشا میں صرف (ت) لگایا جاتا ہے۔ مثلا کرت ، بھرت ، جات وغیرہ یہ اور اسی قسم کی کئی خصوصیات برج کی ایسی ہیں جن کا اردو سے کوئی تعلق نہیں اس لیے وثوق کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے کہ اردو برج سے نہیں لگل ۔ اردو سے کوئی تعلق نہیں اس لیے وثوق کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے کہ اردو برج سے نہیں لگل ۔ واحل نبان اردو اور برج کے بنیادی اختلافات پیش کرتے ہوئے لگھتے ہیں ۔ "اردو برج کے بنیادی اختلافات پیش کرتے ہوئے لگھتے ہیں ۔ "اردو برج کے بنیادی اختلافات پیش کرتے ہوئے لگھتے ہیں ۔ "اردو برج کے بنیادی اختلافات پیش کرتے ہوئے لگھتے ہیں ۔ "اردو برج کے بنیادی اختلافات پیش کرتے ہوئے لگھتے ہیں ۔ "اردو کی سے مختلف "آزاد اور مستقل ذبان ہے ۔ "[داخل زبان اردو میں ،]

ر بروفسیر شیرانی مجی اردو اور برج کی لسانیاتی ساخت کے بارے میں زیادہ واضح اور کھلی ارکھتے ہیں۔ اسکے بین اردو " میں لکھتے ہیں :

" اس (اردو) کا ڈھنگ اور ہے اور برج کا رنگ اور ہے دونوں کے توامد و

صنوابط و اصول مختلف بي سد " [ص ٥٥]

شیرانی بڑی شدومہ سے برج کی تردید کرتے ہیں پھر خود پنجابی سے اردو کا رشتہ جوڑتے ہیں اور اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ: " اردو زبان کے آغاز کا سرز میں بنجاب سے منسوب کرنا کوئی نیا نظریہ یا عقیہ منسی ہے ۔ اس سے پیشتر شیر علی خال صاحب اپنے پرلطف تدکرہ اعجاز سخن سے اس قسم کے خیالات کا اظہار کرچکے ہیں۔ " [عرض حال]

اس قسم کے خیالات کا اظہاد کر بچے ہیں۔ " [مرض حال]

شیرانی کے نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے سب سے پہلے سندھ میں حکومت قائم کی ۔ یہ ممکن ہے کہ وہاں اضوں نے ہندوستانی زبان اختیاد نہ کی ہو لیکن پنجاب میں جہاں ان کی حکومت کم و بیش (۱۶۰) سال تک رہی وہاں انصوں نے سرکاری ، تجارتی ، و معاشی اغراض سے کوئی نہ کوئی ہندوستانی زبان اختیاد کی ہوگی ۔ اسی زبان کو وہ دلی لے آئے۔ان کے آنے سے قبل دلی میں کون کون میں زبانیں بولی جاتی تھیں اس کا ہمیں علم نہیں ، ممکن ہے وہ داجتھائی ہوگی یا ہرج ۔ یا پھر برج ہی ہوگی ۔ لاہور سے جو زبان آئی وہ پنجابی نما ادرو یا ادرو نما بنجابی رہی ہوگی ۔ دل وات کے باہمی یا ادرو کی شکل میں تبدیلی ہوگی ۔ باہمی تعلیات کی بنا پر وقعاً وقعاً ترمیم قبول کرتی رہی اور رفتہ دفتہ ادرو کی شکل میں تبدیلی ہوگی ۔ انہی تعلیات کی بنا پر وقعاً وقعاً ترمیم قبول کرتی رہی اور رفتہ دفتہ ادرو کی شکل میں تبدیلی ہوگی ۔

شیرانی نے اپنا نظریہ " پنجاب میں اردو " کے مقدمے میں بیان کیا ہے :
"کہا جاتا ہے کہ مغربی ہندی جس کی برج بھاشا ، ہرانی ، راجشھانی ، بنجابی اور
اردو شاخیں ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کین جس زبان سے اردو ارتقا پاتی ہے وہ نہ برج ہے
نہ ہریانی اور نہ تنوجی ہے ۔ وہ زبان ہے ہو صرف دبلی اور میرٹھ کے علاقوں میں
بولی جاتی تھی ۔ " [پنجاب میں اردو نیم بک دانو ستبر ۱۹۸۱ ، میں ۱۸۱]
دوسری طرف وہ یہ بھی لکھتے ہیں :

" اردو دبلی کی قدیم زبان نہیں ہے بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دبلی جاتی ہے اور چیل کہ مسلمان پنجاب سے بجرت کرکے جاتے ہیں اس لیے صروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے کرگئے ہوں ۔ "[ص ۱۹]

شیرانی کے بیانات میں لسانی تھنادات ہیں ۔ ان ری اگر بحث کریں تو بات خاصی طویل

ہوجائیگی اس لیے مصرف ان کے نظریہ پر غور کریں گے ۔ ان کے مطابق پنجابی مسلمان جسس پنجابی کو دلمی لائے وہ اردو سے سبت کچھ مماثل تھی ۔ دلمی میں اس نے برج کے اثر سے ترمیم قبول کی اور اردو کہلائی یعنی اردؤ قدیم پنجابی سے ماخوذ ہے ۔

ڈاکٹر گراہم بیلی [پنجابی زبان کے بڑے ماہر تھے] بھی شیرانی سے متفق ہیں۔ کھت ہیں

قدیم بھابی اس کی مال ہے اور قدیم کھرمی سوتیل مال ۔ برج سے براہ راست اس کا کوئی رشتہ نہیں ۔ مسلمان سپاہیوں نے بنجابی کے اس روپ کو جو ان دنوں دہلی کی قدیم کھرمی بول سے زیادہ مختلف نہ تھا اختیار کیا ۔ اس میں فارسی الفاظ اور فقرمے شامل

كرديت . " [بحواله م داستان زبان اردو ص ١٥٠]

گراہم بیلی اور شیرانی دونوں میں اتفاق رائے کے باو جود اختلاف بھی نظر آتے ہیں جویہ ہیں :

ا۔ گراہم بیلی اردو کی پیدائش کو قدیم پنجابی سے منسوب کرتے ہیں۔

۲۔ شیرانی نے بخابی میں مرج کی آمیزش کی جبکہ بیلی نے کھرمی کو شامل کیاہے۔

شیرانی نے لینے نظریہ کی تائیہ میں پنجابی اور اردو کی چند اہم مشترک خصوصیات

گنائني ہيں:

ا ۔ پیخابی اور اردو میں علامت مصدر " نا " مشرک ہے ۔ یہ علامت صرف پیخابی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دبلی کے اطراف کی بعض دیگر زبانوں میں بھی یہ علامت برتی جاتی ہے ۔ پیخباجی میں بھی سی میں ایک علامت مصدر نہیں ہے بلکہ (نا) کے ساتھ (ن) بھی علامت مصدر کے طور میں لگانا اور گھالن ۔ میں بھی میں اگھالنا اور گھالن ۔

۲ ۔ لفظول کے آخر میں نون عنه کا اظہار کرنا ۔

یہ بھی پنجابی سے مخصوص نہیں دلی کے آس پاس کی بولیوں میں قدیم زمانے سے یہ خصوصسیت ملتی ہے ۔ دلی والے آج بھی دہی کو دہئیں کہتے ہیں ۔ بروفسیر مسعود حسین خال ، شیرانی کی اس

دلیل کے بارے میں لکھتے ہیں:

" عنه آواز کی پیدائش جدید آریائی زبانوں کی مشترک عالم گیر خصوصیت ہے "

[مقدمه تاريخ زبان اردو ـ ص ٢٠٣]

۳ ۔ اسماء و صفات ، تذکیر و تانیث اور جمع واحد ان میں اپنے موصوف کی حالت کے مطابق ہوتے ہیں مثلا اردو میں بڑا کرکا پنجابی میں وڈا منڈا ہوجاتا ہے ۔

م ي خبر، مذكيرو تانيث واحد ، جمع مين اپني مبنداء كے موافق آتى ہے مثلا

جدید اردو یہ بات بھلی نہیں یہ باتیں بھلی نہیں ہیلی نہیں ہیلی نہیں یہ بیات بھلی نہیں ایہ گل چنگیاں نہیں قدیم اردو (دکنی) ۔۔۔۔۔۔ باتاں بھلیاں تیں

ہ ۔ فعل تذکیر و نانیث اور واحد جمع سی لینظ معل کے مطابق آنا ہے :

ہے ۔ اصافت مجی اپنے فاعل کی تذکیر و تانیث اور واحد جمع کے مطابق آتی ہے :

جیسے دکن میں کہیں گے "کو تھریاں رنگ برنگ کیاں ہیں " تو پنجابی میں میں کہیں گے یہ خصوصیت بھی اردو اور پنجابی سے مخصوص نہیں دلی کے قرب و چوار کی بولیوں میں آج بھی

پی بی بی بی سے است مصدر گرادی ، شرانی کھتے ہیں کہ امر کا قاعدہ اردو پنجابی میں بالکل ایک ہے یعنی علامت مصدر گرادی جائے تو امر باتی رہ جاتا ہے مثلا چلنا (علی) کرنا (کر)۔ شیرانی کا یہ بیان بالکل صحیح ہے اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کی تمام جدید آریائی زبانوں میں امراسی طرح بنتا ہے۔ شیرانی نے اور بھی کئی مماثلتیں بتائی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ساری مماثلتیں جدید ہند آریائی

زبانوں میں کہیں نہ کہیں مشتر ک ہیں ۔صرف پنجابی اردو / دکنی کا حصہ نہیں ہیں ۔ زبانوں میں کہیں نہ کے بیار کے سے بیاری کا حصہ نہیں ہیں ۔

بی میں ہیں ہا ہیں ساتھ ہوئی ہو کہ کہ اعتر اصات ہوئے پروفسیر مسعود حسین خال اور ڈاکٹر شیرانی کے اس نظریہ پر کئی اعتر اصات ہوئے پروفسیر مسعود حسین خال اور اردو کے صرفی و نحوی اختلافات دلائل کے ساتھ پیش کرکے ہید واضح کر دیا کہ اردو پنجابی سے نہیں نکلی ۔ میال ان دونوں ماہرین لسانیات کے چند مصنبوط دلائل اختصار کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں :

- (۱) پنجابی نُ اردو میں ن ہوتاہے ۔
- (۲) پخانی میں دو حرکات کا اجتماع ہوتا ہے ۔ مثلاً گھوڑی س اردو میں نہیں آیا۔
- (۳) پخابی میں تشدید کا رجحان تیز ترہے جبکہ اردو میں توازن کے ساتھ ہے ۔
- (٣) پنجابی میں اردو کے (ب) کی جگہ عموما (و) استعمال ہوتا ہے۔ مثلا نیج (وج) بال (وال) بگاڑ (وگاڑ) برف (ورف)
 - (ه) پنجابی میں صدِ مستقبل گا ، گی ، گے کی جگه سا ، سی ، سے آتا ہے ۔
 - (١) حروف ربط كا كى ، كى ، كى كے لئے بنجابي ميں دا ، دى ، دے دائج ہے ۔
- () حروف ہجا میں اردوکی ڈھ ، جھ ، گھ ، بھ اور دھ کا تلفظ بخابی میں مختلف ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ (ہ) بخابی الفاظ کے شروع میں آتی ہے ۔ درمیانی (ہ) بخابی میں عموما دب کر ہمزہ کی آواز دیتی ہے جیسے شہر شیئر ، لا ہور ہوؤر ، دھیاں دئیان ، لفظ کے سخر میں بلاصرورت(ہ) کا اصافہ بھی کردیتے ہیں مثلا جان (جانمہ) رات (راتھ)
- (۸) پنجابی میں اردو کی آواز (ڑھ) یا (ڑ) ڈھ یا ڈے بدل جاتی ہے مثلا بوڑھا (بڑھا) ہوجاتا ہے بڑا (بڈا) ہوجاتا ہے گاڑی (گڈی) ہوجاتی ہے ۔
- (۹) پنجابی کے ضمارَ اردو سے کہیں مختلف ہیں۔ کسی بھی زبان کے مزاج اور زبانوں کے آبوں کے مزاج اور زبانوں کے آبسی رشتے کو سمجھنے میں ضمارَ سے بڑی مدد ملتی ہے۔ پنجابی میں آتا ہے ۔ (اسی) آتا ہے جبکہ اردو میں ہمیں۔ دکن میں زیادہ تر ہمنا ، ہمن ہمارا آتا ہے۔ پنجابی پنجابی میں ساڈا ، اساڈ کہا جاتا ہے پنجابی میں تسی تو دکن میں تم ہوجاتا ہے پنجابی میں اوہ تو دکن میں وو۔

(۱۰) ضمائر کی طرح اعداد سے بھی رشتہ کی قربت اور بعدُ کا اندازہ ہوتا ہے ۔ بہاں بھی بخابی ، اردو / دکنی میں نمایاں اور دلچسپ اختلاف ہے مثلا ؛

اردو / د کنی پانچ انس اکتیں پیسٹ چالیس پنجابی پیخ انی اکن پیٹھ چال

اعداد میں پنجابی (س) کا استعمال ترک کردیتے ہیں۔

اا۔ پنجابی میں حال ناتمام میں (تا) کے بجائے (دا) آتا ہے جیسے مرتا ، کرتا ، پیتا کے بجائے مردا ، کردا ، پیدا و غیرہ

مذکورہ بالاً اردو پنجابی کے صرفی و نحوی اختلاف کے مطالعہ سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اردو پنجاب میں نکلی ۔ ڈاکٹر زور کا بھی خیال پہلے میں تھا کہ " اردو پنجاب میں بن " لیکن مبت جلد انھول نے اپنا نظریہ بدل دیا۔

والمرحی الدین قادری زور (۱۹۰۵ تا ۱۹۹۲ ء) ماہر لسانیات نقاد محقق ، مورخ ، سوانح نگار مولف ، مصنف اور مرتب تھے ۔ ۱۹۲۹ ء میں لندن سے Ph.D کرنے کے بعد وہ ڈی لٹ کے لیے پیرس سینچ وہاں پر وفسیر جیولس بلوک [یہ فرانس میں مسئرت اور جدی ادب کے پردفسر تھے مرامی پر انحوں نے فرانسیں میں کام کیا جس کا مرامی میں ترجہ جوچکا ہے ۔ یہ کسی جدید جدوحانی زبان پر پیلا لیکن مقالے کی لامنائی میں " گراتی فارم آف ہندوستانی " پر مقالہ لکھنا چاہا لیکن مقالے کی تکمیل مذہوسکی ۔

سانیات کے موضوع پر ڈاکٹر زور کی دو اہم کا بیں منظر عام پر آئی بیں ۔ ایک ہندوستانی فونی رکس (Hindustani Phonetics) جو بہوا ، میں پیریں سے انگریزی زبان میں شائع ہوئی ۔ یہ ان کا پی ایج ۔ ڈی کا مقالہ تھا ۔ دوسری کتاب ہندوستانی لسانیات Hindustani) ہوئی ۔ یہ ان کا پی ایج ۔ ڈی کا مقالہ تھا ۔ دوسری کتاب ہندوستانی لسانیات Linguistics)

اہم مضمون علی گڑھ میگزین کے نسانیات نمبر میں شائع ہوا ۔ اردو زبان کی ابتداء کے بارے میں اپنی دونوں کابوں میں ڈاکٹر زور نے اظہار خیال کیا ہے ۔ پہلی کتاب میں انھوں نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ جس زمانے میں اردو پنجاب میں بن اس وقت پنجاب اور دوآبہ گنگ و جمن کی زبان میں بہت کم فرق پایا جاتا تھا ۔ برج بھاشا ، کھڑی بولی اور جدید پنجابی زبانیں بعد کو عالم وجود میں آئیں ۔ دوسری کتاب ہندوستانی نسانیات سے ایک اقتباس پیش ہے جس سے اردو کے آغاز و ارتقا پردوشن براتی ہے :

« اردو کا سنگ بنیاد دراصل مسلمانوں کی فتح دملی سے سبت پہلے ہی رکھا جاچکا تھا ۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے اس وقت تک ایک منتقل زبان کی حیثیت نہیں حاصل کی ، جب تک مسلمانوں نے اس شہر کو اپنا پایہ ، تخت نہ بنالیا ۔ اردو اس زبان سے مطنق ہے جو بالعموم نئے ہند آریائی دور میں اس حصد ملک میں بولی جاتی تمی جس کے ایک طرف عہد حاضر کا شمال مغربی سرحدی صوبہ ہے اور دوسری طرف اله آباد ۔ اگر یہ کما جلت تو صحیح ہے کہ اردو اس زبان پر بنی ہے جو پنجاب میں بارموی صدی عبیوی می بولی جاتی تمی مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس زبان ر بنی نسیں ہے جو اس وقت دلی کے اطراف اور دوآبہ م کنگ و جن میں بولی جاتی تمی کیونکہ نے ہند آریائی دور کے آفاز کے وقت مخاب کی اور دلی کی نواح کی نبانول میں سبت کم فرق تھا۔ ان کی اس وقت کے اختلافات کو ظاہر کرنے والی ست کم خصوصیت کا اس وقت تک پن چلا ہے ۔ یہ واقعہ دراصل پارموی صدی عیوی کے بعد کا ہے کہ موجودہ زبانوں نے ان اختلافات کی برورش شروع کی جو انھیں أيك دوسرے سے جدا ظاہر كرتے بير.

اس بیان کے بدائے چل کر وہ کتے ہیں:

المدد تو بخبل م معن ب اور ركوني بولى سے بكر اس زبان سے جو ان

دونوں کی مشرک سرچشمہ تھی اور سمی وجہ ہے کہ وہ بعض باتوں میں بنجابی سے مشاہبہ ہے اور بعض میں کھرسی سے ، لیکن مسلمانوں کا صدر مقام صدیوں تک دبلی اور مشاہبہ ہے اور بعض میں کھرسی ہولی سے متاثر ہوتی گئی۔ "

[ہندوستانی لسانیات ص ۹۳ ، ۹۵]

خال کے بعد ڈاکٹر شوکت سبزداری نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ۔ ڈاکٹر شوکت سبزداری ، پاکستان کے صف اول کے ماہرین لسانیات میں سے ایک

ہیں۔ ان کی تنین کتابیں جو ہمارے موضوع سے تعلق رکھتی ہیں وہ یہ ہیں:

- (۱) اردو زبان کا ارتفاء ۱۹۵۹ء میں ڈھاکہ سے شائع ہوئی ۔ یہ کتاب ان کا پی ایج ۔ ڈی کامقالہ ہے ۔
 - (۲) داستان زبان ار دو
 - (٣) اردولسانيات

اردو زبان کے آغاز کے بارے میں ڈاکٹر شوکت سبزداری کے نظریہ کو سمجھنے کے لیے ان کی دوسری کتاب داستان زبان اردو سے برسی مدد ملتی ہے ۔ جس میں وہ کھل کر اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ:

و ذاکٹر اخر اور ینوی اور پروفسیر احتجام حسین فرماتے ہیں کہ میں پالی کو اردو زبان کی اصل قرار دیتا ہوں ۔ یہ درست نہیں ۔ میں وہی کہا ہوں جو جولس بلاک ، گریس

چٹری اور دوسرے آئمہ فن نے کہا ہے اور وہ یہ ہے کہ اردو نے جس زبان سے ارتقا پائی ہے وہ کہی بالائی دوآبے میں بولی جاتی تھی ۔ سنسکرت ، پالی ، شورسین ، پراکرت ، مغربی اپ بحراش بالائی دوآبے کی بول چال کی زبان کے مختلف العهد ادبی روپ بیں کھرمی یا ہندوستانی (اردو) اس کی فطری ترقی یافت (بدلی ہوئی) صورت ہے

۔ " [داستان زبان اردو • پیش لفظ ص ہ]

. داستان زبان اردو میں ایک اور جگہ انھوں نے اپنے اس نظریہ کی وضاحت کر اعتماد طریقے سے اس طرح کی ہے :

" نئی تحقیقات کے مطابق سنسکرت ، پالی ، شور سینی ، مہاراشٹری ، مغربی اپ مجرنش ایک زبان کے متعدد ادبی روپ ہیں ۔ یہ زبان مدھیہ دلیں (وسط ملک) بالائی دور ایک زبان کے متعدد ادبی میں جس سے تکھر کریہ زبانیں بنیں ۔۔۔ اردو یا ہندوستانی ، اپ مجرنش کے اس روپ سے ماخوذ ہے جو گیادھویں صدی کے آغاز میں مدھیہ پردیش میں رائج تھی ۔ " [داستان زبان اردو ص ۱۹۹]

ڈاکٹر شوکت سبزواری کے ان خیالات میں بڑی حد تک سچائی ہے ۔ شوکت سبزواری نے ان تمام ذبانوں پر براکرت اور اپ بجرنش کو سمیٹ لیا ہے جو بالائی دوآ ہے کی مختلف ذبانوں کے ادبی روپ رہے ہیں اور یہ تتجہ اخذ کیا ہے کہ کھڑی یا ہندوستانی (اردو) بالائی دوآ ہے میں بولی جانے والی ذبانوں کی فطری اور ترقی یافتہ صورت ہے ۔ اس طرح پروفسیسر دوآ ہے میں بولی کر نظ کر سے قریب بہنچھا تر بین کیکن نئی بارت یا ذانظر بنانہیں سکر عدد حسین خال کر نظ کر سے قریب بہنچھا تر بین کیکن نئی بارت یا ذانظر بنانہیں سکر

تود حسین خال کے نظریے سے قریب مین جاتے ہیں لیکن یہ نئی بات یا نیا نظریہ بنا نہیں سکے ر یہ مدلل بحث کی ہے ۔ تقریبا میں بات ہت پہلے گرمیرسن نے " ہندوستانی کا کسانیاتی جائزہ "

یں کمی ہے۔وہ کہنا ہے کہ: " ہندوستانی زبانوں

" ہندوستانی زبانوں کے تفصیلی جازے نے اب اس کو ثابت کردیا ہے کہ ہندوستانی کالائی دوآبے اور مغربی روہیل کھنڈ کی بول چال کی زبان ہے اور ان گھڑ

اور گنوار و الفاظ و محاورات نکال کر جیے ادبی نکھار اور سنگھار دے دیا گیا ہے۔ " [بحوالہ داستان زبان اردو ص ۴۸]

اس سے پہلے گریس [سر جارج اراهیم گریس ن بعد میں آفسیر تھے ۔ انحوں نے المانیاتی جازہ بعد اس سے پہلے گریس [سر جارج اراهیم گریس ن بعد میں آفسیر تھے ۔ یہ کام ۱۸۹۳ ، سے خارہ بعد کام ۱۸۹۳ ، سے علاوہ پھیاچی اور کشمیری زبان پر بھی ان کی کابین ہیں ۔ ۱۹۲۰ ، میں کشمیری نبان پر بھی ان کی کابین ہیں ۔ ۱۹۲۰ ، میں کشمیری لغت شائع ہوئی] کا خیال تھا کہ "اردو ، قواعد اور فرہنگ الفاظ کے لحاظ سے مخلوط ، عام اور مشترک نبان ہیں ہیں شمالی ہندوستان کی مقامی بولیوں کے علاوہ عربی ، فارسی ، ترکی اور تیلگو زبان زبان ہیں ہے اس میں شمالی ہندوستان کی مقامی بولیوں کے علاوہ عربی ، فارسی ، ترکی اور تیلگو زبان خیال کی تردید کی اور ہندوستانی (اردو) کو بالائی دوآبے اور مغربی روہیل کھنڈ کی زبان قرار دیا ۔ جدید دور کے بعض محققین نے گریس کے اس دعوی کو بنیاد بناکر اردو کا اصل منج اور سرچشمہ مدھیے دیش قرار دیا ۔ جسے درست نہیں کہا جاسکا ۔

پروفسیر مسعود حسین خال اردو دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں ۔ ڈاکٹر زور کے بعد وہ پہلے محقق ہیں جنوں نے اردو زبان اور اس کے آغاذ کے بارے میں اسانیاتی نقطہ نظر سے خور کیا ۔ ان کی کتاب "مقدمہ تاریخ زبان اردو این نوعیت کی پہلی کتاب ہے ۔ یہ کتاب پروفسیر مسعود حسین خال کا تحقیقی مقالہ ہے ۔ جو علی گڑھ لو نیورسٹی میں پی ایج ۔ ڈی کے لیے پیش کیا گیا تھا ۔ اس کتاب کے اب تک آٹھ ایڈیش منظر عام پر آئے ہیں ۔ پہلا ایڈیش ۱۹۳۸ ، پیش کیا گیا تھا ۔ اس کتاب کے اب تک آٹھ ایڈیش منظر عام پر آئے ہیں ۔ پہلا ایڈیش ۱۹۳۸ ، میں شائع ہوا کی تبدیلیاں اور اضافے کئے گئے ہیں ۔ ساتواں ایڈیش امیمان منظر عام آیا اس میں نئی معلومات کی روشنی میں اضافہ و ترمیمات کی گئی ہیں ۔

ر پونسیر مسعود حسین این کتاب میں اردو کے آغاز کے متعلق جو نظریہ پیش کیا ہے اس میں ہریانی رر زور دیا ہے ۔ پوفسیر شیرانی نے اسے قدیم اددوکی ایک شکل قرار دیا ہے ۔ تاہم اددوئ قدیم سے معلق لسانی تحقیق کے سلسلے میں جو اہمیت ہربانی کو حاصل ہے اس کی طرف سب سے پہلے اشادہ پروفسیر ڈول بلاک نے اپنے مضمون " ہند آدیائی لسانیات کے بعض مسائل " میں کیا ہے ۔ اس میں کچے صداقت صرور پائی جاتی ہے ۔ قدیم اددو کا پنجابی پن ، ہریانی پن بھی ہے لیکن دکنی کی یہ خصوصیت صوتیاتی نیز تشکیلیاتی ،صرف ہریانی سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ جمنا پار دکنی کی یہ خصوصیت صوتیاتی نیز تشکیلیاتی ،صرف ہریانی سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ جمنا پار کی کھڑی بولی کے علاقے میں بھی میں خصوصیات دیکھنے کو مل جاتی ہے ۔ میں وجہ ہے کہ اددو کی تعلق میں دونوں کے عناصر پائے جاتے ہیں لیکن جونکہ دبلی مدتوں صدر مقام رہا اس لئے اددو کا تعلق میں دونوں کے عناصر پائے جاتے ہیں لیکن جونکہ دبلی مدتوں صدر مقام رہا اس لئے اددو کا تعلق میں دونوں کے عناصر پائے جاتے ہیں لیکن جونکہ دبلی مدتوں صدر مقام رہا اس لئے اددو کا تعلق میں دونوں کے عناصر پائے جاتے ہیں لیکن جونکہ دبلی مدتوں صدر مقام رہا اس لئے اددو کا تعلق میں دونوں کے عناصر پائے جاتے ہیں لیکن جونکہ دبلی مدتوں صدر مقام رہا اس کے اددو کا تعلق کھڑی سے ذیادہ ہے ۔

مقدمہ تاریخ زبان اردو کے آٹھوی اڈیش مطبوعہ ۱۹۸۶ء میں لینے نظریے پر نظر آنی کرکے اسے قطعیت دے دی ہے ۔ ان کے نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ اردو ، برج ہریانی اور کھڑی بولی ہے ۔ مل کر بن ہے ۔ کتاب کا اختتام وہ اس طرح کرتے ہیں :

" زبان دفی و پیرا منش " اردو کا اصل منبع اور سرچشر ہے اور " حضرت دبلی " اس کا حقیقی مولد و منشا "

نبان دبلی و پیرائنش کی اصطلاحی روشن مسعود صاحب کو حضرت امیر خسرو سے کی ۔

ہے۔ اپی شنوی "یہ سپر " میں امیر خسرو نے ہندوستان کی بارہ زبانوں کے نام گنوائے ہیں۔ ان میں سے ایک لاہوری اور دوسری " زبان دبلی و پیرائنش " ہے ۔ دبلی اور پیرائنش سے مراد زبان دبلوی اور اس کے نواح کی کھڑی بولی اور ہریاتی کے ہیں ۔ اس پر مسعود صاحب کانظریہ قائم ان دبلوی اور اس کے نواح کی کھڑی بولی اور ہرج کی اردو سے مماثلتوں کی تفصیل گنوائی ۔ جس کے لیے انھوں نے کھڑی ، ہریائی اور برج کی اردو سے مماثلتوں کی تفصیل گنوائی ، مسعود صاحب کا کہنا ہے کہ اردو کا ڈھانچہ کھڑی بولی پر تیار ہوا ہے ۔ جبنا پار کی ہریانوی ، ۔ مسعود صاحب کا کہنا ہے کہ اردو کا ڈھانچہ کھڑی بولی پر تیار ہوا ہے ۔ جبنا پار کی ہریانوی اولی اور کھڑی بولی سے قدیم اردو کر دکنی قریب تر ہے ۔ جدید اردو لینے صرف و نحو کے اعتبار میلی اور کھڑی بولی سے قدیم اردو کر دکنی قریب تر ہے ۔ برج بھانتا نے بعد کو اردو کا مراد آباد اور رام بور کے اصلاع کی بولی سے قریب ہے ۔ برج بھانتا نے بعد کو اردو کا حراد آباد اور رام بور کے اصلاع کی بولی سے قریب ہے ۔ برج بھانتا نے بعد کو اردو کا

معیاری لب و لیجہ متعین کرنے میں مدد دی ۔ کھڑی بولی کے دوروپ ہیں ۔ ایک روپ وہ ہے جو دوآبہ ، گنگ و جمن کے بالائی حصے یعنی سہار نیور ، مظفر نگر اور میرٹھ میں رائج ہے ۔ دوسرا روپ وہ ہے جو دوآبہ ، گنگ یار کے بجنور ، رام بور اور مراد آباد کے اصلاع میں بولا جاتا ہے ۔ ان اصلاع میں بولی جانے والی کھڑی کو مسعود صاحب اردو سے قریب ترین قیاس کرتے ہیں ۔ کھڑم اور دکنی کی صوتی و صرفی کئ ممالتیں مسعود صاحب نے تلاش کی ہیں ۔ بیاں ان میں سے چند اہم مماثلتیں پیش کی جاتی ہیں :

(۱) د کنی اردو کی طرح کھڑی بولی کی یہ عام خصوصیت ہے کہ اس میں در میانی (۵) گرا دی جاتی ہے ۔ جیسے کال (کہاں) کبی (کمجی)

(٢) کھڑی (ڑ)اور (ڑھ) ہر ڈاور ڈھ کو ترجیج دیت ہے جو دکنی کی بھی خصوصیت ہے ۔

(۳) دکنی اردو میں جمع کی علامت (ان) ہے کہیں کہیں [وں] سے بھی جمع بنائی گئ ہے) (ان) کی جمع آج بھی میرٹھ ،مظفر نگر اور سہارن بور کے اصلاع میں سائی دیت ہے جیسے دنال ، کھیتال وغیرہ

(۳) (نے) کا استعمال دکنی اردو کی طرح کھڑی میں بھی بے قاعدہ طور پر پایا جاتا ہے یعنی سے فاعلی اور مفعولی دونوں حالتوں میں آتا ہے ۔

(ہ) ضمارَ میں دکنی اردو کا (تو) آج بھی کھڑی کے علاقے میں رائج ہے ۔

(۲) دکنی اردو کا (او) (وه) کھڑی میں (اوه) کی شکل میں ملتا ہے۔

(۱) دکن میں عام طور سے اصافی حالت میں میرا اور تیرائی بجائے مج ، منج اور تج استعمال ہوتا ہے ۔ موجودہ اردو ہوتا ہے ۔ دلی کے قدیم شعرا جیسے حاتم کے بیال اس کا استعمال ہے ۔ موجودہ اردو اور دبلی کی بولیوں میں اب یہ متروک ہے ۔

(۸) دکنی کے ضمار میں سبسے قابل ذکر "اپس" ہے جو خود کے معنوں میں مستعمل ہے اس کا تعلق بھی نواح دلی کی بولیوں سے ہے۔

(۹) دکنی اردو کے اکثر افعال کی توجہ ہریانوی اور کھڑی کے افعال سے کی جاسکتی ہے۔ دکن اور ادبی اردو میں افعال مثلا جائے ہے ، کھائے ہے ، ماروں سو ، آوے ، لاوے ، کمجو، دبجو ، ہمووے گا، نوح دلی اور دلی میں بلا تکلف استعمال کیے جاتے ہیں۔ دکن میں تو

ان کا استعمال عام ہے ۔

دکنی زبان کے تقریباً تمام حرف ، نواح دبلی کی بولیوں میں قدیم زمانے سے دائج ہیں ۔ ان میں سے کوں ، سوں ، سی ، منے ، لگ کئی میں عام طور پر مستعمل تھے ۔ (لگ) تو دبلی کے قدیم شعرا کے میال بھی کمڑت سے آیا ہے ۔ (کول) (سیں) میں انفی اواز آج تک نواح دبلی کی بولیوں کی خصوصت ہے ۔ خصوصت ہے ۔

قدیم دکن کے اکثر غریب الفاظ کی توجیمہ بھی رپروفسیر مسعود حسین خال نے نواح دہلی کی بولیوں سے کی ہے مثلا:

- (۱) کدھیں (مجی) اب تک دلی اور اس کے اطراف میں مستعمل ہے۔
- (۲) آ ناول (آناولا = جلد باز) قدیم دکن میں آنا ہے ۔ دہلی کے محاورہ میں اناولا ہونا جلد بازی کرنے کے معنی میں آج بھی استعمال ہونا ہے ۔
- (۳) فکر وند (فکر مند) · ہریانی میں عام طور سے م(و) میں تبدیل ہوجاتا ہے دل میں بھی اس طرح بولاجاتا ہے جیسے چلمن ،چلون ،دکنی میں آج بھی چلمن کے ساتھ چلون کہتے ہیں۔
 - (۳) وستاد(استاد) دکن میں آج بھی ملتاہے ۔دبلی اور میرٹھ کی بول میں یہ ِ عام ہے ۔
- (ہ) ایجنا (اُکُتا)خالص سنسکرت کا لفظ ہے جو دکن میں ملتا ہے ۔ دہلی کا ایک محاورہ ہے بویا گیموِ ایجا جو)
- (۱) پتیانا (یقین کرنا یہ بھروسہ کرنا) دکن میں اب بھی ملتا ہے ۔ دہلی کے محاورے میں عام ہے ایک محاورہ ہے "اندھاجب پتیائے جب دو آئھیں پائے)
- (۱) ناؤں اور ٹھاؤں (نام اور جگہ) قدیم دکنی میں مستعمل تھا۔ دبلی کے دو محاوروں میں یہ جوں کے توں ملتے ہیں۔

ا ۔ کھٹے میں پاؤل دفتر میں ناؤل ۲۔ ثابت قدم کو ہر جگہ ٹھاؤں

آگے جل کر ان مماثلتوں کے بارے میں پر فسیر مسعود حسین خال صاحب کہتے ہیں کہ مراہی زبان کے بعض لسانی اثرات کو چھوڑ کر دکنی اردو کے تمام غریب الفاظ کی توجیہ نواح دلمی کی تین بولیوں (ہریانی ، کھڑی اور برج) سے کی جاسکتی ہے ۔ شمالی ہند میں زبان کے ارتقاکی رفتار بہت تیزرہی ۔ اس کے برخلاف دکن میں اجنبی بولیوں کے ماحول میں لسانی ارتقادک ساگیا ہے ۔ سیبی وجہ ہے کہ دکنی اردو میں الفاظ کی جو شکلیں ملتی ہیں وہی شمالی ہند میں آج سے چھ سو برس پہلے رائے تھیں ۔

میکس میولر [(۱۹۰۰ - ۱۹۰۰) سنسکرت کے بڑے عالم تھے ۔ انھوں نے رگ وید کی تفسیر کھی تھی ۔ لسانیات پر ان کے خطبات اور مضامین ۱۸۱۱ ء اور ۱۸۲۲ ء میں شائع ہوئے] کا خیال ہے کہ زبان کی تقسیم اور قرابتوں کا تعبین ان کی صرفی و نحوی ساخت کے مطابق کیا جاتا ہے ۔ فرہنگ الفاظ کی اس سلسلہ میں کوئی اہمیت نہیں [بحوالہ داستان زبان اردو ص ۲۰] پروفسیر مسعود حسین خال نے بھی دلمی اور نواح دلمی کی زبانوں پر اسی نقطہ ، نظر سے زور دیا ۔

دلی چار بولیوں کے سنگم پر واقع ہے ۔ یہ بولیاں ہیں ہریانی ، کھڑی ، برج بھاشا اور میواتی (راجتھان کی ایک بولی) ۔ بقول مسعود حسین خال صاحب اردو کے ارتقاری ان تمام بولیوں کے اثرات مختلف زبانوں میں پڑتے رہے ہیں ۔ ہریانی نے قدیم اردو کی تشکیل میں حصہ لیا ۔ کھڑی بولی نے جدید اردو کا ڈول تیار کیا ۔ برج بھاشا نے اردو کا معیاری لب و لجہ متعین کرنے میں مددی ۔

ر وفسیر متعود حسین خال کی اس لسانی تحقیق سے تقریبا (۱۵) سال قبل یعنی ۱۹۳۰ء کے آس پاس ژول بلاک (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۵۳ء) نے این تحریوں میں اردو رپر ہریانی کے اثرات کی نشاندی کی تھی ۔ یہ اور بات ہے کہ انھوں نے صرف ہریانی کی اہمیت پر زور دیا اور نواح دلی کی دیگر بولیوں کو نظر انداز کرگئے ۔

ثول بلاک کے بعد ان کے شاگرد ڈاکٹر می الدین قادری زور نے بھی اردو پر کھرمی اور ہربانی کے اثرات کا ذکر کیا۔ جور نے اور محمد حسین آزاد نے برج پر زور دیا لیکن کسی نے ان زبانوں کا اسانی تجزیہ نہیں کیا تھا پروفسیر مسعود حسین خاں نے ، سب سے پہلے اسانیاتی تجزیہ کے ساتھ مدلل طور پر اپنا نظریہ پیش کیا کہ " زبان دبلی و پیرا منش " اردو کا اصل شج اور سرچشمہ ہے اور حضرت دبلی اس کا حقیقی مولد و منشا " جو سراسر حقیقت پر بینی ہے ۔

 \mathcal{O}

اږدو کااثر تلگو پړ

زبان انسانی خیالات کی ترسیل کا وسیلہ بھی ہے اور ذہنی و جذباتی روایوں کا مظہر بھی۔ یہ انظرادی ہونے کے علاوہ ایک سماجی اور تہذبی عمل بھی ہے ۔ دئیا کی ہر زبان اس کے بولنے والے گروہ کی ذہنی و تہذبی تاریخ اور اس کے عروج و زوال کی داستان ہوتی ہے۔ اس کے علمی تہذبی ، سماجی اور تاریخی حالات اور ماحول کی نمائندگی کرتی ہے ۔ زبانیں قدیم بھی بیں اور جدید بھی ، پیدا بھی ہوتی ہیں اور مربھی جاتی ہیں " سخندان فارس " میں محمد حسین آذاد کھتے ہیں!

" تم لفظوں کو فقط اتنا ہی سمجھو کہ برائے نام خاص خاص چیزوں پر اشارے کرتے ہیں ، رقی و ہیں ۔ طور کروگے تو پاؤگے کہ وہ بھی اور چیزوں کی طرح پیدا ہوتے ہیں ، رقی و سرل کرتے ہیں ، سفر کرتے ہیں اور اس میں طبیعت اور رنگ بدلتے ہیں اور سرمجی جاتے ہیں ۔

ان کے حالوں ، چالوں اور انقلابوں کو دیکھوگے تو مطوم ہوگا کہ جس طرح قوموں کی تاریخیں اپنے حالات ، مقامات سے کھلائے ہوئے دلوں کو شکفتہ کرتی ہیں ، لفظوں کی تاریخیں اپنے ہی لطف و خوبی کے ساتھ اس سے زیادہ دماعوں کو شاداب کرتی ہیں ۔ " [ص ۱۲]

جب ایک زبان دوسری زبان سے ربط میں آتی ہے تو ان دونوں میں الفاظ کا لین دین صروری ہوجاتا ہے ۔ ایک زبان کے الفاظ جبدوسری زبان میں رواج پاتے ہیں تو انھیں

مستعار اور دخیل الفاظ کہا جاتا ہے۔ یہ لین دین اتنا سادہ نہیں ہوتا کہ چیزوں کی طرح لفظوں کو ا دھر ا دھر دیا جائے ۔ مستعار الفاظ کسی زبان کی لفظی فہرست میں بے جان اصافہ نہیں ہوتے ۔ ہر زبان کا اپنا ایک صوتیاتی نظام Phonetic System ہوتا ہے ۔ اس کے لینے صرفی و نحوی اصول ہوتے ہیں اور مقررہ معنی ۔ ظاہر ہے کہ کسی زبان کے الفاظ اس کے عصنویاتی کل کا جزو ہونے کی حیثیت سے اسی زبان کے صوتی رجمانات صرف و نحو کے اصول ، ذہنی میلانات اور معنی کے پابند ہوتے ہیں ۔ جب ایک زبان کے الفاظ یا فقرے ، اصطلاحات اور ضرب الامثال وغیرہ دوسری زبان کے قلمروس داخل ہوتے ہیں تو انھس ایک بالكل نئ فصنا، اور اجنبی ماحول سے واسطہ رہیا ہے۔ ان كو استعمال كرنے والا وہ شخص ہوتا ہے جس کی این مادری زبان جداگانہ صوتیات ، مختلف صرفیم و نحوی اصول اور اس کے لینے سوچنے كا انداز بالكل مختلف بوتا ہے ۔ اس كے ان نے دخيل الفاظ كو اكثر اپنى زبان كى بعض انتيازى خصوصیات سے دستردار ہونا ریا ہے اور اجنبی زبان اور اس کے رجحانات کے مطابق بننا ریتا ہے ۔ زبانوں کی باہمی قربت یا عدوری کے تاسب سے دخیل الفاظ اپنا صوتی ، صرفی ، نحوی اور معنوی حولا بدلتے رہتے ہیں ۔ بعض صور توں سی تو دخیل الفاظ کی کئ اعتبار سے الث بھیر ہوجاتی ہے ۔ ہر دخیل لفظ کی ترذیب و نارع اس نئ زبان کی تہذیب و تاریخ کا حصہ بن جاتی ہے جس میں کہ وہ لفظ قبول کیا جاتا ہے۔

دخیل الفاظ کی تبدیلیوں کو لسانیات کی اصطلاح میں تصرف کہا جاتا ہے۔ تصرف ایک فطری عمل ہے لین مختلف خاندان السنہ سے تعلق رکھنے والی زبانوں میں عادیت اور تصرف کے وقت معطی زبان Donar Language کے صرفی و نحوی اصولوں سے مکمل واقفیت حاصل کرنے کے باوجود ایک تعلیم یافتہ شخص اس زبان کے دخیل الفاظ کو اپن زبان کے اصولوں کا یابند بنانے ہم مجبور ہوجاتا ہے ۔

حبال تک اردو اور تلنگی کے لفظی لین دین کا تعلق ہے دکنی اردو نے تلنگی کو قابل لخاظ حد تک متاثر کیا ہے ۔ بعض محققن نے اس موضوع ری کام کیا ہے جن میں BrucePray کی تحقیق قابل قدر ہے ۔ فارسی اور اردو دکن میں حاکموں کی زبان رہی ۔ اردو ایک مخلوط زبان ہے جس میں عربی ، فارس ، ہندی کے علاوہ ترکی ، بونانی ، انگریزی اور فرانسیسی کے الفاظ مجی شامل ہیں جب تلتکی نے اردو سے الفاظ مستعار لئے تو اردو کے بیں منظر، تلفظ، معنی اور اصطلاحات کا بھی مختلف سطحوں میر درآنا ایک فطری بات تھی۔ دکن میں یہ تاریخی عمل صدیوں جاری رہا اردو سابقوں اور لاحقوں نے بھی تلنگی کو متاثر کیا ۔ بعض تلنگی حبلوں کی نحوی تر کیپ اردو حملوں کے مطابق ہوگئی مستعار اردو محاورے بھی این اصلی حالت یا ترجیے کی شکل میں تلنگی میں رائج ہوگئے۔ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ دکنی اردو بھی تلنگی سے متاثر ہوئے بغیریہ رہ سکی چنانچہ کئ تلکی الفاظ مستعملہ اردو میں مل جاتے ہیں ۔ اس طرح بول چال کیے اردو حبلوں کی تشکیل من بھی تلنگی اثرات کا پنہ چلتا ہے جیسے ڈویا ، کنڈا ، گاڑی ، ساباش کھبردار ، سوالو ، جوابو ، عجاج (مزاج) راجی نامه ، جبردت کر کوجا (کوزه) یا گفت ، ڈبا ، مچر حاصر ہوتا ہوں ، جاکے آیا ہوں ، ایسا بولے بولکے بولو وغیرہ ۔ اردو اور تلنگی بولنے والوں کا سابقہ سب سے پہلیے علاؤ الدین خلجی کے تملے یعن ۱۲۹۹ء میں ہوا۔ اس کے بعد غیاث الدین تغلق کے دور میں دکن کی کاکتیہ سلطنت، سلطنت دلی کے رعب و اثر میں آگئ ۔ فوج کشی کے بعد شمالی ہند کے ترک فوجیوں آ کی خاصی تعداد دکن می مس بس گئی تبلیغ و ہدایت کے لئے اولیا اللہ بھی کثیر تعداد میں آئے ۔ ان سب كا تلنكي زبان ، تجارت ، لين دين اور تهذيب وتمدن سے ربط صبط برهماً كيا - مخل ، كخواب اور مشروع جو ترک افسروں کے لباس میں استعمال ہوتے تھے ، کا کتبیہ سلطنت کے شاہی ، محلوں امیروں اور حاکموں کے پاس بھی رائج ہوگئے ۔ قالین بانی اور قالین کا استعمال دولت مند طبقه من شروع ہوا ۔ اولیا اللہ کے دیے ہوئے تعوینی انقش اور گنڈے وغیرہ تلنگی بولنے والوں میں بطور عقدت سے جانے لگے۔ حوالکہ مسلم تہذیب سے متعلق چیزوں کے لئے تلکی میں

کوئی مترادف یا متبادل الفاظ سرے سے موجود نہیں تھے اس کئے فارسی اور دکنی اردو کے الفاظ انہیں مستعار لینا بڑا ۔ کبھی ان مستعار الفاظ کے تلفظ میں تبدیلی ہوئی اور کبھی معنی میں ۔ عاریت ِ الفاظ اور لسانی تصرفات کا یہ عمل بارھویں صدی کی سپتا رہا ۔

الا الا الا المراء میں وجیانگر کی سلطنت قائم ہوئی اور کھے عرصے بعد دکن کی ہمنی سلطنت وجود میں آئی۔ ہمسا سلطنتوں کی باہمی رقابت جنگوں کو جنم دیتی ہے ۔ وجیانگر نے محسوس کیا کہ اس کے موثر دفاع کے لئے عرب اور ایرانی ہتھیاروں اور مسلمان سپاہیوں کی شدید صفرورت ہے ۔ اس لئے ترک، افغان اور ایرانی سپاہیوں اور تاجروں کو کئی مراعات اور سپولتیں دی گئیں۔ مسلم سپاہیوں کے گھوڑے ، فوجی ور دیاں اور ہتھیار بھی الگ تھے ۔ ان کے عہدوں کے نام فارسی میں تبدیلیاں ہوئیں اور فارسی و دکنی الفاظ کا چلن میں تھے اس لئے عہدوں کے تائی ناموں میں تبدیلیاں ہوئیں اور فارسی و دکنی الفاظ کا چلن مشروع ہوا مثلاً حوالدار ، قلعہ دار ، سپاہی و عمرہ اگر سیاسی اور فوجی رقابت ان دونوں دکنی سلطنتوں کے درمیان پیدا نہ ہوئی ہوتی تو وجیانگر کی تلکو سلطنت اتنی آسانی سے لسانی تغیرات اور تہذیبی تبدیلیوں کو قطعاً قبول نہ کرتی ۔

اس کے برخلاف قطب شاہی سلطنت میں مخلوط تہذبی اثرات اور لسانی تغیرات کی نوعیت خالص تمدنی ضروریات اور سابی روابط کی بنیاد پر تھی ۔ قطب شاہی کلچر دکن میں ایک مشترکد کلچر تھا ۔ قطب شاہی بادشاہوں نے اپنی سلطنت کے قیام سے ہی امن و آشتی کی خاطر آبادی کے تمام طبقات سے روابط اور تعلقات کو فروغ دیا ۔ ابراهیم قطب شاہ نے تلکو سیکھنے کے لئے وجیانگر کاسفر کیا تھا وہ تلکو میں شاعری بھی کرتا تھا ۔ سلطان قلی اپنی سلطنت کے آندھرا علاقہ میں "بڑے ملک " کے لقب سے پکارا جاتا تھا ۔ اس کی تلکو بولنے والی رعایا بھی جو کرثرت میں تھی اس کی بڑی عرت و توقیر کرتی تھی ۔ ابراهیم قطب شاہ نے تلکی خاتون بھاگیرتی سے شادی کی اس کے بیٹے محمد قلی قطب شاہ کی بیوی حدید محل بھاگ متی بھی ایک تلکو خاتون تھی ۔ معمد قلی کے دور میں دکنی اردو کے ساتھ ساتھ تلکی ذبان کی بھی سرپرستی ہوئی ۔ عالم ، فاصل ،

شاعر اور فن کار اس کے دربار کی زینت تھے۔ اڈنکی گنگا دھر کوی نے مہابھارت پر لکھی کاب " آپتی سامور لو پاکھیا نامو " شاہی سررپر ستی میں تصنیف کی۔ قطب شاہی امراء مجی تلنگی ادب کی قدر افزائی کرتے تھے ۔ امیر خان تحصیل دار پٹن جیرو نے " پانی گنڈی تلنگانہ رایا " کی ادبی تصنیف " پیاتی چرترا " کی امداد میں کوئی کسر اٹھا نہیں

ک۔ طلب سابی امراء کی میں ادبی تصنیف " پیاتی چرترا " کی امداد میں کوئی کسر اٹھا نہیں ۔ نے " پانی گنڈی تلنگانہ رایا " کی ادبی تصنیف " پیاتی چرترا " کی امداد میں کوئی کسر اٹھا نہیں ۔ رکھی۔ بقول ہمارے دکنی مورخ عبدالمجد صدیقی کے "قطب شاہی خانودے کی تاریخ آندھرا دیس می کی تاریخ ہے "

مندرجہ بالا تاریخی اور سیاسی عوامل کے تیجے میں تلنگی بولنے والوں کو دربار کی زبان فارسی اور دکنی اردو سے مطابقت کرنی ضروری تھی ۔ قطب شاہی سرکار کی زبان فارسی اور دکنی اردو اور محلات میں دکنی اردو اور تلنگی کا چلن تھا جو اکثر و بیشتر عوام کی زبانیں تھیں اس طرح موجودہ آندھرا پردیش کا علاقہ صدیوں سے کم از کم ذو لسانی رہا ہے۔ علمی اور ادبی محفلیں سہ لسانی برہیں ۔ قطب شاہی وزیر مادنا ان کا بھائی آئنا پیشکار ، نادائن راؤ اور تھمیا اعلیٰ ترین عہدوں پ فائز رہے ان سب کو فارسی اور دکنی پر پورا عبور عاصل تھا ۔

قطب شاہوں کی حقیقی جانشین اور ان کے اصول حکمرانی کو اپنانے والی آصف جاہی سلطنت ۱۷۲۳ء میں قائم ہوئی اور سوا دو سو برس تک حکمران رہی ۔ لسانی اعتبار سے آصف جاہی حکمرانوں کے اصلاع تلکی ، کنٹڑی اور مزہی بولنے والی آبادی پر مشتمل تھے ۔ جس میں تلکگانے کے آٹھ صلعے ، مرہ واڑے کے چار اور کرنائک کے چار صلعے تھے ۔ آصفیہ حکومت للگانے کے آٹھ صلعے ، مرہ واڑے کے چار اور کرنائک کے چار صلعے نقص ۔ آصفیہ حکومت نے اتنی کامیاب لسانی پالیسی اختیار کی کہ مقامی زبانوں کو اپنے ساتھ فرق اور امتیازی سلوک کی شکایت ہی پیدا نہیں ہوئی ۔ ریاست حیر آباد کی سرکاری زبان ۱۸۸۴ء تک فارس تھی لیکن عام بول چال اور تصنیف و تالیف میں اردو کے ساتھ ساتھ تینوں علاقائی زبانوں کے استعمال کی آزادی تھی ۔ سارا دہی ریکارڈ مقامی زبانوں میں رکھا جاتا تھا ۔ گلگڑ، مہتم ، بولیس اور ناظم عدالت اور مالگزاری افسروں کے لئے لائی تھا کہ وہ تینوں علاقائی زبانوں میں سے دو میں بات چیت اور مالگزاری افسروں کے لئے لائی تھا کہ وہ تینوں علاقائی زبانوں میں سے دو میں بات چیت

اور سرکاری مراسلت کی اہلیت کے سر ٹیفیکٹ حاصل کرس ۔ ان سب کا اثریہ ہوا کہ تلنگی کے اسکالرز عالم ، فاصل ، ادیب اور شاعروں نے علم و فن میں امتیاز پدیا کرنے کے خیال اور لینے ہمعصر علما کے ہم پلہ رہنے کے تصور سے دکنی / اردو اور فارسی سیھی ۔ ان زبانوں مل لیافت پیدا کی ۔ صدیوں کے تہدی اور ساس ارتباط سے تلنگی دانوں کا ایک دولسانی طبقہ وجود من آیا جو اردو فارسی اور ان میں موجود علوم و فنون سے اچھی طرح واقفیت رکھتا تھا۔ بادشاہ اور امراء کو المیے طبقے کی ضرورت بھی تھی ۔ اسی طبقے نے اردو تلنگی ، اور تلنگی اردو الفاظ و معنی اور اسلوب کے بہمی لمن دن مس برا رول ادا کیا ۔ یہ ایک لسانی حقیقت ہے کہ صاحبان اقتدار کی زبان سے دوسری علاقائی زبائس زیادہ الفاظ ، اصطلاحات اور تراکیب لتی ہیں ۔ تلکی نے فطری طور بر دکن اردو سے سبت کھ الفاظ مستعار لئے اور ان میں لسانی تصرفات بھی کئے ۔ حالال کہ ان زبانوں کے خاندان جدا گلنہ ہیں ۔ دونوں میں لسانی آل میل مشکل مرحلہ ہے، کیکن ایسا ہوا ہے ۔ تکنگی کی صوتیات اردو کی صوتیات سے واضح طور پر مختلف ہے ۔دکن کے باشندوں کو اردو میں شامل عربی کی دخیل آوازس اورخ /غ/ف/ز اورق سے دوجار ہونا بڑا اس لئے انھوں نے ان آوازوں کو این زبان کے قریب المخرج صوتوں سے بدل لیآت کو کاف سے ،خ کو کھ اور ک سے ، غ کوگ سے ، ف کو پھسے: ز ،ج سے اورش ،س سے بدل لئے گئے ہیں۔ مثلا جاتو ، جاكو ہوا ، قلم كلم ، خبر كعبر /كبر ، چراغ چراك ، داغ سے داك وغيره _ تعليم يافت طبة جو علمی یا ثقافتی اور سیاس اعتبار سے بلند ہوتا ہے اس کی یہ کوششش ہوتی ہے کہ وہ دخیل الفاظ کو اس کے صحیح مخرج اور اصل معنی میں استعمال کرے ۔ تعلیم یافتہ طبقے نے فارسی ف کو لینے حروف مجی میں داخل کرلیا۔ لیکن عام طور رین ف کا تلفظ ب ر پھ اور بسے ادا ہونے لگا مثلاً تربو (تلنگی می) Side **طرف[الددو]** افو/مالع "" topardon profit/gain " پھائدہ/پائدہ

ب ریو کی مثال Fasli Calender year تيممانو Farman Royal Order Begger / Saint Detail دوسری صوتی تبدیلی می اردو کے حرف خ کو ہندی کے کھ / کاسے بدل لا اگا مثلا كهرو / كبورو news کھرالو / کراپ bad دواکھانہ / دوا کا بنہ hospital دواخانه اردو مں دخیل عربی کے مخصوص حرف ع کوگ سے بدل لیا گیا مثلا poor گیر حاصر absent داروگا Suprentendent Carectareer داروغه اس طرح ش کا تلفظ س سے بدل گیا مثلا ىشرارت ش کے س سے بدلے ہوئے تلفظ سے دکن کے اردو بولنے والے بھی متاثر ہوئے بغیر مند رہ سکے چنانچ انہیں یہ بارہا سننا می اسے کہ "ان کاشین قاف درست نہیں ۔ " بعض مستعار الفاظ من س كا تلفظ ج سے تبديل ہوگيا مثلا اردو می عربی کے دخیل ق کے مماثلُ تلنگی حروف بہی میں کوئی حرف نہیں ہے ۔ خود تلکانا کے ارو بولنے والے تھی ق اور خ کے تلفظ می فرق نہیں کریاتے تلکی میں ق کوک سے بدل لیا گیاہے مثلا بندوكو عجب اتفاق ہے کہ بلئے محتفی (final h) کا تلفظ اردو میں بھی ادا نہیں ہوتا اور تلنگی میں بھی ہائے مختفی نہیں رویھی جاتی مثلا جگه / حاگه جگا/ حاگا بائے محتفی کی طرح بائے صور یعنی (middle h) بھی تلنگی میں ادا نہیں ہوتی مثلا

سي يا ئي.

تلنگی من بلئے حوز اور حلی کے تلفظ میں کوئی فرق نہیں ہے اردو کے بولنے والے اس فرق کا لحاظ نہیں رکھ سکے ۔ جبکہ اردو رسم الخط میں بلنے ھوز اور حائے حطی الگ

الگ لکھے جاتے ہیں۔ اس کے لیے تلکی میں ایک بی حرف تجی ہے۔

تلنگی میں ایک عام طریقہ یہ ہے کہ زنن ور فاکے تلفظ کو ج سے بدل لیا جاتا

ہے.اکٹر ہندوستانی زبانوں میں بھی سی طریقہ ہے۔

زرتار جلاتارو راضی نامہ راجی نامہ صلع جلا کافند کارگج / کا گت / کا گتو

کورمی بول کا " ل " برج بھاشا میں (ر) سے بدلتا ہے ۔ تلنگی میں بھی دخیل بعض عربی اور ہندی الفاظ کا " ر " کو" ل " سے بدلنے کا رجمان ہے ۔ اور کبھی اس کے برخلاف بھی جیسے ،
عربی کا لفظ عجل بمعنی تنزی ، پھرتی ۔ جلدی یعنی عجلت عجر / عجوہ ہوگیا ہے ۔
سنسکرت کا نیرو (یعنی پانی) نیلو ہوگیا ہے ۔

اسما وصفات کا تعلق زبان کے قواعد اور ساختی پہلو syntax ہے نہیں ہوتا بلکہ لنوی (Lexical) مغیاتی (Semantic) پہلو سے ہوتا ہے اس لئے یہ کسی دوسری زبان کے صوتیاتی مزاج میں آسانی سے رنگ لئے جاتے ہیں ۔ یم وجہ ہے کہ دو زبانوں میں ارتباط ہونے کی صورت میں عموما اسم برای تعداد میں باسانی ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہوتے ہیں ۔ تلکی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اردو بشمول عربی ، فاری اور ہندی اسماء مستعاد لے کر ان کے آخر میں ام و (amu) کے اصافے سے انھیں اپنالیتی ہے اور یہ صورت عموما میں زیادہ ملتی ہے مثلا

دوكان دوكانو پيتک پستكامو كلان كارنامو

یہ بات مجی دلچی سے خال نہیں کہ اردو دخیل الفاظ کے تلفظ کو تلنگی میں تبدیل کرلیا گیا مجموما زیر یعنی کسرہ کو زیر یعنی فتہ سے بدل لیا گیاہے مثلا

مستاجرو مستاجر ر کا بی ر کا بی کابل رکامل ذیل کی مثال من فتح کسرہ سے بدل گیاہے مثلا بندگی مبند گی

اردو کے مستعار الفاظ کے آخر میں تلنگی مصوتے (أو) یعنی u کا اصافہ کرلیا جاتا ہے تو اس سے پہلے آنے والے مصوتے a (1) کو (أو) یعنی سے تبدیل کرناضروری موتا ہے ﴿

بل Badulu) بدلو Badal

(Full moon) Badru بدره Bader اصل زبان سے دوسری زبان میں جاکر مستعار الفاظ کے اصلی معنی میں ترمیم و توسیع ہوجایا کرتی ہے یا وہ لفظ بالکل نے معنی میں برتے جانے لگتے ہیں اس طرح اس زبان کے ذخیرہ ء الفاظ کی کمی کو ہر کرتے ہیں ۔ مثلا توب سے توپائی Tupaki (یعنی gun) جب تلنگی میں داخل ہوا تو تلنگی زبان میں ہتھیاروں کے ذخیرہ سے متعلق ایک لفظ کا اصافہ ہوا ایے متعار لفظوں سے معنوی وسعت پیدا ہوتی ہے ۔ مثلا عباسی وار Abbasi war سے در حقیقت عباسی تلوار مراد تھی لیکن سی لفظ کسی شخص کے حپرے برعزم و استقلال کے نقوش کو اداکرنے کے لئے بھی استعمال ہوتائے اس معنی کے لئے تلکی میں کوئی لفظ نہیں تھا۔

تلنگی من اردو کے متعار لفظوں من معنوی تبدیلیوں اور تصرفات کا روایت مطالعہ

حب ذیل طریقوں رہ ممکن ہے :

- (۱) ارادی معنوی تبدیلی اور تبادله
 - ۱) معنوی وسعت
 - (۳) معنوی عمومیت
 - (۳) معنوی ارتقا
 - (a) معنوی انحطاط
- مثالیں (۱) دلبو Dabbu اصل اردو لفظ ڈبہ Dabba ہے ہے جس میں عموما رقم رکھی جاتی تھی۔ تلنگی میں " ڈبو " ظرف کی بجائے مظروف یعنی رقم کے لئے استعمال ہونے لگا ۔
 - (۲) منڈواMandava اصلِ اردو لفظ منڈواMandava یعنی خیمہ یا

عارضی قیام گاہ تھا لیکن تلگو میں Roof عارضی قیام گاہ تھا

in open place کے معنی میں مستعمل ہے ۔

- (٣) فرنگی: اردو میں نور پین کے لیے استعمال ہوتا تھا لیکن تلنگی میں اس نے اپنے معنی تبدیل کرلئے اور gun کے یعنی توپ اور بندوق کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔
- (۳) دستار الم Dustaramردو دستاریعن کلمل کی پگری یا شملہ جو خاص وضع کا ہوتا تھا۔ تلنگی میں سرکاری کاغذات کے بہتے یعنی عد Paper bund کے لئے استعمال ہونے لگا۔ یہاں معنوی تبدیلی کرئے کے اصل لفظ سے مرادی معنی میں ہوگئ۔ اس طرح (دفتر مو) بھی کرئے میں لیٹے ہوئے کاغذات یعنی فائل کے بنڈل یا کابوں کو کہتے ہیں۔

ر ' ادب سے ادلو Adapu تلنگی لفظ بنا اس کے معنی چال چلن عربت اور تعظیم کے ہوتے ہیں چونکہ ادب بردوں کے کنٹرول سے پیدا ہوتا ہے اس لئے بجائے ادب و عربت کے وہ کنٹرول کے معنی میں تلنگی میں استعمال ہوگیا۔

انسانی تاریخ مں ایسا دور کھی نہیں آیا جس میں ایک قوم نے دوسری قوم سے کھیے سکھا نہ ہو عرب و ہند کے تجارتی تعلقات قبل ظہور اسلام سے قائم تھے ۔ اس کی وجہ سے اکثر سنسكرت اور براكرت الفاظ عربي مي داخل بوكئ تھے۔ "عرب و مندكے تعلقات "ميس سد سليمان ندوی نے ایسے الفاظ کی فہرست پیش کی ہے ۔ سنسکرت میں بھی ثقافتی نوعیت کے الفاظ دیگر زبانوں کے ملتے ہیں۔جس ریر گریسن مرارٹ کالڈویل (Robert Coldwell) یف کمٹیل (F. Kittle)نے سنسکرت کے گفتلی خزانے میں درآنے والے الفاظ کی نشاندہی کی ہے اگر کوئی زبان سایس اقتدار کی حال ہو اور اس کاکسی دوسری زبانوں سے ایک طویل عرصہ کے لئے ربط ہوتو جس طرح وہ مقامی زبانوں کو متاثر کرتی ہے ۔ اس طرح مقامی زبانوں کے اثرات سے ا بن زبان کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکتی اور یہ ایک ناریخی عمل ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

د کنی ار دو کی لغت

بیویں صدی کے اوائل ہی سے ریاست حیدرآباد دکن میں دکنی مخطوطات کی تلاش و تحقیق کا کام شروع ہوگیا تھا ۔ مولوی عبدالحق ، ڈاکٹر زور ، پروفسیسر سروری ، پروفسیسر سید محد ، نصیرالدین ہاشی ، اکبرالدین صدیقی اور سعادت علی رصنوی وغیرہ نے نظم و ننژ کے دکن ادب پاروں کی بازیافت کرکے انھیں مدون اور مرتب کرنا شروع کیا ۔ سلسلہ ، نوسفیہ سلسلہ اشاعت د کنی اور ادارہ ، ادبیات اردو کی طرف سے اِن میں سے بیشتر کی اشاعت عمل میں آئی ۔ عثمانیہ . تونیورسٹی کے شعبہ ء اردو میں ان ادب پاروں کی تعلیم و حرریس کا اہتمام بھی کیا گیا اور مچریہ دوسری جامعات میں بھی مڑھائے جانے لگے ۔ ۱۹۹۲ء میں جب بروفسیسر مسعود حسین خال جامعہ ﷺ عثمانیہ میں صدر شعبہ ، اردو مقر عصن تو دکنی کے محققین اور طالب علموں کو ایک نی سمت و راہ لی ۔ ان نوواردان شوق نے دلنی کے کہند پیکر میں تھرسے روح چھونک دی ۔ دکنی مخطوطات کی تدوین اور طباعت میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا کہ کتاب کے آخر میں دکنی الفاظ کی ایک فرہنگ مجی شال کی جائے ۔ دکن لفظیات اور معنی کابیہ مواد اگرچہ کتابوں میں شال فرہنگوں اور صمیموں میں پھیلا ہوا تھا ، لیکن دکنی اردو کی ایک مبوط اور مرتب لفت کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تھی۔

اٹھارویں صدی کے آخر میں (۱۵۹۵ء کے لگ بھگ) ایک فارسی لغت یکٹر الفوائد" کا پتا چلتا ہے جس میں فارسی الفاظ کے معنی دکنی اردو میں درج کیے گئے ہیں۔ یہ لغت شاہ ممی الدین نے ۱۵۹۵ء سے قبل مرتب کی تھی۔۱۸۳۳ء میں نیاز علی بیگ نکست کی مرتبہ لغت ' مخزن الفوائد ملتی ہے اس میں بھی فارسی الفاظ کے معنی دکنی اردو میں لکھے ہوئے ہیں۔ پُرالفوائد "اپی قدامت کی وجہ سے اہمیت رکھتی ہے جس میں تقریبا دُھائی ہزاد فارسی الفاظ کے فی مل جاتے ہیں۔ اس لغت کی خصوصیت ہے ہے کہ اس میں دکنی الفاظ پر اعراب لگائے گئے مجس سے ان کا صحیح تلفظ ادا کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ دکنی اردو کی لغت تیار کرنے کی ب ابتدائی کوششش سید شعار احمد شعار نے کی ہے ۔ ۹۳ الفاظ کی یہ لغت ۱۹۵۰ء سے قبل مکتب اہیمیہ محید آباد دکن کی طرف سے شائع ہوئی ہے ۔ اس لغت کا سائز ہ ہم ہے ۔ اس میں دکن ابتدائی ، چال کے الفاظ و معنی زیادہ ہیں اور دکنی تصنیفات میں شامل الفاظ کے معنی کم ۔ یہ ابتدائی ، وادی اور مخلصانہ کوششش ہے جس کا اظہار مولف کے اس بیان سے ہوتا ہے :

" یہ امر باعث مسرت ہے کہ آج کل دکنی کے ادبیات سے خاص دل چپی لی جاری ہے ، اور ملک کے جرگوشے سے دکن تصنیفات کا ذخیرہ فراہم کیا جارہا ہے ، لین اس زبان کا کوئی افت موجود نہ ہونے کے باعث دکنی المریح ریدھنے اور سمجھنے میں سخت دشواریاں لاحق ہوری تھیں ۔ غرض اس زبان کی ایک افت کی سخت ضرورت تھی جس سے اس زبان کے المریح کے مطالعہ میں مدد مل سکے اور اس زبان سے کال واقفیت ہوجائے ۔ "

پروفسر معود حسین خال کی مرتبہ دکی اددو کی گفت اپی نوعیت کی پہلی گفت ہے۔
اعتبار سے کہ اس کو ایک غیر دکی صاحب علم و فن اور ماہر لسانیات نے ۲۹۸ شعری اور
اتسانیف کی سندول کے ساتھ مرتب کیا ہے جو ۳۸۱ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس میں گفت

اکھ بیشتر اصولول کی پابندی کی گئ ہے ۔ اس گفت میں شامل کرنے کے لیے خواجہ بندہ

السیو دراز سے لے کر ول ویلودی تک مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نرمی اور شعری تصانیف سے دکئ
کا انتخاب کیا گیا ہے ۔ اس ضمن میں ڈاکٹر مسعود حسین خال کھتے ہیں:

" جي سات بزار الفاظ كے ليے جو اس لفت ميں شامل كي گئے ميں تقريبا دُگن تعداد ميں لفظ جم كي قب تعم الله على وجد سے جھائك

دیے گئے یہ بعض ایسے الفاظ مجی خارج کردیے گئے ہیں جن کے معنی آخر وقت تک مفتبہ رہے اور جو مرتب شدہ متون سے واضح منہ ہوسکے یہ

لنت نگاری ایک دخوار اور صبر آزما علمی کام ہے ۔ اس کی مشکلات میں اس وقت اور اصافہ ہوجاتا ہے جب ایک ایس زبان کی لغت ترتیب دینی ہو جو کلاسکی ہونے کے باعث این لسانی ادبی آریخی اور تبزیب خصوصیات بھی رکھتی ہے ۔ ڈاکٹر مسعود حسین خال ہندوستان کے ایک مماز ماہر لسانیات میں اور دکنی اردو کے مزاج آشنا میں ۔ دکنی پر ملکی اور مقامی زبانوں کے اثرات سے بھی گری واقفیت رکھتے ہیں۔ اردو زبان کے آغاز و ارتفاکے بادے میں ان کا نظریه که " اردو کا منبع اور سرچشمه نواح دلی کی بولیاں ہیں " شہرت اور استناد حاصل کرچکا ہے ۔ علاء الدین خلجی کی فوجوں اور محد تفلق کی تبدیلی پایہ ، تخت کے سبب جو زبان سیال حالت میں دكن آئى تھىء دكن آكر اسے ايك نيا لسانى اور شذبى ماحول ملا ـ اس بند آريائى زبان كا دھارا دکن میں اپنی متجانس زبان مراہی کے ساتھ ساتھ دراوڑی خاندان کی کھڑی اور تلنگی سے مل کر نیا رنگ روپ اختیار کر گیا ۔ مبہنی سلطنت اور اس کی جانشین پانچ دکنی سلطنتوں نے اس زبان کو نکھارا ، اپنے سرکار و دربار میں جگہ دی تو اس کے بال و رہ نکل آئے اور اس میں شعری اور نٹری تخلقات شروع ہوئیں ۔ شمالی اور جنوبی ہند میں اردو کے اس تاریخی تسلسل اور ہندی پٹاتوں کی ناجاز توسیے پند ذہنیت کے امکانی خطرات کے پیش نظر کہ کس قدیم اردو کا دکن سرایہ ہندیا نہ لیاجائے ڈاکٹر مسعود حسین خال نے دکنی / دکھنی کے لیے شمس اللہ قادری کی وصع كرده اصطلاح "اردوس قديم "كى عربى آمز اصطلاح كى بجلي ساده اورسيل "قديم اردو "كو رواج دینا چا ہا ۔ چنال چہ شعبہ ءاردو عثمانیہ نو نورسیٰ سے ایک تحقیقی مجلہ جاری کیا تو اس کا نام انھوں نے " قدیم اردو " می رکھا تھا ، لیکن قدیم اردو کینے سے دکن کی تخصیص اور شناخت باقی نس ره سکتی تھی اور دکن والے اپنے اس تشخص اور تفاخر سے دست بردار ہونانہیں چاہتے تھے۔ اس لنے قدیم اردو کی اصطلاح مقبول نہ ہوسکی ۔ شاید سی سبب ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپن

مرتبہ لغت کا نام دکن اردو کی لغت رکھا ہے۔ پاکستان میں جمیل جالبی نے اپنی مرتبہ لغت کو قدیم اردو کی لغت کا نام دیا ہے جو دسمبر ۱۹۵۳ء میں مرکزی اردو بورڈ، پاکستان سے شائع ہموتی ہے۔

لغت کی تیاری کے لئے پہلے مرحلہ میں زبان کے ذخیرہ الفاظ کا رڈز بنائے جاتے ہیں۔ پیر لغت میں شامل کرنے کے لئے الفاظ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ قدیم زبان کی لغت تیار کرنا ہو تو مستند شعری اور نبڑی ادب پاروں سے الفاظ کا ذخیرہ اکٹھا کرکے لغتی الفاظ منتخب کرنے پڑتے ہیں۔

انتخاب الفاظ کے دوران عام طور پر ذخیرہ الفاظ کا نصف حصہ مسترد ہموجاتا ہے۔ دکن اردوکی لغت کے دیبات بنراد الفاظ کے لئے تقریبا دگن تعداد میں الفاظ جمع کرنے پڑتے ۔ ان میں سے کچھ جدید اردو سے مماثلت کی بنا پر حذف کردیے گئے تعداد میں الفاظ جمع کرنے پڑتے ۔ ان میں سے کچھ جدید اردو سے مماثلت کی بنا پر حذف کردیے گئے اور بعض مشتبہ معنی کی وجہ سے ترک کردیے گئے۔ سی وجہ ہے کہ دکنی کے طالب علم کو اس لغت میں اس کی ضرورت کے تمام مشکل الفاظ اور ان کے معنی نہیں ملئے۔

انتخاب الفاظ میں دوسرا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ مستعاریا دخیل الفاظ مجی شابل کئے جائیں یا ہمیں۔ دکنی میں عربی ،فارسی ،سنسکرت کے علاوہ ہند آریائی زبانوں میں سے گراتی ،مراہٹی اور دراور می فاندان کی کنٹری اور تلگی سے دخیل الفاظ ملتے ہیں ۔ ان دخیل / مستعار الفاظ کی موجودگی کے اسباب لمانی اور ادبی سے زیادہ تاریخی اور تہذیبی معلوم ہوتے ہیں ۔ دکنی اردو کی لغت میں ایسے تمام دخیل الفاظ شامل ہیں اور ان کے محاذی مختفات کے ذریعہ اصل زبان کی صراحت کردی گئے ہے ۔ مثلا

الفاظ شامل ہیں اور ان کے محاذی مخففات کے ذریعہ اصل زبان کی صراحت کردی گئ ہے۔ مثلا (ع) به اصرار ،صرور بجد ص ۵۰ افسوس فارسى . (ث) دريغال . ص ۱۹۵ سنسكرت . وستو،چیز،شے ،سازو سامان (U) مراہی يدلا **(**/) ص۸ كنترى واويلا ، چيخ يڪار (ك) بومرحي ص۸۸ تكنكي 173 صاحب ، مالك ، آقا (كلمه تخاطب) ص ١٩٨ (ت)

لنت کے دائرہ کار میں معنی کی گیرائی اور گیرائی کے حدود کا تعن بھی شاہل ہے ۔ ان حدود کا تعین مقاصد لغت کے پیش نظر کیا جاتا ہے ۔علمی مقاصد کے لئے تیار کی جانے وال لغتوں میں اصطلاحی تعریفات اور مروجہ / مرادی معنی کے ساتھ ساتھ ہم معنی الفاظ اور مرادفات بھی دیے جاتے ہیں ۔ سند کے لیے نثری یاشعری خوالے مجی درج ہوتے ہیں ۔ انگریزی کی بڑی لغات آکسفورڈ Oxford اور وییسٹر Webster میں لفظ و معنی کی قاموسی تشریح اور تاریخی تفصیل بھی دی جاتی ہے ۔ دوسری لغتوں میں یہ معلومات متن کی بجائے ضمیموں میں شامل کی جاتی ہیں ۔ دکنی اردوکی لغت ایک قدیم زبان کی لغت ہونے کے اعتبار سے ڈکشزی سے زیادہ فرہنگ کے مشابہ ہے ۔ ایسی لغت میں علمی تفصیلات کی گنجایش نہیں۔ اس لیے بہال الفاظ کے وی معنی دیے گئے جو قدیم زمانے میں رائج تھے اور سندوں سے مترش ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکٹر الفاظ آج بھی حدر آباد کے اکثر دیباتوں میں اور دکن کے بعض علاقوں میں بولے اور سمج جاتے ہیں ۔ مثال کے طور رہے ، (۱) سریکا (جیسا مثل) ۱(۲) گلاوا (استرکاری) (۴) سرمجانا ر سنر جانا (پکڑے جانا) ۰ (۲) چکتی (قاش) ۰ (۵) بلو (آہستہ) (۲) باوڑی (باول) وغیرہ ۔ اس کے علاوہ اگر ایک لفظ مختلف اسناد میں مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے تو ان تمام معنی کو اس ایک لفظ کے تحت مکجا درج کر دیا گیا۔ مثلا " بچار " کے چار معنی لکھے ہیں:

(۱) رائے ، (۲) خیال ، (۳) صلاح ، اور (۴) مشورہ رائے /خیال کے معنی ایراہیم نامہ کے اس مصرعے سے اخذ کیے ہیں :

کھیا راو پردھان اب کیا بچار اور صلاح و مثورہ کا منبوم "سب رس" کے اس فقرے سے لیا گیا ہے: " ایچ استھے ہیں حضرت کے یار ، جنول سول حضرت کرتے تھے بچار۔ " اسی طرح کی ایک اور مثال ہے لفظ فند اور اس کے معنی دھوکا ، فریب ، مکاری ، ترکیب ، حیال ۔ " اس بندی خانے میں تے ، اس بلا آشیانے میں تے کچھ فند کر (مجعنی ترکیب کر) دست بند کر ، بھار کاڑی ۔ " [حالہ ، سبدس]

(٢) سبت فند فربيال مين سردار بول (مجعني دهوكا • فريب)

(٣) اول توں ہر مک فند سوں تس دفع کر (مجعنی چال) [حوالہ : گلثن عشق]

سبت سے الفاظ کے معنی ایسے بھی ہیں جو آج کے معنی سے مختلف ہیں ۔ جیسے تقوی مجمعنی

قوت ، مجروسہ یہ غوطہ کھانا مجمعنی ہے ہوش ہونا ، وغیرہ ۔ حالاں کہ آج تقویٰ ، زبد و رہبزگاری کے معنی میں ۔ معنی میں استعمال ہوتا ہے اور غوطہ کھانا ڈوبنا ، غرق ہونا یا مجھولنا مجھٹکنا کے معنی میں ۔

لفت کی ترتیب کے لیے عموماتین طریقوں میں سے کوئی ایک اختیار کیا جاتا ہے :

۱۔ حروف تبجی کی ترتیب کے مطابق۔

۲۔ مادوں کے لحاظ سے ۔

س_ا موضوع کے اعتبار سے ۔

سنسکرت اور عربی کے قدیم لغات مادوں کے کاظ سے مرتب ہوئے ہیں جن کا استعمال علمی اور تحقیقی کاموں میں ہوتا ہے ۔ علوم و فنون کی لغتیں موصوع کے اعتبار سے مرتب کی جاتی ہیں ۔ عالم اور عامی سب کے لئے یکسال سہولت بخش اور کار آمد طریقہ حروف ہمجی کی ترتیب کے مطابق ، لغت کی تیاری ہے ۔ ان تینوں طریقوں کے اپنے اپنے فائدے ہیں اور حدود ، پابندیاں اور مشکلات بھی ۔

زیرِ نظر دکن اردو کی گفت اردو حروف تنجی کی مروجہ ترتیب بر بہنی ہے ۔ گفت میں ان بی لفظوں کا اندراج ہے جن کی سند مل سکی ہے ۔ سند کے اشعاد ، مصرعے یا جملے دکن کی مختلف قلمی اور مطبوعہ کتابوں سے منقول ہوئے ہیں ۔ الفاظ کی قواعدی صراحت (اسم ، صفت ، فعل وغیرہ) نہیں دی گئ ہے ۔ تذکیر و تانیث کا شدید اختلاف یہ صرف دکن بلکہ اردو کے

دبتانوں لکھنو اور دلی میں آج تک چلا آرہا ہے۔ دکنی میں ایک ہی مصنف / شاعر ایک لفظ کو کھی مذکر استعمال کرتا ہے اور کھی مونث ۔ عربی کے وہ اسماء جن کے آخر میں تائے تانیث (ق) آتی ہے دکنی میں اکثر نذکر بولے جاتے ہیں جب کہ اردو اور عربی دونوں میں مونث برتے جاتے ہیں جیب کہ اردو اور عربی دونوں میں مونث برتے جاتے ہیں جیب کہ اردو افدت می اس بے صفابطگی کی وجہ سے دکنی اردو لفت میں اس کا اندراج شاید نہیں کیا گیا ۔ لیکن بربنائے سند، شذکیر و تانیث کا تعین ممکن اردو لفت میں اس کا اندراج شاید نہیں کیا گیا ۔ لیکن بربنائے سند، شذکیر و تانیث کا تعین ممکن ہے۔ جم بنائے کے معلمے میں دکن زبان اس قدر وسیح القلب واقع ہوئی ہے کہ اسماء ، صفات افعال تک کی جمع بنادی جاتی ہے ۔ اس لفت میں جبال جمع لفظ آئے ہیں اکثر وہاں واحد کی صراحت بھی ہے ۔

کن میں مصدر کے مختلف روپ ملتے ہیں ۔ ان میں سے بعض اردو سے مختلف ہیں ۔ مثلا ماذے بر " ون " کے اصافے سے مصدر بنایا جاتا ہے ۔ کنجی علامت مصدر سے پہلے " و " برمھا دیتے ہیں جیسے 'آونا ، نونا الیے مصادر نمجی لغت میں شامل ہیں ۔ عربی اور سنسکرت کے . مقلط میں اردو افعال کی تعداد مبت می کم ہے۔ اردو میں سنسکرت مصادر براکرت کی توسط سے داخل ہوئے ہیں ۔ امتداد زمانہ سے ان کی شکل و شباہت میں فرق مگیا ہے ۔اردو میں افعال کی کی کے باعث سنسکرت ، ہندی اور فارس کے اسماء یا صفات کے ساتھ فعل سادہ یا امدادی فعل کے اصافہ سے افعال بنالیے جاتے ہیں۔ جیبے صبر جانا ، ذکر لانا ،روش کرنا ، گھاٹا کرنا ، جیو پکڑنا وغیرہ ۔ دکنی اردو کی لغت میں ایسے افعال نمجی بے شمار ملتے ہیں۔دکنی مصدر پر " ہار " · " بارا " ، " باری " وغیرہ لاحقے لگاکر اسم فاعل بنایا جاتا ہے جیسے آنبیار (آنے والا) دیدنبار (حکیف والا)ر کھنوری (رکھنے والی) اس کے علاوہ کمی کمی التقے سے قبل مصدر میں الف کی بجائے " ے " (یائے محمول) کا اصافہ کرکے اسم فاعل بنالیت میں ۔ مثلا "آنے بارا " اور "آنے ہاریاں " ۔ بعض وقت عربی / فارسی اسم کے آگے "ونت " یا "ونتا " کا لاحقہ لگاکر اسم فاعل بنالیا جاتا ہے۔ جیسے مرونت (محنت کرنے والا) عقل ونتا (عظمند) ۔ لغت میں اس طرح کے اسم

فاعل کی تعداد بہت کم ہے لیکن ان کی شمولیت سے دکنی زبان کے لسانیاتی مطالعہ میں سہولت

زبان ایک ایسا آله ہے جس میں انسانی تجربات ، علوم و افکار ، تاریخ اور تہذیب کا ريكارد محفوظ ربتا ہے ۔ يه تريليان صوتيات ، قواعد زبان ، املا اور معنيات بر اثر انداز ہوتی ہيں ۔ ان تبدیلیوں کی تلاش ذخیرہ ، الفاظ میں ممکن ہے ۔ ذخیرہ ، الفاظ اور ان کے قدیم وجدید معنی کا بہتر ن مخزن لغت ہے ۔ دکنی کے مصنفین ایک لفظ کو کئی طرح سے برتے تھے ۔ اس وقت قواعد زبان مدون اور مرتب نہیں ہوئے تھے اور یہ ہی اس کے لکھنے والوں کے پیش نظر کوئی اصول تھے ۔ انھوں نے ضرورت شعری کی رعایت کی بھی کوئی حد مقرر نہیں کی ۔ سقوط حروف ، تخفیف یا اصافہ ، صوت کا رجحان دکنی مصنفین میں عام تھا۔ بیال تک کہ وہ اکارین مذہب کے اسمائے گرامی کے غلط املا میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے ۔ڈاکٹر مسعود حسن خال نے ا بن مرتبہ لغت میں ان اسماء کے غلط املا کو شامل رکھنے کے ساتھ ساتھ صحیح املا بھی لکھ دیا ہے۔

مثلافیروز بیدری کے برت نامہ میں ایک جگہ " محی الدین " اس طرح لکھا :

مى دين تول ، دين تحب تھے جيا

ذُاكثر صاحب نے محی الدین ، محی الدینیاں ، فاظم (فاطمہ) حسان (حسن)میکال (میکائیل) جیسے بہت سے الفاظ شامل کرکے ان کا صحیح املا بھی دیا ہے ۔ اسی طرح عام طور ریم جبال حروف گرادیے گئے ہیں یا اُن میں اصافہ یا تقلیب ہوگئ ہے وہال صفیح لفظ بھی درج كرديے گئے ہيں جيسے صبا (صبح) منج / منجه (مجه) چيكر (كيمپ را)

د کنی میں سنسکرت اور عربی فارسی کے الفاظ کو جس طرح بولتے تھے اسی طرح ان کا املا مجی لکھا جاتا تھا جس سے ان الفاظ کی اصلی اور معیاری شکلیں بدل گئیں ۔ زیر نظر لغات میں ان الفاظ كاصحيح الملائمي دے ديا كيا ہے - مثلا:

$$(3,5)$$
 $=$ $(3,5)$

$$(3)$$
 (3) (3)

لغت میں عموما ایک لفظ کو مستند اور معیاری مان کر اس کے تحت اس کے سارے اختلافات الما و تلفظ كو درج كيا جاتا ب بالخصوص جب كه لفظ اور اختلاف الما و تلفظ جم معنى

ہوں ۔ دکنی اردو کی لغت میں ہم معنی لفظ کے تمام المائی اور صوتی تغیرات اکثر و بیشتر علاصدہ

علاصدہ اکائی کے طور پر درج ہوئے ہیں۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ لغتی لفظ کے مقام کا تعین اس کے سند کے تابع ہے اور ایک لفظ کے لیے باختلاف تلفظ و املا چار سندیں ملتی ہیں

جیبے موجودہ اردو میں نرخرہ کے ہم معنی دکن میں نزارا ، نزاری ، نزاری (نزل چکانا : گلا دبانا)

(ص ٣٥٣) ـ ان چارول مثالول مين جو صوتى تغير بواب خامر ب كه اس كا اثر اللايريا ـ تسیری اور حوتھی مثال سے ظاہر ہے کہ زرری کا تسیرا حرف (۱) ، (ل) سے بدل گیا ۔ اس

طرح دوسری ، تیسری اور حویتی مثال میں از (ر) اور (ل) سے بالتر تیب تبدیل ہوئے میں ۔ نوزی کا مذکر نور اسند کے مدیلنے کی وجہ سے لغت میں جگہ نہیں پاسکا۔ اکائی کے طور

برِ علاصدہ علاصدہ ان لفظوں کا اندراج مروجہ طریقہ کے مقلطے میں دکنی لفت کے لیے زیادہ مناسب ہے تا کہ لفظ کی تلاش میں مشکل مذہبیش آئے۔

ترتیب لغت کے سلسلہ میں حروف کے ساتھ ساتھ اعراب کا مکھا جانا بھی ضروری ہے۔

اور اعراب کی ترتیب میں بھی املامقدم اور تلفظ موخر۔ الفاظ میں فتحہ (زیر) کو کسرہ (زیر) اور کسرہ (زیر) کو ضمر (پیش) یو تقدم مونا جاہیے ۔ اس طرح یائے معروف (ی) یائے مجمول (ی) سے

پہلے لکھی جانی چاہیے اور واؤ معروف ، واؤ مجمول سے پہلے ۔ نون اعلان (ن) کو نون عنه (ں) پر

ترتیب و تحریر میں اولیت حاصل رہے گی۔ دکن اردو کی لغت میں صرف شدید ضرورت ہر اعراب لگئے گئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ دکنی میں الفاظ کا تلفظ بدلنا رہا اور املا میں تلفظ کی صوتیاتی مطابقت رہی ہے لیکن لغت میں مندرجہ جس سند میں جو لفظ جس طرح برجھا جاتا ہے اس کے صحیح تلفظ کے لیے اعراب کا ہونا صروری تھا۔ آج خود دکن کے دہنے والوں کے لیے دکنی الفاظ کا صحیح تلفظ کے لیے اعراب کا ہونا صروری تھا۔ آج خود دکن کے دہنے والوں کے لیے دکنی الفاظ کا صحیح تلفظ مشکل ہوگیا ہے ۔ لغت جیسی مستند توالے کی کتاب (Reference Book) میں مستند املا اور صحیح تلفظ کے لیے اعراب صروری ہیں ۔ جبال اعراب لگائے گئے ہیں وہال زیر ، زیر اور پیش کی ترتیبی پابندی نہیں کی گئی ہے ۔ جیسے بند ، بند پھر بند اور اس کے بعد بھر بند ۔

اردو ، میں الفاظ کے تحریری تلفظ کے لیے انھی تک نہ اصول مدون ہیں اور نہ طریقے متعین ۔ اکٹر اوقات صرف اعراب نویسی سے کام چلایا جاتا ہے لین محص اعراب لگادینے سے صحیح اور مستند تلفظ ادا نہیں ہوسکتا ۔ مثلا شیر (ش + سے + ر) اور شیر (ش + س + ر) اور اس طرح چور ، خور ۔ مثال کے طور پر لفت میں لفظ پیرت پر اعراب نہیں ہیں ۔ اس لفظ کو . (پی + رُت) ، (پی + رُت) کا لفت میں استعمال ضروری ہے آکہ قدیم ذبان سے ناواقف لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ اردو کی تمام لفات میں اس کمی کا احساس ہوتا ہے ۔

کسی زبان کی لغت کے مطالعے سے ، قوم کی تہذیب و ثقافت کے ان گوشوں پر بھی روشی بربتی دوشی نبازیب و معاشرت روشی بربتی ہے ہو تائیخ کے اوراق میں نظر نہیں آتے ۔ زبان کا ہر قوم کی تہذیب نشوونما اور سے گہرا تعلق ہوتا ہے ۔ خصوصا روز مرہ ، محاورہ اور صرب الامثال کسی قوم کے تہذیبی نشوونما اور ارتفا کے آئید دار ہوتے ہیں ۔ تہذیب و تمدن میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ ذخیرہ ، الفاظ ، روز مرہ ، محاورہ اور صرب الامثال میں بھی تغیرات ہوتے ہیں ۔ چناں چہ بعض الفاظ اور محاورے اپن

صورت ومعنى بدل ديت بيس يا متروك موجاتے بيں ۔ دكن اردوكي اس لغت سي روزمره ، محاوره ، ضرب الامثال اور كمياوتول وغيره كو شامل ركها كياب يه بهياكه اليك الهي لغت من كياجاً بهاي کم و بیش اسی زمانے میں جب کہ پروفسیر مسعود حسین خال دکنی اردو کی لغت مرتب كررب تھے ، ميور ميں سيد ابو تراب خطائي صامن بھي دھني لغات كي ترتيب من مشغول تھے۔ ان کی لغت مارچ ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی اور اس میں چار تا پانچ ہزار الفاظ کا ذخیرہ ہے ۔ صحیح تلفظ کے لیے تمام الفاظ ہر اعراب لگائے گئے ہیں۔ اس لغت کو اردو کے حروف تہی کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے جس میں ذاور ظ کے تحت الفاظ نہیں ملتے ۔ لغات میں ضمیمہ کے بعد صرب الامثال اور عورتول میں مروج محاوروں اور صرب الامثال کی علاحدہ علاصہ فہرست دی گئ ہے ۔ صامن نے اپنی لغت میں الفاظ کے ساتھ اسناد نہیں دیے ہیں ۔ غالبا اس وجہ سے کہ اس میں دکن تصانیف میں شامل الفاظ سے زیادہ دکن کے علاقوں میں آج بھی بولی جانے والی د کنی کے الفاظ کا ذخیرہ ہے ۔ د کھنی کی اس لغت میں قواعدی (گرامر کی) توصیحات ملتی ہیں اور نه دیگر تفصیلات و لوازم به

اور نہ دیگر تفصیلات و لوازم۔

ڈاکٹر مسعود حسین خال کی لغت کا تمام تر مواد ، دکن کے کلاسکی غیر مطبوعہ اور مطبوعہ اور مطبوعہ اور مطبوعہ اور ادبی قدر و قیمت تصانیف سے لیا گیا ہے اس لیے یہ اپنی نوعیت کی منفرد لغت ہے جو علمی اور ادبی قدر و قیمت رکھتی ہے ۔ کلاسکی اور تحریری الفاظ پر مشتمل ہونے کے باوجود اس میں سات ہزاد کے قریب الفاظ ، تراکیب ، محاورات اور ضرب الامثال شامل ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ان کے لیے ہفت خواں طے کرنا پڑتا ہے ۔ اس سلسلے میں انھوں نے لینے ایک عزیز شاگرد کو لینے ساتھ لیا ۔ لغت کے دیاجہ میں لینے شاگرد کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ذمیل میں درج ہیں :

" اکڈیمی کی جانب سے لغت کا مواد جمع کرنے کے لیے مجھے اپنے عزیز شاگرد سید بدیع حسینی صاحب کی فدمات ایک سخواہ یاب اسسلسٹ کی حیثیت

سے پانچ سال تک حاصل رہیں ۔ انھوں نے جس محنت ، دیانت اور لیافت کے

ساتھ اس لغت کے لیے کام کیا ہے اس کے بغیر اس کی تالیف ممکن نہ تھی ۔ میرے دل میں ان کی جانب سے محبت ، عرت اور نشکر کے لمے جلے جذبات و خیالات ہیں ۔ " [" دباچ " ، دکنی اردوکی لغت]

ڈاکٹر صاحب کا مندرجہ بالا بیان اس بات کا مظہر ہے کہ وہ ایک صاف کو ، قدر شناس اور بے باک شخصیت کے مالک ہیں۔ اس کے برخلاف انھیں اپنے ایک رفیق شعبہ سے تلخ تجربہ ہواجس کا ذکر انھوں نے اپنی خود نوشت سونے حیات ورود مسعود میں کیا ہے :

"جب یہ کام (لغت کا) اپنے آخری مراصل میں تھا اور میں حدر آباد سے رواز

کرنے کے لیے رکز تول رہا تھا تو انھوں (ڈاکٹر فلام عمر خال) نے . . . کلگرنی کے
ساتھ یہ مشہور کیا کہ یہ سادا کام تو ان دونوں کا ہے جو مسعود حسین خال نے

ہسٹرپ کرلیا ہے ۔ حالل کہ عمر خال میں اس کام کو تنہا کرنے کی صلاحیت ہی نہیں
تمی ۔ اس لیے کہ وہ ہندی یا شمالی ہند کی بولیوں کے کینڈے سے قطعا ناواتف تھے
میں تو ریکارڈ کی خاطریہ تک کینے کو تیار ہوں کہ اس لغت کی تدوین میں مجھے اپنے
میں تو ریکارڈ کی خاطریہ تک کینے کو تیار ہوں کہ اس لغت کی تدوین میں مجھے اپنے
خاگرد اور اسسٹنٹ بدلیج حسین سے کہیں زیادہ مدد ملی ہے جن کی نظر دکن کے
محاورے رہ سبت اچھی تھی ۔ آنده اردیش ساہنیہ اکیڈ بی نے لغت کا معاوضہ بھی مجھ

ی و دیا ہے ۔ اس تا کا بیان سے یہ پتا چاتا ہے کہ لغت کی ترتیب و تزئین کے آخری مرطے میں جابی تمام کام کو سمیٹیا پڑتا ہے اور اس کے لیے تربیت یافتہ اور تجربہ کار جاعت کی صرورت ہوتی ہے ، ڈاکٹر صاحب نے تنیا اس میم کو سرکیا ۔ وہ صدر شعبہ ، اردو تھے ۔ جس کی دمہ داریال نمطاکر انھیں علی گڑھ کے لیے جانا بھی تھا اور لفت کے سرایے کو ساہتیہ اکٹر بمی کے حوالے کرنا بھی ۔ بایں بھہ دکنی اردو کی لفت ، منصوبے سے تدوین و ترتیب تک پروفسیر معود حسین خال کے علمی تجواور لسانیاتی مہارت کی مظہر ہے ۔

لفت نویس کے فن اور تجربے سے عملی طور پر دوچار ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب

للهيئة با

۔ ۔۔۔ لغت نویسی ایک تاب شکن فن ہے اور ایک مرتبہ اس میں داخل ہوجائے کے بعد انسان کمیں کا نمیں رہتا ۔ اس کا مولف شیر کے مند میں اپنا ہاتھ دیتا ہے ۔ تحسین ہے کم اور تعریف سے زیادہ سابقہ رہتا ہے ۔۔۔۔ لفت کی تالیف کے لیے طویل مدت اور کمیر سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ یہ کام عجلت میں نہیں کیا جاسکتا ۔ " ورود مسود میں میں ا

محمد قطب شاہ اور اس کے کارنامے

۔ ان کن کی یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ بعض سلاطین کے کارنامے ان کے پیش رو حكمرانوں اور ان كے بعد آنے والے تخت نشينوں كے درميان ابن حقيق عظمت و اہميت سے مودم ہوجاتے ہیں ۔ کچے ایسی می کیفیت قطب شاہی سلطنت کے محمد قلی قطب شاہ اور اس کے ۔ تواسے عبداللہ قطب شاہ کے درمیان ایک عابد · عادل · متقی · عالم · فاصل اور مدبر بادشاہ محمد قطب شاہ کے ساتھ پیش آئی ۔ محد قلی قطب شاہ کے دور سے متعلق سلطنت کے عراج و ترقی کے تذکروں سے قطب شاہی عمد کی تاریخی بحری بڑی ہیں۔ عبداللہ قطب شاہ کے پینتیں سالہ دور حکومت میں قطب شاہی سلطنت کے ساسی انحطاط اور شذبی احیا اور ارتقا کا مورضین نے مکمل احاطہ کیا ہے لیکن سلطان محد قلی قطب شاہ کے منصوبوں کو بام عروج تک سیجانے والے ا کے امن پہند اور علم برور سلطان محمد قطب شاہ کے رفیع الشان کارناموں اور اس کی شخصیت کی بحراور تصویر کشی نہیں ملتی ۔محد قطب شاہ نے اپنے پیش رو حکمرانوں کی تفسلی ناریخس مرتب کروائس اور ان کے کارناموں کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کردیا •کین خود لینے عبد اور لینے کارناموں کو منظر عام ہر لانے کی کوشش نہس کی ۔ شاہدیہ کام اس نے لینے بیٹے عبداللہ قطب شاہ کے لیے اٹھار کھا تھا ۔

محمد قلی قطب شاہ کے بھائی شہزادہ محمد امین کی بوی خانم آغا کے بطن سے بتاریخ ۱۰ مارچ ۱۵ ء م ۲۲ رہے الثانی ۱۰۰۱ ھ بروز چپار شنبہ شہزادہ سلطان محمد مرزا تولد ہوا ۔ اس موقع پر حصرت میر محمد مومن پیشوائے سلطنت نے ایک تہنیتی نظم لکھی اور آخری شعر میں تاریخ نکال ۔ وہ شعر میر ہے ۔

خواستم باريخ آن فرخنده گوهر ، عقل ، گفت اول کام است و فیرزی و اقبال و ظفر حول کہ محد قلی قطب شاہ کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی ، اس لیے اس نے لین جھائی کی رصامندی سے نومولود شاہزادہ کو گود لے لیا ابھی شنزادہ تین برس کا تھا کہ شنزادہ امین کا انتقال ہوگیا ۔ شہزادہ محمد مرزا رو محمد قلی کی شفقتن اور بڑھ گئیں اور ایک سوچے سمجم مضوب کے تحت شہزداے کی تعلیم و تربیت کا اعلیٰ قطب شاہی روایات کے مطابق انتظام کیا ۔ علم و فنول کی تعلیم قاصی سمنانی اور فن حرب و صرب کی تربیت چاندمیاں نوسف (حوالہ - ماریخ قطب شای) سے حاصل کی ۔ اپنے بعد شزادہ سلطان مرزا کی جانشین کو یقینی بنانے کے لیے قلی قطب شاہ نے ای اکلوتی بیٹی حیات بھی بیگم سے اس کی شادی کردی ۔ اس رشت کے طے کرنے میں دو مصلحتیں بیش نظر تھیں ۔ اول یہ کہ شاہ عباس صفوی کی خواہش تھی کہ ایران کے کسی شہزادے سے حیات بخشی بیگم کی شادی کی جائے ۔ اس مقصد کے لیے شاہ عباس نے اغرولو سلطان کو گولکنڈے میں سفیر بناکر تجمیا تھا۔ اگریہ شادی ہوجاتی تو سلطنت گولکنڈہ قطب شاہوں کے ہاتھوں سے نکل جاتی ۔ دوسری مسلحت یہ تھی کہ خود محمد قلی قطب شاہ کے بھائیوں یا اولاد میں سے کوئی دعوے دار سلطنت نہ اٹھ کھڑا ہو سکے اور قطب شاہی بادشاہوں میں شیعیت کا تسلسل جاری رہے اس لیے محد قلی قطب شاہ نے مرض الموت میں میرمومن استر ۔ مہادی کو وصیت کی کہ سلطان محمد کو ان کا جانشین بنایا جائے ۔ بادشاہ نے اپن زندگی میں امرا اور عمائدین سلطنت سے عهد فوفاداری لے لیا تھا۔ بتاریخ ۱۱ جنوری ۱۹۱۲ء م ۱۰ ذی قعدہ ۱۰۲۰ ء کو محمد قلی کا انتقال ہوا ۔ حضرت میر مومن نے بہ عجلت تمام دوسرے می دن محمد قلی قطب شاہ کی ،

تخت نشین کا اعلان کردیا۔ انھوں نے جش تخت نشینی کے موقع پر دو تہنیتی قدسیرے پیش کیے۔ ایک قدسیدہ میں تاریخ نکال ہے اس قدسیدہ کے دو شعر پیش ہیں '

با محب باز بسم عبد و بیمان نوی مسلم بیش جانان نوی خواست بنش جانان نوی خواست بخوست مقل گفت مجلد عالم نوبهارے شدز سلطان نوی

سلطان محمد قطب شاه مجمی این آبا و اجداد کی طرح ایک علم دوست بادشاه تا بت جوا به

اسخام و تحفظ میں سلطان محر قطب شاہ محر قلی قطب شاہ ہے مخلف تھا۔ اس میں شک بنہیں کہ محر قلی کو زبان و ادب اور فنون نطیفہ سے گہرا لگاؤ تھا لیکن وہ شراب و شباب ، راگ و رنگ کا محر قلی کو زبان و ادب اور فنون نطیفہ سے گہرا لگاؤ تھا لیکن وہ شراب و شباب ، راگ و رنگ کا محمد قلی کو زبان و ادب اور فنون نطیفہ سے گہرا لگاؤ تھا لیکن وہ شراب و شباب ، راگ و رنگ کا محمد قطب شاہ ، ذبی امور میں بھی اعتدال پند تھا ۔ اپنے چیک طرح شرو سخن کا عمدہ ذون رکھا تھا ۔ علم و فنن کا عمدہ ذون رکھا تھا ۔ علم و فنن کا عمدہ ذون رکھا تھا ۔ علم و فنن کا عمدہ ذون رکھا تھا ۔ علم و فنن کا عمدہ ذون رکھا تھا ۔ علم و فنن کا عمدہ ذون رکھا تھا ۔ اس کو شنف تھا ۔ اس کا کتب خانہ ہزاروں بیش سا فنن کا عمرہ نادی کتب خانے میں زیادہ تر کتابیں اسی نے جمع کی تھیں ۔ مطالع کا شوقین تھا ۔ جو کتابیں اس کے زیر مطالعہ میں زیادہ تر کتابیں اسی نے جمع کی تھیں ۔ مطالعہ کا شوقین تھا ۔ جو کتابیں اس کے زیر مطالعہ میں ان پر اپنے قلم سے اس نے اپنی رائے بھی لکھی بنے اور اپنے : سخو شبت کے بیں ۔ ظبی کتب خانے میں داخل کردہ کتابوں پر شاہی مہریں گی ہوئی بیں تھی جس پر یہ شمر کدہ قطب شاہ کی دو میر بی تھیں ۔ ایک میں تھی جس پر یہ شمر کدہ تھا۔ میں سامیاں زحق گشنہ میسے ما است ،حمد رصفدر مرا خوا کہ میں سامیاں زحق گشنہ میسے مرا است ،حمد رصفدر مرا

دوسری مبر پر " بنده ، شاہ نجف سلطان محد قطب شاہ "کندہ تھا ۔ محمد قطب شاہ کے دو مختلف دوسری مبر پر العبد الخاص المولاء سلطان محمد قطب مختلف دستھ العبد الخاص المولاء سلطان محمد قطب شاہ ۔ محمد قلی قطب شاہ کے دربار میں علم متول و معقول کے ماہرین ، شعرا ، علما اور اہل کمال موجود ربا کرتے تھے ۔ دربار کی علمی مجلوں میں اظہار نبیال کی سب کو مکمل آزادی تھی ۔

محمد قطب شاہ نے دکنی اور فارس دونوں زبانوں میں شعر کیے بیں ۔ فارسی کلام میں ظل الله ، ظل الهي ، ظل للهه اور سلطان اس کے جار تخلص ملتے ہیں ۔ اس کا دکن کلام انجي تک دست یاب مد ہوسکا محمد قلی قطب شاہ کے کلیات میں بطور دیباچہ دکینی میں لکھی ایک نظم لمتی ہے ۔ فارس میں اس نے حمد ، نعت ، منقبت ، مرشیہ ، رباعی اور غزلیں للمی ہیں ۔ فارس کلام کے دو مخطوطات كتب خانه سالار جنگ مين محفوظ مين . ايك مخطوطه " مجموعه، مرافي سلطان محمد قطب شاه " کے نام سے ہے ۔ یہ مخطوط محیون تقطیع کے عملہ ۲۵ / اوراق پر مشتل ہے اس میں حمد ، نعت ، منقبت ،غرلیں ، رباعی اور مرشے شال ہیں ۔ دوسرا مخطوطہ " مجموعہ اشعاد فارس " ہے جے سید ابرار حسن نوگانوی نے ۱۳۴۵ میں نقل کیا ہے۔ ترقیبے من کاتب نے " اشعار غربیات سلطان محد قلى قطب شاه والى كوكبنده "كهاب جودرست نهي كيول كه شاعر في تخلص ظل الله يا سلطان اور دیگر فارسی تخلص استمال کیے ہیں محمد قطب شاہ کی غراسی محمد قلی قطب شاہ کی عشقیہ غراوں کے مقابل علم و حکمت اور تصوف سے لبریز ہیں ایک خزل سے چند شعر نموتا پیش ہیں۔ یارب جو برتری ، توز وسف نسان ، پنهال شده زشرم ۰ زبال در دبان ما

یارب مو برمری ، تور وسف سان ، بیمان سده دسم ، ربان در دبان ، جائے بود مقام خدا وندیت که جست سد خنده مقتل را زچنین و چنان ، ظل الله از شرور بدان دربناه شت اے درگیمه جلال تو دارالامان ما

دوسری غزل کا مقطع ہے :

حول نبادی بہ رہ عشق ، قدم ظل اللہ اندریں رہ روش شاہ و گدا را در یاب سلطان محمد قطب شاہ پر حافظ کا سبت گہرا اثر ہے ۔ اکثر غزلیں اس نے حافظ بی کے رویف و قافیہ میں ہی ہیں ۔ اگر ہم محمد قطب شاہ کی تمد خدا و ند عظیم ، نعت نبی کریم اور منقبت ائمہ طاہرین کے ساتھ دیگر اشعاد کا تجزیہ کریں تو اس کے عقائد و نظریہ ، حسن و عشق کا بجر بور اظہار ہوتا ہے ۔ اس نے امام حسین علیہ السلام اور شہدا، کر بلا کے مرشیہ بھی لکھے ہیں ۔ یہ بات تعجب عالی نہیں کہ اس کی شاعری اور شخنسیت پر ابراتیم قطب شاہ کے دور کے تلکو اثرات اور

محد قلی قطب شاہ کی دکن پسند ذہنیت اور دکنی ماحول کی حجاب نہیں ملتی بلکہ اصفہان اور شیراز کی شاعری کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔

دکنی زبان کی نفو و نما اور ترقی کا دور محمد قلی قطب شاہ کا عبد حکومت ہے۔
اس زبان کی سربرست میں محمد قطب شاہ نے کوئی خاص دل چپی نہیں گی ۔ وجھی کی شاعری اور عواصی کی شنوبوں کی بھی خاطر خواہ پذیرائی نہ بوسکی ۔ حالال کہ وجھی محمد قلی قطب شاہ کے دربار کا ملک الشعراء اور من چراھا شاعر تھا۔ عواصی بھی ایک قادرالکلام شاعر تھا، جس نے محمد قلی قطب شاہ کے عبد میں دو ہزار دوسواٹھاون ابیاث کی شنوی سیف الملوک و بدیج الحبال صرف تیس دن میں کمل کی تھی ۔ اس سے بہلے کہ یہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کی جاتی بادشاہ کا انتقال ہوگیا اس لیے عواصی نے مدح کا شعر بدل کر اسے عبداللہ قطب شاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

وجبي صرف دكني كا نامور شاعري نهين تها بلكه علوم اسلاميه احاديث اور تصوف وشعر و ادب ، عربی و فارسی میں متداولہ علوم اور مذاہب کے تقابلی مطلعے نے اس کی ایک بلند قامت اور علمی شخصیت کی تشکیل کی تھی اگر وہ محمد قلی قطب شاہ کے رنگ میں یہ رنگ جاتا ۱۰س کے شوق حن و شباب اور رندی و سرمتی کو اپنا مسلک نه بنایا ہوتا تو محمد قطب شاہ کے عبد میں تھی اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہو سکتی تھی ۔ محمد قطب شاہ کے زمانے میں گولکنڈہ کا شہذی ، لسانی اور ادبی ماحول ، جن نے رجحانات سے اپن صورت گری کررہا تھا وجہی کی تنہ سزاجی اور سر انانیت و امارت اور زندگی بسر کرنے کے دیگر روبوں کی اس ماحول سے مطابقت نہیں تھی ۔ دوسری طرف محد تلی قطب شاہ کے عہد میں وجی نے سرکار و دربار میں اپنے کئ حریف بلکہ مخالف بنالیے تھے جویہ نہیں چاہتے تھے کہ محمد قطب شاہ کے دربار میں اسے قدر و مغرات کمے لمذا مخالفن طرح طرح سے وجی کے خلاف قطب شاہ کو باور کروانے کگے ۔ این ایک مسلسل غرل میں وجی نے ان بگرتے ہوئے حالات کا ذکر کیا ہے ۔ مطلع سے ان حالات کا اندازہ ہوسکتاہے ۔مطلع ہے ،

مبث از من جدا کرده است دشمن پادشاهم را گنه از اوست گوناحق به شهر گفت ای گناهم را محمد قطب شاه جب تک حیات رہا وجهی سخت ذہنی اذیت اور مالی مشکلات میں بعلّا رہا ۔ اس كامنصب ومقام چھن گيا۔ مگر انانيت اور طنطنه باقى ربا يكتاب ع

فقيرم ، کنج تنهائی ، خوش آمد بوائے خدمت سلطال نه دارم

شخصی اور ذاتی اختلافات کے علاوہ محمد قطب شاہ کے عبد میں لیے توانین ور

اصلاحات بھی جاری ہوئے تھے جس کی وجہ سے وجی کی شخصی سے زادیوں پر سخت یابندی عائد ہوگئ تھی ۔ وجھی ہر طرف سے شکنوں میں کتا چلا جارہا تھا ۔ بالاخر گوشہ نشینی اختیار کی ۔ شاہ علی متقی گراتی کامرید ہوا خود اپنے بھی معتقد اور مرید پیدا کرلیے کیکن عبداللہ قطب شاہ کاعبد آیاتو مچر گزرا زمانه لوث آیا ۔ عمر خاصی ہو چلی تھی عناصر میں اعتدال باقی نه تھا۔خیرو شرکی دھوپ میں باقی

زندگی صرف کی جس کا ثبوت "سب رس" سے ملتا ہے ۔

خاندانی روایات کے مطابق محمد قطب شاہ ذی علم و اہلِ کمال کا بے حد قدرداں تھا۔ اس کی سرریت کا تتیجہ یہ ہوا کہ ایران کے اہل کمال عشاعر اور ادبب گولکنڈہ میں جمع ہونے لگے۔ ان شاعروں نے فارسی زبان میں علم و ادب کے لیے کارنامے چھوڑے بین کہ جن کی اہمیت ت ج صدیاں گزر جانے کے بعد بھی کم نہیں ہوسکی۔

س اس دور کی سب سے مہلی اور اہم تصنیف تاریخ سلطان محد قطب شاہ ہے یہ صخیم اور معتبر آمار کے سلطان تلی قطب الملک سے لیے کر سلطان محمد قلی قطب شاہ تک کے مکمل حالات ہر مشتل ہے ۔ جس میں محمد قطب شاہ کے عید حکومت کے ابتدائی پانچ سال (۱۰۲۰ تا ۴۲۵ ھ) کا احاط کیا گیا ۔ تاریخ سلطان محد قطب شاہ کے مصنف کا نام معلوم نہ ہوسکا ۔ ڈاکٹر دور نے العبدالحكيم بتايا ہے ۔ آاري كا دباج خاصاطويل ہے لكن اس ميں مجي معنف نے كہيں مي اسے بارے میں کچے نہیں تکھا ہے اس تاریخ کا قلمی نسخ سالار جنگ لاتبریری میں محفوظ ہے جس کے (۱۳۳)اوراق ہیں۔

محد قطب شاہ کے آخری زانے میں ایک اور آلیے ' قطب شاہی ' لکھی گئ تمی ۔ اس آلیے کا مولف محمد بن عبداللہ ، محمد قلی قطب شاہ کے عبد میں نیٹالور سے آیا اور گولکنڈ سے میں شاہی ملازمت اختیار کرلی تھی ۔ بار قطب شاہ کی مسلطان محمد قطب شاہ کی وفات تک کے حالات بڑی تفصیل سے ملتے ہیں ۔ آلی مسلطان محمد قطب شاہ ' کی طرح ' بار قطب شاہی ' کی زبان نہایت میں سادہ اور سلیس ہے ۔ سلطان محمد قطب شاہ کے مید میں محمد الشہیر شاہ قاصنی ، میر محمد مومن میں سادہ اور سلیس ہے ۔ سلطان محمد قطب شاہ کے مید میں محمد الشہیر شاہ قاصنی ، میر محمد مومن تحمد بنا گرد رشد بمبی دکن میں موجود تنے انحص عربی اور فادس بر بک سال قدرت حاصل تھی ۔ ان کا شمار ملک کے بڑے بڑے عالموں میں ہوتا تھا ۔ محمد قطب شاہ کے حکم ہے ۱۹۶۹ ھی آخری ان کا شمار ملک کے بڑے بڑے عالموں میں ہوتا تھا ۔ محمد قطب شاہ کے حکم ہے ۱۹۶۹ ھی میں آخری میں موجود ہے ۔ آفاز میں محمد قطب شاہ کی مدت میں ایک طویل فارسی قدسیدہ بمبی شامل ہے ۔ (کشیر المیامن کا ترجمہ محمد مومن بن شرف الدین حسن شیرازی کے قلم کا لکھا ہوا سالار جنگ لائبریری میں موجود ہے ۔ آلد کا آب اسلام علی دونا الدین حسن شیرازی کے قلم کا لکھا ہوا سالار جنگ لائبریری میں موجود ہے ۔ آلد کی آب ہے ۔ ا

اس عدد میں ملاحسین الحسین الطبی جیدا ایک صاحب کمال شاعر اور انشا، پرداز مجی گزرا ہے محمد قطب شاہ نے اسے "لسان خیب " اور "صدر جبال " کا خطاب دیا تھا۔ طبی نے ابراہیم قطب شاہ اور محمد قلی قطب شاہ کا زمان مجی دیکھا تھا۔ ابراہیم قطب شاہ کے لیے فن شکار پ ۱۹۸۹ ہو میں ایک کتب "صدیہ " لکھی تھی۔ سلطان محمد قطب شاہ کی فرمائش پر طبی نے ایک اور ضخیم کتاب " شکار نامد " ترتیب دی ، جے محمد تبطب شاہ کے نام معنون کیا ہے ۔ اس شکار نامد ، کم مطلع سے طبی کی علمی ، سائنس اور مذہبی معلومات کا اندازہ ہوتا ہے ۔ شکار کے شری تھ مسائل پر بحث کرتے ہوئے طبی نے نہ صرف مذہب امامیہ بلکہ امام شافعی ، امام صنیفہ اور امام ملک کے اقوال اور حوالوں سے مدلل گنگو کرتے ہوئے مسلمانوں کی اکثریت کے لیے اسے مفید بنانے کی کوششش کی ہے ۔ مذہبی اور شرعی نوعیت کی اس کتاب میں علم حیوانات کے بارے میں بھی وقیع معلومات کمتی ہیں۔ آخر میں شکار کیے جانے والے بحری اور بری جانوروں بارے میں بھی وقیع معلومات کمتی ہیں۔ آخر میں شکار کیے جانے والے بحری اور بری جانوروں بارے میں جانوروں

اور برندوں کی ایک طویل فہرست عربی ، فارس اور دکنی میں شامل کی ہے ساتھ ہی ساتھ شکاری جانوروں اور پرندوں اور شکار سے متعلق دل چسپ قصے بھی بیان کیے ہیں۔ ان واقعات سے اس وقت کی تہذیب اور اعلی اقدار زندگی پر روشن بڑتی ہے ۔ اس اعتبار سے یہ شکار نامہ ، لین عمر کی ایک علمی ، ادبی اور تہذیبی دستاویز ہے جس کا اردو میں ترجمہ کرنے کی ضرورت ہے ۔ طببی کی ایک تصنیف مرغوب القلوب بھی ہے جس کا حوالہ تاریج محمد قطب شاہ میں دیا گیا ہے کیا کین اب یہ نایاب ہے ۔

فنِ طب میں صکیم تقی الدین محمد نے "میزان الطبائع قطب شاہی " اور میر مومن بزدی نے " اختیارات قطب شاہی "محمد قطب شاہ کے عبد میں ہی کممل کی ۔ اس کے علاوہ تصوف و اخلاق پر سبت ساری کتابیں اسی عبد میں لکھی گئی ہیں جو لندن ، کلکتہ ، بانکی بور اور حیدرآباد کے کتب خانوں میں چھیلی ہوئی ہیں ۔ اس دور کے دیگر ارباب علم و صکمت اور ساحبان بصیرت میں علامہ ابن خاتون ، شیخ جعفر علی ، سید کمال الدین مالاً ندرانی ، میر قطب الدین نعمت الله اور نظام الدین احمد صادق کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد قطب شاہ کے عبد میں دکنی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی
گئ کیکن فارسی شعر و ادب کو جو فروغ حاصل ہوا تھا اسے کسی عنوان فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ محمد
قطب شاہ اور ملاوجی خود بھی فارسی کے بہت اچھے شاعر تھے ۔ عشرتی بڑدی ، علی گل استر
آبادی، میرمومن بزدی ، محمد امین بن محمد شریف استرابادی ، قبار بیگ کوئبی ، صالی اردستانی ،
سید مراد اصفہانی اور حکیم رکنا کاشی جیسے فارسی کے بلند پایہ شاعر عمد محمد قطب شاہ میں سخن سرائی
کررسے تھے ۔

قطب شاہی عمد کی تاریخ میں میر محمد مومن کے ہمہ جبتی اشتراک کو کبھی فراموش نہیں ۔
کیا جاسکتا ۔ وہ اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے ۔ ان کے قسائد کی لحاظ سے برسی اہمیت رکھتے ہیں ۔
خصوصا ان کا وہ قصدہ جو انھوں نے محمد قطب شاہ کی تخت نشینی کے وقت لکھا تھا بہت مشبور
ہے اس کے دوشعر نمونۃ پیش ہیں ۔

یاد گار جدو عم سلطال محمد قطب شاه آل که بندستال زفیفش گشته ایران نوی گرصفابان نوشد شابا به صفابان نوی گرصفابان نوشد شابا به صفابان نوی

میر محمد مومن اسر آبادی کے اکلوتے فرزند میر مجدالدین محمد فارس کے بہت اتھے شاعر تھے وہ محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں (۹۹۵ ھ) حیدرآباد میں پیدا ہوئے ۔ علم و فصنل میں اپنے معاصرین میں نمایاں مقام رکھتے تھے ۔ انہیں دنیوی جاہ و جلال سے کوئی رغبت نہیں تھی ۔ حدائق السلاطین (ورق ۱۹۱ / الف) کے مولف نے میر مجدالدین کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو خلق خدا کے لیے وقف کر دیا تھا ۔ ۳۹ سال کی عمر میں ۲۲ رہیے الاول ۱۳۳ ھ کو حیدرآباد میں وفات پائی ۔ حضرت میر مومن یہ صدمہ برداشت نہ کرسکے ۔ ٹھیک چالیس دن بعد وہ بھی رحلت کرگئے ۔ حدائق السلاطین اور دیگر تاریخی اور ادبی تصانیف میں مجدالدین کا

علامہ ابن خاتون ، شیخ جعفر علی ، سید کمال الدین ماڑ ندرانی ، میر قطب الدین نعمت الله اور نظام الدین احمد صادق کے نام قابل ذکر ہیں ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ محد قطب شاہ کے عہد میں دکنی بر کوئی خاص توجہ نہیں دی
گئی لیکن فارسی شعر و ادب کو جو فروغ حاصل ہوا تھا اسے کسی عنوان فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ محمد
قطب شاہ اور ملاوجی خود بھی فارسی کے بہت اتھے شاعر تھے ۔ عشرتی بزدی ، علی گل استر
آبادی، میرمومن بزدی ، محمد امین بن محمد شریف استرآبادی ، قبار بیگ کوئی ، صالی اردستانی ،
سید مراد اصفہانی اور حکیم دکنا کاش جیسے فارس کے بلند پایہ شاعر عہد محمد قطب شاہ میں سخن سرائی
کردسے تھے ۔

قطب شاہی عبد کی تاریخ میں میر محمد مومن کے ہمہ جہتی اشتراک کو کھی فراموش نہیں ۔
کیا جاسکتا ۔ وہ اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے ۔ ان کے قصائد کئی لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں ۔
خصوصاً ان کا وہ قصیدہ جو انھوں نے محمد قطب شاہ کی تخت نشینی کے وقت لکھا تھا ہت مشہور
ہیں ۔

یاد گار جدو عم سلطال محمد قطب شاه سس که مندستال زفیهنش گشته ایران نوی گرصفابان نوشداست شاه حبال عباس شاه حدید آباد از توشد شابا به صفابان نوی

میر محد مومن اسر آبادی کے اکلوتے فرزند میر مجدالدین محمد فارسی کے بہت التھے شاعر تھے وہ محمد فلی قطب شاہ کے عہد میں (۹۹۵ ھ) حدر آباد میں پدیا ہوئے ۔ علم و فصل میں اپنے معاصرین میں نمایال مقام رکھتے تھے ۔ انہیں دنیوی جاہ و جلال سے کوئی رغبت نہیں تھی ۔ حدائق السلاطین (ورق ۱۹۱ / الف) کے مولف نے میر مجدالدین کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو خلق خدا کے لیے وقف کردیا تھا ۔ ۲۹ سال کی عمر میں ۲۲ رہے الاول ۱۹۳۰ ھے کو حدد آباد میں وفات پائی ۔ حضرت میر مومن یہ صدمہ برداشت نہ کرسکے ۔ ٹھیک چالیس دن بعد وہ مجی رحلت کرگئے ۔ حدائق السلاطین اور دیگر تاریخی اور ادبی تصانیف میں مجدالدین کا

انخاب كلام ملتا ہے ۔ حافظ كى مشور غزل "اي بحث با ثلاث غساله فى رود "كى زمين ميں انھول نے جى غزل كى جس كامقطع ہے "

اے مجد دیں خموش کہ گردم برآوری ناموس عشق از اثر نالہ می رود
میر محد مومن ادائی بزدی سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں منصب عمدہ پر فائز تھے ۔
میر محمد مومن کے توسط سے درباد میں رسائی حاصل کی تھی ۔ تذکر ہ، شعرا کے منسف طاہر نصر
آبادی نے ادائی ،کو ایک فصیح البیان شاعر قرار دیا ہے اس کا کلام وسیح مشاہدے اور زندگی کے
گہرے تجربات کا مظہر ہے ۔ ان اشعاد سے اس بات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے '

نرواہ کودک بیل چنال نمی ترسد کے من زدمین این زندگال ہر اسانم

برکه آمد نظرے کرد و خریدارینه شد گویا آئینه، آویخته در بازارم تنه نشدنی بیاله می قبل شد زیره ایشه انی می حدث به امه جزمی سوانح

تخت نشینی کے بعد سلطان محمد قطب شاہ نے مراد اسفہانی سے حصرت امیر حمزہ کی سوائح نظم کرنے کی فرائش کی تھی ۔ اصفہانی نے ایک سال بعد یعنی ۱۰۲۱ ھ میں اس متنوی کو کمل کرلیا اور بادشاہ کی ندر کی ۔ مراد اصفہانی ہی وہ پہلا شاعر ہے جس نے حیدرآباد کی تعریف میں ایک نظم لکھی تھی ۔ اس وقت شہر حیدرآباد کی عمر سرہ سال کی تھی ۔ سرہ سال کے مختصر عرصے میں شہر حیدرآباد کی تزئین و آدائش ، تہذیب و تمدن نے جو ترقی کی تھی اس کا اندازہ اس نظم سے ہوسکتا سے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر حیدرآباد کی آب و ہوا خوب صورتی اور دلکش مناظر نے اسے

اپنے وطن ایران کی یاددلادی تھی دو شعر پیش ہیں[۔] خجستہ فضائے ہشت انسباط کرب خیز عشرت کیج پر نشاط

دبد دسته دست کس از آسمان منارش به گلدسته ، اصفهان

اس نظم کاسد مبارزالدین رفعت نے ترجمہ کیا تھا لیکنِ اب وہ نایاب ہے۔

عبدالجبار ملکا بوری (تذکره، محبوب الآمن ص ۱۲) میں لکھتے ہیں کہ حبالی اردستانی سلطان

محد قطب شاہ کے عبد میں دکن آیا تھا وہ فارس کا ایک نام ور شاعر تھا۔ باشاہ نے اسے اپنے متوسلین میں شامل کرلیا تھا۔ عرصے تک حیدرآباد میں رہا بقول عبدالجبار ملکالوری وہ صاحب دلوان مجمی تھا۔

عشرتی بزدی مجی محمد قطب شاہ کے عبد میں حیدرآباد آیا تھا۔ حصرت میر مومن استرآبادی نے اس کی سرپرستی کی۔ ۳۰ برس کی عمر میں ۱۰۲۰ھ میں وفات پائی۔ فن شعر کے ساتھ ساتھ نوش نویسی میں کمال حاصل تھا۔ خط تستعلیق کا استاد مانا جاتا تھا۔ تدکرہ محبوب الزمن میں اس کے چند شعر ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑا قادر الکلام شاعر تھا الکی شعر پیش ہے وردن کنید اول از یاران دور افتادہ یاد من کنید حد محمد قطب شاہ کے فادسی شاعروں میں علی گل استر آبادی کا نام مجی ملت ہے جسے شعر و سخن میں کال دست گاہ حاصل تھی۔

قطب شاہی عہد کا ایک سبت بڑا شاعر ، مدیر ، سیاس ، منتظم اور میری جملگی کے معزز ترین عہدے پر فائز محمد امین شہرستانی تھا۔ محمد فلی قطب شاہ کے انتقال کے بعد اور محمد قطب شاہ کے عہد حکومت کے اولین سال یعنی ۱۰۱ ھ میں وہ حیدرآباد چھوڑ کر ابراہیم عادل شاہ کے درباد میں سپنچا تھا وہاں سے ایران گیا اور بھر دلی آکر شہنشاہ جہاں گیر کے انتقال کے بعد شاہ جہاں کے درباد سے وابستہ ہوگیا۔ جہاں گیر نے اسے بیس ہزاری منصب اور خلعت و انعام سے مرفراز کیا۔ ۱۲۳۵ ھ میں جہاں گیر کے انتقال کے بعد شاہ جہاں کے درباد میں جہاں گیر کے انتقال کے بعد شاہ جہاں کے درباد میں میر بخشی کی خدمت بریامور ہوا ۲۲ مرس کی عمر میں ۱ رہے الثانی ۱۲۰ ھ کو دل میں وفات پائی۔

محمد امین ، روح الامین تخلص کرنا تھا اس کی غربوں کا ایک دیوان " گلتان ناز "
سالار جنگ میوزیم لائبریری میں موجود ہے ۔ اس کے علاوہ اس نے محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں
چار شنویاں بھی ککھی ہیں ۔ (خسرو شیریں ، مطمح الانظار ۔ لیل مجنوں اور آسمان بشتم) جو تھی اور
شنوی آسمان بشتم ، تکمیل کررہاتھا کہ محمد قلی قطب شاہ کا انتقال ہوگیا ۔ ۱۰۱ ھ میں شنوی

کمل ہوئی ۔ شنوی کے دیباہے میں محمد قلی قطب شاہ کی تعریف و توصیف کے بعد محمد قطب شاہ کی مدح بھی کی ہے ۔ مدح بھی کی ہے اور اس کے نام یہ شنوی معنون کی ہے ۔

محمد قطب شاہ کے عہد میں ان شاعروں نے فارس زبان و ادب کے ذخیرے میں بیش بہا اصافہ کیا ہے ان کے کارناموں سے دکن میں عہد بہ علمی ، سیاسی اور آریخی تبدیلوں اور تہذیب و تمدن کے متعلق نہایت کارآمد معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔

بر یں رو ہد یہ بیار میں بھی بڑی دل چہی رکھتا تھا۔ اس کے پندرہ سالہ دور حکومت میں تعمیر کے جو شاہکار لیتے ہیں ان میں سر فہرست بیت العتبیٰ کمہ مسجد کا نام آنا ہے جس کا سنگ بنیاد اس عابد اور شب بدار سلطان نے خود اپنے باتھوں رکھا تھا۔ یہ عظیم الشان مسجد ایرانی طرز کا شان دار نمونہ ہے ۔ اس کی تعمیر ۱۰۲۰ ہیں شروع ہوئی جس کا سلسلہ مخد قطب شاہ کے بعد عبداللہ قطب شاہ اور الولحن ناناشاہ کے دور میں اختتام سلطنت تک جاری رہا۔ تقریبا ،، برس تعمیر جاری رہی آخر ۱۰۲ ہیں اونگ زیب نے اسے موجودہ صورت میں کمل کروایا۔ اصل برس تعمیر جاری رہی آور ۱۰۲ ہوئی و یہ کہ کر منوخ کردیا کہ:

بی میں کار دنیا کے تمام ند کرد برچہ گیرید مخضر گیرید

کہ مسجد کی تعمیر پر جملہ تیس لاکھ ہون خرچ ہوئے ۔ ایک شاعر نے مسجد کی تعریف میں کیا خوب شعر کہا ہے ۔

طواف کعبه وانترف میسرت گرنیست بیاب کعبه و ملک دکن عبادت کن

حید آباد کے محلے خیرت آباد کی مشہور مسجد سلطان محمد قطب شاہ کی بیٹی خیریت النساء نے لینے استاد انوند ملا عبدالملک کے لیے تعمیر کروائی تھی ۔ اس مسجد کی تعمیر کا آغاز تھیک اسی سنہ میں ہوا جس سنہ میں محمد قطب شاہ کی تخت نشین عمل میں آئی ۔ اور جس سنہ میں بادشاہ کا انتقال ہوا اس سنہ میں تعمیری کام تکمیل کو مین نظریفین میں انتقال ہونے کی وجہ بازو میں ایک مقبرہ بھی بنوایا گیا تھا لیکن انوند عبدالملک کاحرمین شریفین میں انتقال ہونے کی وجہ بازو میں ایک مقبرہ بھی بنوایا گیا تھا لیکن انوند عبدالملک کاحرمین شریفین میں انتقال ہونے کی وجہ

سے مقبرہ خالی رہ گیا ۔ اس مسجد اور مقبرے یہ بچی کاری اور سنبت کاری انتہائی نفیس اور لا تواب ہے ۔ یہ عمارت محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے ۔ مساجد اور ان سے ملحق مدرسوں کے علاوہ اس دور میں بہت سے کاروان سرائے ، حمام اور رفاہ عام کی عمارتیں تعمیر ہوئیں ۔ خود سلطان محمد قطب شاہ کا مقبرہ مجی "گورستان شاہی " میں فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے جو بعد میں تعمیر ہونے والے قطب شاہی مقبروں کے لیے ایک مثال ثابت ہوا ۔

سیاسی اور دفاعی مصلحتوں کے پیش نظر محمد قطب شاہ نے ایک نے شہر سلطان نگر کی بنیاد ڈالی تھی جو چار مینار سے چھ میل کے فاصلے پر موجودہ سرور نگر کے پاس وقع ہے ۔ اس نے شہر کے بسانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ گولکنڈہ اور حیدرآباد کے مگامہ پرور اور پر بجوم دارالسلطنت سے قریب ایک پر سکون شاہی مستقر کی تعمیر کی جائے اور سلطنت وجیا نگر کی امکانی فوجی کارروائیوں کا مقابلہ بھی کیا جاسکے ۔ سلطان نگر میں شاہی محل کی دلوار کے اطراف اسل شہر بسانے کا منصوبہ بھی تھا جس میں آج بھی تین عمارتوں کے آثار ملتے ہیں ۔ پہلی ایک عظیم مجد بسانے کا منصوبہ بھی تھا جس میں آج بھی تین عمارتوں کے آثار ملتے ہیں ۔ پہلی ایک عظیم مجد ، اس سے منصل شمالی مشرقی جانب کتب خانے کی ایک زبر دست عمارت اور مجد کے شمال ، اس سے منصل شمالی مشرقی جانب کتب خانے کی ایک زبر دست عمارت اور مجد کے شمال کا انتقال ہوگیا ۔ شاید اس کے جانشین عبداللہ قطب شاہ نے اسے نحس تصور کرتے ہوئے تعمیری کام رکوادیا ۔

خطاطی اور خوش نویسی کا فن تعمیر سے ست قری ربط ہے۔ محد قلی قطب شاہ اور محد قطاطی اور خوش نویس کا فن تعمیر سے ست قری ربط ہے۔ محد قلی قطب شاہ اور محد قطاب شاہ کے دور حکومت میں محمد اصفہانی ، البحرین ، اسماعیل بن محمد صادق اور محمد حن شیرازی جیسے ماہرین نے مساجد ، محلوں ، مقبروں اور عمارتوں میں اپنے کمال فن کا مظاہر کیا ہے۔ ان کے لکھے ہوئے کتبے آج بھی موجود ہیں۔

یں سپ ماں کا با مباریہ ہوت کے خوات سے سات سب کی بیابا ہیں ہوں سال سیاہ کو تعلیب شاہی دور کے فن تعمیر میں جدت یہ نظر آتی ہے کہ سنگ خارہ اور سنگ سیاہ کو مصفا کرکے عمار توں کے روکار اور کتبوں میں بہ کنرشت استعمال کیا گیا ہے جس سے عمار توں میں غیر معمول پھٹگی اور حسن پیدا ہوگیا ہے ۔

دیگر دکنی سلطنوں کے ساتھ محمد قطب شاہ کی حکمت عملی یہ تھی کہ قطب شاہی مقبوصات میں جنگ و جدال کے ذریعے توسیح کرنے کے بجائے اسٹکام سلطنت اور ہسرتن انتظامیے کو ترجیح دی جائے اور اپن ہمہ حبتی قوت و طاقت کو مغلوں کی امکانی حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے محفوظ و تیار رکھا جائے ۔ سلطنت اتمد نگر کے انجام کو دیکھتے ہوئے محمد قطب شاہ نے این دوراندیشی اور فراست سے آنے والے خطرات کو بہت پہلے می محسوس کرلیا تھا۔ محد قطب شاہ نے اپنے عہد حکومت میں ایک ہی فوجی کارروائی کا حکم دیا تھا اور وہ بستر کے حکمراں ریمای شاہ کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے تھا ۔ قطب شاہی جزل کمال الدین مازندرانی کی سرکردگی میں سد حدید عرت خال کے ساتھ فوجیں روانہ کی گئیں۔ بریاب شاہ نے ہوش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے اور سلطان سے معافی کا خواست گار ہوا ۔ محمد قطب شاہ نے اس کا تصور معاف کردیا اور مجر سے اس کو قطب شاہی سلطنت کے باج گزار حکمران کی حیثیت سے بستریر برقرار رکھا ۔ یہ اس کے اعلی اخلاق اور امن پسندی کا ایک واضح ثبوت ہے ۔ گولکنڈے کے سلاطن میں سب سے پہلے محمد قلی قطب شاہ نے شاہ ایران سے اپنا سیاسی رشتہ جوڑا ۔ شاہ ایران ، عباس صفوی نے اغزولوسلطان کو ۱۹۰۳ ء میں اپناسفیر بناکر گولکنڈہ بھیجا ناکہ دونوں میں دوستی اور یگانگت پداہو ۔ سفیر ایران کا گولکنڈے میں برتیاک خیرمقدم کیا گیا اور سفیر ایران اور اس کے ساتھیوں کو بیش قیمت خلعتوں سے نوازا گیا ۔ ایرانی تحفول میں موتیل کا تاج ، مرصع خنر ، چالیس عراقی اور عربی گھوڑے تھے جو زرین لگاموں سے لیس تھے۔

اور سفیر ایران اور اس کے ساتھوں کو بیش قیمت فلعتوں سے نوازا گیا۔ ایرانی محفوں میں موتیوں کا آج ، مرصع خنج ، چالیس عراقی اور عربی گھوڑے تھے جو زرین لگاموں سے لیس تھے ۔ عباس صفوی نے شہ زادی حیات بخش بیگم سے لینے کسی شہہ زادے کے لیے دشتے کی خواہش بھی کی تھی لیکن شہہ زادی حیات بخش بیگم اس وقت تک شہہ زادہ محمد قطب شاہ سے منسوب ہو چکی تھی ۔ پانچ سال کے قیام کے بعدیہ سفادت بیش قیمت تجائف کے ساتھ ایران واپس ہوگی۔

محمد قلی قطب شاہ کے انتقال اور سلطان محمد قطب شاہ کی جانشینی کے موقع پر شاہ ایرال نے حن بیگ قبیاتی کو پیام تعزیت اور نوید شنبیت دے کر گولکنڈہ روانہ کیا ، جس کے ساتھ جواہرات کا جڑاوی تاج ، مرضع تلوار ، ایک کنار اور پچاس گھوڑے بہ طور تحفہ تھیجے۔ ایرانی سفیر تقریباً تین برس گولکنڈہ کی جانب سے سفیر تقریباً تین برس گولکنڈے میں رہا ۔ ان تین سالوں کے دوران سلطنت گولکنڈہ کی جانب سے تیس مبزار بھون بہ طور اخراجات قیام و احتقام عطاکیے گئے ۔ نومبر ۱۹۱۹ ، میں سفیر ایران کی واپسی کے موقع پر علامہ ابن خاتون کو گولکنڈے کاسفیر بناکر ایران بھیجا گیا ۔ علامہ ابن خاتون نے ایران . میں تقریبا دس سال سفارتی فرائفن انجام دیے ۔ ۱۳۵۰ھ میں ان کی واپسی کے موقع پر ہاڑندران کے سپر سالا قائم بیگ بربان کو ایران کے سفیر کی حیثیت سے گولکنڈہ روانہ کیا گیا ۔ اس وقت حصرت میر مومن اور سلطان محمد قطب شاہ کا انتقال ہوچکا تھا اور کسن عبداللہ قطب شاہ تا تعقیل ہوچکا تھا اور کسن عبداللہ قطب شاہ تعنین ہوگیا تھا۔

قطب شاہی سلطنت کی تجارت سالانہ کئی کروڑ روپیہ کی ہوتی تھی ، بندرگاہوں سے اندرون ملک سامان کے حمل و نقل کے لیے سڑول کا جال بچچا ہوا تھا۔ مشرقی سامل پر مسولی پٹنم کی بندرگاہ سے عرب ، آفریقہ اور بورپی ممالک تک بحری تجارت ہوا کرتی تھی ۔ اسی بندرگاہ پر سب سے پہلے ڈچ فیکٹریاں اور تجارتی دفاتر قائم ہوئے ۔ کیوں کہ ڈچ تاجروں کی تجارت جزار شرق المند تک پھیل ہوئی تھی ۔ ۱۹۰۱ء میں (Dutch United East India Company) نے انہا تجارتی دفتر اور گودام مسول پٹنم میں قائم کیا [سلطان محمد قطب شاہ کے دور میں مسول پٹنم کی ایک ڈچ فیکٹریوں کے چلاوہ اس کے نواحی علاقے نظام پٹنم (سابقہ نام پر بولی) میں بھی ایک ڈچ فیکٹری بولی کٹ والی علاقے نظام پٹنم (سابقہ نام پر بولی) میں بھی ایک ڈچ فیکٹری بولی کٹ (Pulicat) کے قریب قائم ہوئی تھی ۔] اس ذمانے میں بندرگاہ سے طائے والے تجارتی مال پر ۱۹ % محصول برآمد عائد کیا جاتا تھا ۔ جس میں چھاپہ دلال Stamp کا معمول بھی شامل تھا ۔ ڈچ تاجروں نے اس محصول کے خلاف سلطان سے حالئے کیا جاری موال کی محال کا معمول کے خلاف سلطان سے انہی کی ۔ شاہی عکم جاری ہوا کہ محصول ۲ گ سے ذائد نہ لیا جائے اور جھاپہ دلالی معمول ختم

کردیا جائے ۔ انگلش فیکٹریاں چنگم (Chungum) محصول سے منتثنی کردی گئیں ۔ یہ محصول سے منتثنی کردی گئیں ۔ یہ محصول سلطنت کے کئی مقامات پر عمل و نقل کے دوران وصول کیا جاتا تھا ۔ ۱۹ دسمبر ۱۹۰۰ ، کو انگلش السب انڈیا کمپنی قائم ہوئی اور ۱۹۱۱ ، میں کمپنی نے مسول پستم اور ناگاہتم میں لینے تجارتی کارخانے قائم کیے ۔ محمد قلی قطب نثاہ سے معاہدہ کیا گیا کہ کمپنی کی جانب سے بندرگاہ کے شاہی افسروں کو تمین ہزار پگوڈا مماثل بارہ ہزار ایک سو پچاس روپیہ مغلبہ سالانہ ادا کیے جائیں ۔

مسولی پٹنم سے بیرے ، یا توت ، فولاد ، موٹا سونی کیڑا ، ریشم ، مسالے ، گوند لاک تمباکو اور صندل کی لکڑی برآمد کی جاتی تھی ۔ درآمدی اشیا میں ادرک ، جست ، ٹین ، لانگ کلاتھ ، کاغذ ، سونا اور چاندی شامل تھی ۔ گولکنڈہ بیروں کی عالمی منڈی تھا ۔ ابتدا میں بیرے کی کانٹی ڈچ آجروں کو پٹے پردی گئی تھیں ۔ لیکن ۱۹۹۳ ، میں سلطان محمد قطب شاہ نے اس پئے کو منسوخ کرکے بیرے کی تجارت کو شاہی اجادہ داری قرار دیا اور سارا کاروبار سرکاری عہدے داروں کے ذریعے انجام دیا جانے لگا ۔ بندرگاہ کے افسر، قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کا ایک اشاریہ (Index) بے طور ریکارڈ رکھتے تھے ۔

محمد قطب شاہ کا پندرہ سالہ دور حکومت ، علمی کاوشوں ، سیاسی استحکام ، امن و امان اور خوش حالی کی وجہ سے ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس عبد میں فارسی زبان وادب اور ایرانی گرکو فروغ حاصل ہوا۔ شہر حدید آباد کی طرح سلطان نگر بسانے کی کوششش کی گئی ۔ خوب صورت اور شان در عمار تیں تعمیر ہوئی ۔ تجارت کو ترقی ہوئی ۔ مشرق و مغرب کے ممالک سے سفارتی اور تجارتی تعلقات مشخکم ہوئے نہ بی امور میں توازن اور اعتدال پیدا کیا گیا ۔ گولکنڈے کی تہذیب میں رواداری اور عالم گرانسانی اقدار کا اضافہ ہوا۔

سلطان محمد قطب شاہ نے بتاریخ ۱۳ جادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳۱ جنوری ۱۹۲۹ء وفات پائی اور لینے بنائے ہوئے مقبرے میں دفن ہوا ۔ تاریخ وفات "حشرش به علی ابن ابی طالب باد " حشرش به علی ابن ابی طالب باد " حضرت مقبرے مقبرے میں دفن ہوا ۔ تاریخ وفات "حضرت مقبرے ۔

انگریزی

1. Masulipatnam A Metropolitian Port in the 17thentury اشاه منظور عالم بروفسير (۱)

an article in Islamic Culture. Hyd . July, 1959

(*) شروانی میروفسیس مارون خال ed.1 (۱۹۶۸) History of the Qutb Shahi Dynasty

(٣) ستروانی میر فسیسربازون خال Sultan Mohammed Qutb Shah Memoir No 5Pakistan

History of Golcunda (1956) ed.1

(٣) صديقي برفسير عبدالمجيد

Land Marks of the Deccan 1927

(٥) على اصغر بلكراي (ناظم آثار قديمه)

اردو

(۲) اختر حسن قطب شامی دور کا فارس ادب مهندر آباد روسمبر ۱۹۶۶ء

(،) مجمویال راؤ کے ۔ وی وزرائے عظام قطب شابان ۔ حیدرآ باد ۔ مارچ ۱۹۹۲ ،

(٨) راحت عزمي علامه اين خاتون يحيدرآباد يه ١٩٩٢ ء

(٩) زور و ذاكر محى الدين قادري وكليات سلطان محد قلى قطب شاه - سلسله لوسفيه (١) ١٩٣٠ -

(۱۰) سعادت على رصنوى مملام الملوك _ سلسله نوسفيه (٣) _ ١٩٣٨ -

(۱۱) صديقي ميروفسير عبدالمجيد ، اريح كوكنده - حيدرآباد طع دوم - ١٩٦٢ ،

(١٢) عبدالجبار ملكا بورى تذكره ، محبوب الزمن

 \circ

ار دو غزل . ابتدائی نقوش

غرل اردو شاعری کی سب سے زیادہ پسندیدہ صنف ہے۔ غرل کی مقبولیت کا راز اس کی اپن معنویت اور کیفیت کی ہمد رنگی میں پنال ہے۔ حیات و کائنات کے تمام مظاہر ، جذبات ، حالات ، احساسات ، رنگ و آہنگ سب کچھ اس کوزہ میں سمٹ آئے ہیں ۔ کسی دل کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں غرل کا گزرنہ ہوا ہو۔ عرش سے فرش تک اس کی رسانی ہے۔

اردو شاعری کی مختلف اصناف کی طرح عزل بھی عربی اور فارسی کے وسلے سے اردو میں آئی عزل کا مزاج عربوں کے ذہنی رویہ سے زیادہ میں نہ کھا ۔ فارسی میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ۔ فارسی نے عزل کو اور عزل نے فارسی کو کچھ اس طرح اپنالیا کہ ایرانی تہذیب کے آثار ، امور اور عوال عزل کے آئید میں صاف نظر آنے گئے ۔ ویسے ہر زبان کا ادب اپن تہذیب و تمدن کا آئید دار ہوتا ہے لیکن عزل کو اس کے زیادہ مواقع حاصل ہیں ۔ کیونکہ اس کا گزر خلوت اور جلوت دونوں جگر یکسال ہے ۔

اردو غرل کی نفوونما جس تہذیب و معاشرت میں ہوئی اس تہذیب و معاشرت کا سلسلہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد ہے جالما ہے ۔ یہاں مسلمان ، سیاحوں ، فاتحوں اور تاجروں کی حیثیت سے آئے ۔ ان میں عرب بھی تھے اور ایرانی بھی ، ترک بھی تھے اور تورانی بھی ۔ یہ سب لینے ساتھ اپنی اپن تہذیب اور معاشرت بھی ساتھ لائے اور ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا ۔

ان کی آمد سے تہذیب و معاشرت اور زبان کا لین دین شروع ہوگیا ۔ عوام کے اس ربط و ارتباط سن کی آمد سے تہذیب و معاشرت کی تھیں ، وہیں ایک نئی زبان کے لئے ماحول اور فضاء بھی تیار ہوری تھی ۔ تہذیب و معاشرت کی تشکیل و تعمیر کا سلسلہ کے لئے ماحول اور فضاء بھی تیار ہوری تھی ۔ تہذیب و معاشرت کی تشکیل و تعمیر کا سلسلہ صدیوں جاری رہا ۔ جیسے جیسے ایک مشترکہ کلچر جگہ پانا گیا ویسے ویسے اردو زبان کے خط و خال صدیوں جاری رہا ۔ جیسے جیسے ایک مشترکہ کلچر جگہ پانا گیا ویسے ویسے اردو زبان کے خط و خال معدول جاری رہا ۔ جیسے جیسے ایک مشترکہ کلچر جگہ پانا گیا ویسے ویسے اردو زبان کے خط و خال معدول جاری رہا ۔ جیسے جیسے ایک مشترکہ کلچر جگہ پانا گیا ویسے ویسے اردو زبان کے خط و خال معربی تھی ۔ تہذیب و معاشرت گئے ۔ ترکوں اور مغلول کی فتوحات کے تیجے میں فارسی زبان و ادب کو ہندوستان کی ایکار کی تعرب کیا تھیں کا دور نوان کے دور کی کا میں دبان و ادب کو ہندوستان کے تعرب ایکار کی خورات کے تیجے میں فارسی زبان و ادب کو ہندوستان

میں خاصی ترتی ہوئی۔ شعر و ادب کی ترتی اور سرپرت کے چرچ سن کر ایران سے اہل علم و فن ، شاعر و ادیب ہندوستان آنے گئے ۔ ایرانی تہذیب اور فارسی ادب کا ذوق عام ہونے لگا۔ یہاں کے شاعروں نے اپنی فارسی غزلوں میں اردو کے مصرعے لگانے شروع کئے ۔ یا بھر آدھا مصرعہ فارسی اور آدھا اردو میں لکھنے گئے ۔ ایسی شاعری کو " ریختہ "کہا جانے لگا ۔ ریختہ کا آفاز حضرت امیر خسرو (، ، ، ، ۔ ، ۱۳۲۵) کی غزلوں ، کہ مکر نیوں اور پہلوں سے ہوتا ہے ۔ حضرت امیر خسرو کی فارسی ، عربی ، ترکی ، بندی اور دیگر زبانوں سے واقفیت ، اپنے پیر و مرشد سے بے پناہ محبت ، موسیقی سے گہرے لگاؤ اور تصوف سے علمی و عملی وابستگی نے ان کے کلام میں سلاست اثر ، ترنم اور دکشی پیدا کر دی ۔ ریختہ میں ان کی غزلوں کے چند شعریہاں پیش کئے جاتے ہیں .

زحال مسکیں مکن تفافل دورائے نینال بتائے بتیال کہ ناب جرال ندارم اے جان ندلیبو کا ہے لگائے جھتیال شبان جرال دراز حوں زلف و روز و صلش حول عمر کو ناہ سکمی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیے کاٹوں اندھیری رتیال لکاکیک از دل دو چشم جادو بصد فریم ببرد تسکیل کے بڑی ہے جو جا سناوے بیارے پی کو ہماری بتیال

میر تقی میرنے نکات الشعراء میں امیر خسرو سے منسوب یہ ریختہ لکھا ہے ' زرگر پسرے جو ماہ پارہ کچھ گھڑیے سنواریے پکارا نقد دل من گرفت و بشکست بھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

و ۱۹۳۵ء میں جب ملاوجی نے سب دس لکھی توایک جگہ امیر خسرو کا یہ دوہا بھی لکھا ہے ۔ چکھا ہوکر میں ڈلی ساتی تیرا چاؤ

منج جلتی جنم گیا ، تیرے لیکن باؤ

ا کی بی مصرع میں فارس اور اردو کا یہ میل ملاحظہ ہوجے عبدالواس بانسوی نے اپن

تصنیف دستور العمل میں خسرو سے نسوب کرتے ہوئے نقل کیا ہے:

از چل چل تو کارمن زارشد کی پ
من خود نمی چلم تو اگر می چلی بحیل

حصرت امیر خسرو نے اپنے پیر و مرشد کی وفات پر ایک شعر کہا تھا وہی شعر آج بھی

حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر درج ہے :

گوری سونے سے رَبِکھ پر ڈارے کیس چل خسرو گھر آپنے سانج بھنی چوندیس

امیر خسرو نے گیارہ بادشاہوں کا زبانہ دیکھا تھا۔ وہ فاری زبان کے تو باکبال شاعر تھے بی اردو شاعری کو بھی ایسی شکفگی ، تازگی اور شیرین عطاکی جس کا لطف آج کے پہسے والے کو بھی محسوس ہوتا ہے یعنی وقت کی رفیار نے ان کی شاعری کو گرد آلود ہونے نہ دیا۔ ان کی شاعری نے ان کے بعد آنے والے ہر شاعر کو متاثر کیا ہے ۔ چنانچہ امیر حسن دہلوی (خسرو کے شاعری نے ان کے بعد آنے والے ہر شاعر تھے ، محمد تغلق کے زبانے میں بربان الدین غریب پیر بھائی) جو فاری کے کہو اور قادر الکلام شاعر تھے ، محمد تغلق کے زبان اور غرل کے میلان پر کے ساتھ دولت آباد چلے گئے تھے ۔ انکی ایک غرب سے اس دورکی زبان اور غرل کے میلان پر روشن پڑتی ہے ۔ س دہوی نے فارسی اور ہندی کی آمیزش سے کیا خوب غرل کی ہے ۔ اس خرل کے دوشعر میلان پیش ہیں:

لکتے خودم خون جگر ، کا میں کبوں دکھ جائے کر سوزم فیدہ درتم ، پی دے گئے سلگائے کر گئتم جول جوگ دربدد ، یابم اگر جائے خبر مجر ربیا بھوتوں نگر ، اجھوں نالمیا آئے کر

اس دور کی غزل اس کے رنگ ڈھنگ اور رواج کا اندازہ جبال ہمیں اس دور کی فارس تصانیف اور امیر خسرو کے اردو کلام سے ہوتا ہے ، وہیں صوفیائے کرام کی ملفوظات میں موجود

ذخیرہ الفاظ الشعار اور فقروں سے بھی ہوتا ہے۔

حضرت شیخ فرید الدین مسعود کُنج شکر (۱۱۵سه ۱۲۹۱ه) حضرت خواجه قطب الدین بختیاد کال کے مرید و خلیفہ تھے مختلف تذکروں میں ان کے فقرے مل جاتے ہیں مصفرت شیخ باجن نے حضرت شیخ فرمد کُنج شکر کا ایک دوبانقل کیاہے '

سائیں سوت گل گئی ماس نرھیا دہیہ اب لگ ہو سول کیہ

خرائن رحمت الله ازشیخ باجن میں حصرت کیخ شکر سے منسوب چند اشعاد ملتے ہیں۔ ان میں

۔ سے دوشعر سال پیش کئے جاتے ہیں

راول دنول میں نہ جلئے بھاٹا سپنہ روکھا کھلئے درویشنہ اسے دست پانی لوریں اور مسیت حضرت نظام الدین اولیا کے فارسی ملفوظات "افضل الفوائد" کے

نام سے جمع کئے ۔ ان ملفوظات میں کئ جگد اردو کے الفاظ بلا تکلف آگئے ہیں۔ حافظ محمود شیرانی نے اپنے مقالات (مقالات محمود شیرانی جلد اول ص ۳۹۲) میں لکھا ہے کہ شخ نظام الدین اولیانے دوہرے کے ہیں۔ یددوہرے تو مل مدسکے مگر حضرت نظام الدین اولیا کے ہمعصر بزرگ شیخ شرف الدین ہو علی قلندر پانی پی (متوفی ۱۳۳۳ء) کا ایک شعر سنئے جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس زمانے میں غزل کس روپ میں نظر آرہی تھی۔

سمن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئے بدھنا ایسی رین کر بھور کھی نہ ہوئے

حضرت شیخ شرف الدین یحیث منیری (متونی ۱۲۸۰) کے دوج ، فالنامے اور ملفوظات کا ذکر تو ملآے کیکن ریختہ یا غرل کاکوئی حوالہ نہیں ملاً ان کا ایک دوہرا ہے۔

شرف حرف مائل تحسیں درد کچھ نہ بسائے گرد چھوئس دربار کی سو درد دور ہوجائے شیخ عبدالقدوس گنگوبی برج بھاشا کے شاعر تھے اور الکھ داس تخلص کرتے تھے۔
اپنے وقت کے بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ ان کی عادت تھی کہ اپنے مریدوں کو فارسی میں تصوف
کے مسائل مجھاتے تھے بھران کی تشریج دوہ یار پختہ سے کیا کرتے تھے ان کا ایک شعر ہے۔
سائیں سمندر پار وہنہ ہم تبہ مچھلیاں
جاہرا مین جل رہیں مربین تو جلہیں با
شیخ عبدالقدوس گنگوبی کے "رَشد نامہ" میں ان کے کلام کے مختلف نمونے ملتے
ہیں۔ اس میں راگ راگنیاں اور دوہر ہے سمجی کچھ بیں اور کچھ لیے اشعار بھی ہیں جن میں تصوف
بیں۔ اس میں راگ راگنیاں اور دوہر ہے سمجی کچھ بیں اور کچھ لیے اشعار بھی ہیں جن میں تصوف
بیرا ہوا ہے ان کا پرنین بندی ہے۔ زبان کا لوچ اور سادگی ملاحظ ہو۔

نہ کچھ نہ کچھ نہ کچھ جان نہ کچھ میں نہ کچھ مد نہ کچھ رپووان جئے پئیو سے تو نیند نہ لیں ، جے رپدیس تو بوں برہ برودھی کامنی ناسکھ بوں نہ بوں

اب تک اردو عزل اور اردو شاعری صوفیائے کرام کے زیر اثر پرورش پاتی رہی ۔ ان کا مسلک انسانیت ، محبت ، صداقت اور خدمت تھا ، لینے خیالات کے برچاد کے لئے انہوں نے اس زبان کو وسلہ بنایا جو عوام میں مقبول ہورہی تھی ۔ صوفیا کی تعلیمات نے اس وقت کی تہذیب بر ایسا گہرا اثر ڈالا جس کے نقوش آج بھی ہماری تہذیب میں رہے سے نظر آتے ہیں ، اس ترقی پذیر زبان کی مقبولیت اور اثر پذیری کا اندازہ نام دیو ، کیر داس اور گرونانک کو بھی ہوگیا تھا ۔

نام دیو (۱۲۰۰ ۔ ۱۳۵۰) صوفیائے کرام کی تعلیمات اور شاعری سے متاثر تھے ، مراہٹی کے شاعر تھے ۔ لیکن صوفیا، کم مزبان اور بیان سے متاثر ہو کر انہوں نے جو اشعار لکھے ہیں ان سے مجمی غزل کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ ایک شعر دیکھئے '' ائی نہ ہوتی باپ نہ ہوتا کرم نہ ہوتی کائیا ہم نہیں ہوتے کون کہاں تے آئیا ہم نہیں ہوتے تم نہیں ہوتے کون کہاں تے آئیا ہندوستان میں مغلول کی آمد کے بعد اردو کی ترقی کے امکانات روشن ہوتے گئے ۔ باہر نے جو صرف پانچ سال حکومت کی بڑا ہمادر اور شحیح بادشاہ تھا۔ ان پانچ برسوں میں اسے کی جنگیں لائی پڑیں اور آخر کار اس نے ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد ڈالی ۔ با برکی زبان ترکی تھی ۔ ہندوستان میں اسے ایک نئی زبان سے سابقہ پڑا جو عوام اور خواص میں یکسال مقبول ہورہی تھی ۔ ہندوستان میں اسے ایک نئی زبان سے سابقہ پڑا جو عوام اور خواص میں یکسال مقبول ہورہی تھی ۔ وہ بھی اس ذبان کے جادو سے بچ نہ سکا ۔ " ترک بابری " میں کیتے ہیں کہ متعدد الفاظ اردو زبان کے لئے ہیں ۔ بابر کے زمانے کا ایک مشور شاعر شیخ جمالی کنبوہ (۱۹۳۵) ہے ۔ اس کا ذکر ڈاکٹر حمیل جائی نے کیا ہے ۔ اس کا ذکر ڈاکٹر

آل بری رخسار حول شانه به حویلی می کند جان دراز عاشقان را عمر چھوٹی می کند در ره عشقت جمالی گشته حول حیران و زار عاقبت از مفلسی درکول کنگوٹی می کند

فارس کے ساتھ اردو میں بھی شاعری کی ہے۔ ان کی زبان فارسی آمزہے ۔ ان کے ریخت کے دو

شعر ملاحظه مهول

 جمالیں اور اکبر کے زبانے میں کئ فاری کو شاعر گزرے ہیں ۔ جنبوں نے ریختہ مجی کہا ہے لیکن ان کا نموند کلام نہیں بلتا۔ بہرام سفہ کے نام سے ایک ریختہ مشہور ہے جس کاردیف و قافیہ اردو ہے ۔ کہی شعر میں آدھا مصرع فارسی اور آدھا اردو ہے ۔ کہیں لورا مصررع اردو کا ہے اور کہیں کچ الفاظ اردو آگے ہیں ۔ اس ریختہ کا حوالہ مقالات حافظ محمود شیرانی (جلد دوم ۔ ص ۸۵ ۔ ۵۹) میں بلتا ہے ۔

سبرام سقہ کے اس ریختہ سے صرف دو شعر دلچپی کی خاطر پیش کئے جاتے ہیں ' چشم او طرفہ غرائسیت کہ درباغ جبال حمد ریکان و گل و سنبلِ تر چرتی ہے آنکھ مردم کش او دم بدم از خون جگر قدر چشم مرا از غم خود بھرتی ہے

جبانگیر (۱۹۰۵ ـ ۱۹۲۰) کے دور میں افضل پائی پی (متونی ۱۹۲۵) مصنف " بکٹ کہانی "
نام فارسی اور اردو ادب کی تاریخ میں جگمگا تا ہوا نظر آتا ہے ۔ لیکن ان کے بیال غزل نہیں ملتی ۔
شاہ جبال (۱۹۲۰ ۔ ۱۹۵۰) کے زمانے میں اردو زبان کی جڑیں مصنبوط ہو چکی تھیں غزل کا روپ
نگھر چکا تھا لیکن اب بھی اردو فارس سے آتکھ محولی کھیں رہی تھی ۔ اس دور میں ولی رام ولی اور
چدر بھان پر ہمن کے دو اہم نام ملتے ہیں ۔ جنول نے غزل کو آگے برمھایا ۔

منشی ولی رام و کی کے دو شعر سننیے :

چ دل میں دریں دنیا کہ دنیا سے چلاتا ہے چ دل بندی دریں عالم کہ سرپر چھوڑ جاتا ہے تو مہمان آمدی ایں جا شدی خود خانہ خاوند تو اپنے آپ کو بھولا کسی کو نا پھیاتا ہے چندر بھان برہمن (۱۵۵۳ء۔ ۱۹۹۲ء) دارا شکوہ کے میر منٹی تھے پھروزارت کے عبدے پر فائز رہے اور "دائے رایال" کے خطاب سے نوازے گئے ۔ تر کو شاعر تھے ۔ ان کے سہاں پہلی دفعہ عزل اپن اوری آن بان کے ساتھ اس طرح خلط ملط کر دیا ہے کہ اب وہ صرف اردو کے الفاظ معلوم ہونے لگے ہیں۔ ہندی عربی ، فارسی کا ایسا جوگ اس سے ہندی عربی ، فارسی کا ایسا جوگ اس سے ہندی عربی ، فارسی کا ایسا جوگ اس سے ہندی عربی ، فارسی کا ایسا جوگ اس سے شمل ہند میں کبھے میں نہیں آیا :

خدا نے کس شہر اندر ہمن کو لائے ڈالا ہے ۔ ، نہ ساتی ہے ، نہ شیشہ ہے ، نہ پیالا ہے پیا کے ناؤں کی سمرن کیا جاہوں کروں کس سیں نہ تسبی ہے ، نہ مالا ہے ، نہ سمن واسطے اشنان کے تھرتا ہے بگیا سیں نہ گنگ ہے ، نہ نالا ہے نہ گنگ ہے ، نہ خرنا ہے ، نہ ندی ہے ، نہ نالا ہے

نہ گگا ہے ، نہ جہنا ہے ، نہ ندی ہے ، نہ نالا ہے

یہ تو غرل کی وہ داستان تھی جو شمالی بند میں ملتی ہے ۔ اکبر کے زمانے میں دکن میں قلی
قطب شاہ جسیا نرگو شاعر پیدا ہوچکا تھا۔ انجی اس زمانے میں اردو زبان اور اس کی غزل شمال بند میں
پاؤل پاؤل چائ جب تھی جبکہ دکن میں قلی قطب شاہ کا دیوان تیار ہوچکا تھا اس کے درباد سے وابسۃ کئ
شاعر مختلف اصناف سخن کے ساتھ ساتھ غزل میں بھی طبح آزمائی کر رہے تھے ۔ محمد قلی قطب شاہ سے
شاعر مختلف اصناف سخن کے ساتھ ساتھ غزل میں بھی طبح آزمائی کر رہے تھے ۔ محمد قلی قطب شاہ سے
میلے فیروز اور ملاخیالی کے بھی غزلیہ اشعار مل جاتے ہیں ۔ شمال بند میں اس وقت تک جو غزل کہی جاتی
دری ہے اس میں غزل کی دورج نہ مل سکی ۔ دکن کے شاعروں نے فادسی سے غزل کا مذصرف سانچہ لیا
بلکہ ان کی تخلیقی قوت سے بھی حاصل کی اور غزل کو رنگ و آ ہنگ دیا ۔ حسن بیان اور بیان حسن سے
غزل کو سنوادا ً فیروز کی دو غزلوں سے امک ایک شعر نموناً پیش ہے ۔

جس بزم میں تمبی بھمکے میرا جو چاند سب نس روتا اچھوں و جلتا جوں شمع انجمن میں محمود کا بیشر کلام غولوں پر مشتمل ہے جس میں معاملات عشق بھی ہیں ، مصامین حکمت مجمی ، نازک مزاجی اور نادر تشبیبات بھی ''

آج ہور کل پر اپس بی زندگی ناگھال توں جوتوں کرنا ہے سو کرلے حق کے کابال کول شآب خلقتے رندا منیں محمود نیناں کھول دیکھ جیوشراب ہے ،دل شراب ہے ،پاشراب

محمد قلی قطب شاہ نے ہر صف میں طبع آزائی کی ہے لیکن غرب سے اسے خانس رغبت ہے۔ اس کا مزاج فطری طور پر غزل کے مزاج سے میں کھاتا ہے ۔ حن و عشق شراب و کباب درآگ و رنگ اس کا بھی مزاج ہے اور اس کی غرب کا بھی ۔ اس کے اضعار کی تعریف خود محمد قلی کی زبانی سنتے :

> شر معانی ان بندے موتی ہیں جگ میں حسن کے پردے صدف موتی جمیا لب وار تیرے نام پر

> بالل کی یہ نزاکت بن شاعران نہ بوجھیں دیتا خدا قطب کو گفتار کا متاع

قطب شاہی عبد کے شاعروں میں احمد ، وجمی ، غواصی ، عبداللہ قطب شاہ ، جندی ، ابن نشاطی ، طب عبد کے شاعروں میں احمد ، وجمی ، غواصی ، عبداللہ قطب شاہ ، جندی مقام ابن نشاطی ، طب عن ، ابوالحن آناشاہ ، شاہ قلی خال شاہی فائز اور لطیف نے غرل گوئی میں مقام ہیدا کیا ۔ حن و عشق ، عیش و سر ست ، جوش و امنگ ، زبان و بیان تشبیه و استعارہ صنعت لفظی و معنوی کے گونال گوں خوبصورت اشعار دکن کے ان شاعروں کے میاں مل جاتے ہیں ۔

بیالور کے عادل شاہی بادشاہوں میں مجی ان اوصاف کی کمی نہیں تھی ان بادشاہوں نے مجی قطب شاہی بادشاہوں کی طرح علم و ادب کی سرریت و قدر دانی کی ۔ خود مجی شعر کیے اور اعلیٰ درجہ کے شعرکیے ۔ عادل شاہی غرل کو شعراء میں دولت ، امین ، صنعتی ، ملک خوشنود ، رستنی ، ملائصرتی ، مومن ، باشی ، امین الدین علی اعلیٰ اور حسن شوتی کے نام قابل ذکر ہیں۔

العصران، و ن ب ما الدرب میں ہندوستانیت جھائی ہوئی ہے جبکہ گولکنڈہ پر ایرانی اثرات نمایاں عور پر نظر آتے ہیں ۔ بیجابور میں ادب کی سرپرستی پہلے پہل بزرگوں نے بی کی ، اس لئے تصوف بیجابور کا خاص وصف ہوگیا ہے ۔ وحدت الوجود ان کے تصوف کا بنیادی فلسفہ ہے ۔ تصوف کے ساتھ اخلاق و حکمت کے مصنامین مجی قطب شاہوں کے مقابلے میں بیبال زیادہ ملتے ہیں ۔ عادل شاہی بادشاہوں میں ابراہیم عادل شاہ ثانی (جگت گرو) علی عادل شاہ شاہی نے دکھن عرب کو ایک قیمتی سرمایہ دیا ۔ عادل شاہی شعراء نے بھی گولکنڈہ کے غرب کو شاعروں کی طرح عشق غرب کو ایک قیمتی سرمایہ دیا ۔ عادل شاہی شعراء نے بھی گولکنڈہ کے غرب کو شاعروں کی طرح عشق کے کھیل کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ۔ حن و جبال کی رعنائیوں ، دنگینیوں تخیل کی سحرانیوں کے کھیل کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ۔ حن و جبال کی رعنائیوں سے غرب کو سجایا ہے ۔ کے کھیل کا کوئی پہلو تشنہ نہیں جھوڑا ۔ حن و جبال کی رعنائیوں سے غرب کو سجایا ہے ۔

سربویں صدی کے عبوری دور میں ولی ، سرآج اور داؤد کا براے غرل گو ضراء میں شار ہوتا ہے ۔ ان میں ولی کا مرتبہ کئی اعتبارے بلند ہے ۔ ولی کا دلوان صخیم ہے زبان شیر بی اور سبل ہے ۔ کلام میں سادگی اور ترنم ہے ۔ تصوف میں بھی ولی کا رتبہ بہت بلند ہے ۔ ولی کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ انہوں نے شمال اور جنوب کے لئے ایک عبوری پل کا کام کیا ہمیت اس لئے بھی ہے کہ انہوں نے شمال اور جنوب کے لئے ایک عبوری پل کا کام کیا ہے ۔ شمال ہند میں اردو غرل کی ترویج اور مقبولیت کا سہرا ولی کے سرجاتا ہے ۔ ولی نے دکن کی زبان کی اصلاح کی اور مصامین کو وسعت دی ۔ دلی گئے تو وہاں کے شاعروں نے ولی کے شخیم میں اردو میں غرل گوئی شروع کی ۔ ولی سے وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی ذبان پر ولی کی زبان

یلے پل شمال ہند کے شاعروں میں ولی کے اُر سے موسوی خال فطرت مرزا بدل اور مرزا عبدالمغنی نے اردو میں شعر کہنا شروع کیا ۔ یہ فارس کے بہت بڑے شاعر تھے ۔ اردو میں شعر کمنا ان کے لئے کسر شان بات تھی لیکن ولی سے متاثر ہوئے بغیر یہ رہ اُسکے ۔ ان کے بعد قرلباش خال آمید ، مرتضیٰ قلی خال فرآق ، میر شمس الدین فقیر ، سراج الدین علی خال آرزو جو فارسی کے باکمال شاعر تھے اردو میں طبع آزبانی کرنے گئے ۔ ان کے بعد آبرو ، حاتم ، ناجی ، مرزا مظہر جان جانال نے مذصرف اردو میں شعر کہنا شروع کیا بلکہ ان کا نام اردو ہی کی وجہ سے زندہ ہے ۔ خان آرزو (۱۹۸۹ ۔ ۱۹۵۹) میر تقی میر کے سوتیلے ماموں تھے ۔ اردو اور فارسی دونوں کے استاد تھے ۔ اس کے علاوہ مختلف علوم و فنون میں انہیں بسیرت حاصل تھی ۔ فارسی میں ان کی کتابیں ہیں ۔ اردو میں غرائب اللغت مشور ہے ۔

کی کتابیں ہیں۔ اردو میں غرائب اللغت مسور ہے۔
جب دیوان ولی دلی آیا اور اس کے اشعار لوگوں نے پسند کئے تو حاتم (۱۹۹۹۔ ۱۹۹۱)
نے اردو میں طبح آزمائی کی۔ اپنے زمانے میں ریختہ کے وہ استاد مانے جاتے تھے۔ ان کے دو یوان ہیں۔ ایک قدیم رنگ میں جس میں صنعت اسیام کا استعمال کرثت سے ہے دوسرا اصلاح شدہ دنگ میں ۔ پیلے رمز تخلص کرتے تھے ۔ ایک اور دیوان منتخب کرکے مرتب کیا جس کا نام "دیوان زادہ" رکھا۔ شیخ شرف الدین مضمون حضرت شیخ فرید گنج شکر کی اولاد میں سے تھے اردو میں ایک دیوان چوڑا ہے کلام پاکیزہ اور لطیف ہے گر ایبام گوی سے پاک شمیں۔

میں الی دلوان چورا ہے بالام پارہ اور تعیف ہے ہم اہم موں سے پات یں۔
شمس الدین جان جانال مظهر تخلص کرتے تھے ۔ صوفی باصفا اور شاعر بکتا تھے ۔ کلام
میں جتنی شوخی ہے اتنی ہی روحانیت اور صداقت ہے ۔ مرزا مظہر جانجانال صاحب کمال شاعر
تھے۔زبان پر قدرت حاصل تھی ۔ میں وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے کلام کو فارس کے نے
محاوروں تراکیب اور خیالات سے وسعت و قدرت عطا کی ۔ ایمام گوی کو معیوب قرار دیا ۔ خود
اے ترک کیا اور اپنے ہم عصروں کو اصلاح کی دعوت دی ۔

سیہ محمد شاکر ناتم کا دلوان موجود ہے ۔ سلاست زبان اور نزاکت خیال کی وجہ سے اہل دلمی میں مقبول تھے ۔ اشعار میں استعارات و ایہام کی کمڑت ہے ۔

میر عبدالحی ماباں نوجوانی میں انتقال کرگئے ۔ ان کا کلام عاشقانہ اور مربطف ہے ۔ نزاکت خیال کے مالک تھے ۔ زبان بڑی سادہ اور سلیس لکھتے تھے ۔مصطفے خال میک رنگ اپنے عمد کے مشور شاعر تھے ۔ کلام میں بلند مہنگی تھی ۔ ان کے کلام میں عشق مجازی اور عشق حقیق کا فوبصورت امتزاج ملتا ہے ۔

اشرف علی نغال کا کلام لینے ہم عصروں سے کچ مختلف ہے۔ اور آن کے بیال فادی کا اثر زیادہ ملتا ہے ۔ انسوں نے ہندی کے محاورات اور الفاظ کا بھی خوبی کے ساتھ استعمال کیا ہے ۔ کلام نہایت پاکیزہ اور تخیل بلند ہے ۔ ایمام گوی ان کا خاص وصف تھا ۔ ابتداء میں ولی کے اثر سے دکنی کے الفاظ کرشت سے استعمال کرتے دہے ۔ پھر مرزا مظہر جانجانال کے اثر سے اس کا استعمال کم ہونے لگا ۔ فادی میں ان تمام شعراء کو کمال حاصل تھا ۔ اس لئے فادسی الفاظ محاورات ، تشبیمات اور استعارات کو بے حکان برتا ہندی الفاظ کا استعمال کرشت سے خصوصا غرل میں معیوب تھے ۔ ایمام یعنی ذو معنی الفاظ کا اشعاد میں استعمال کرشت سے خصوصا غرل میں معیوب تھے ۔ ایمام یعنی ذو معنی الفاظ کا اشعاد میں استعمال کرشت سے اصلاح کی جب بھی میر کے عہد تک اس کا چرچا رہا ۔ چنانچ میر کھتے ہیں :

کیا جانے دل کو گھننچ ہیں کیوں شعر میر کے ۔ کچھ ایسی طرز بھی نہیں اہیام بھی نہیں ۔ کیا جانے دل کو گھننچ ہیں کیوں شعر میر کے ۔ کچھ ایسی طرز بھی نہیں اہیام بھی نہیں میر تک ہین تینج تو تو خول اور زبان اس لائق ہوگئ کہ میر نے اپنے خاص رنگ میں غزل کے جج دیوان مرتب کئے ۔ میر ۱۷۲۸ میں اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے ، والد کے انتقال کے بعد دلمی چلے آئے ۔ بیاں شعر و شاعری کے چرچے تھے ۔ طبیعت شاعرائہ تھی ۔ معاشرتی زندگی کا انتقاد ، زانے کے غم ، ذاتی مصیدتیں ، مغلسی کا درد ، عشق کی ناکامیاں اور ہجر و فراق کی کسک نے ان کی زندگی کو سنگ گراں بنادیا تھا ۔ مزاج ہڑا نازک تھا ۔ لوگوں سے بہت کم ملتے اور بست بی کم بات کرتے تھے ۔ شعر کو "سخن کا پردہ" بنالیا تھا ۔ آخر میں ان کا فن محمرا ۔

بہتر کے ہم عصروں میں درد ، سودا ، مصحفی ، میر حت قابل ذکر ہیں ۔ مجموعی اعتبار میں اسب میں وہی خصوصیات ملتی ہیں جو میر ادر درد کی غراف میں پائی جاتی ہیں ۔ سودا کی غراف کی مزال کا رنگ سب سے عالحدہ ہے ۔ جس میں شگفتہ مزاجی اور ہمد گیری ہے ۔ غرال کے مصنامین اور طرز اظہار میں تبدیلی آنے گئی ۔ اس عهد میں زبان کی اصلاح کا سبت بڑا کام ہوا ۔

د کنی مثنویاں

الطاف حسنین حالی نے تمام اصناف سخن میں متبوی کو "کارآمد صنف" بلایا ہے۔ یہ ایک ایسی صنف سخن ہے جس میں تقریبا تمام اصناف سخن کا لطف آجاتا ہے۔ اس میں غزل ، رباعی ، قطعات ، قصائد تھی ملتے بیں اور موضوعاتی شاعری کا دبط و تسلسل تھی ملتا ہے۔

اردو میں منوی نگاری کا باصابطہ آغاز مہمیٰ دور سے ہوتا ہے ۔ اس سے پہلے شمالی ہند میں صوفیائے کرام کی کھی ہوئی کچ نظمیں منوی کے فادم میں ملتی ہیں ۔ منوی کے ان اجدائی نمونوں میں کوئی قصہ یا کہانی نہیں ہوتی تھی بلکہ ندہبی اور صوفیائے خیالات یا پند و فصل کے پیش کے جاتے تھے ۔ نویں صدی جری کے اواخر میں قطبن کے بیال "مرگاوتی "کے نام سے بیش کے جاتے تھے ۔ نویں صدی جری کے اواخر میں قطبن کے بیال "مرگاوتی "کے نام سے ایک نظم لمتی ہے ۔ جے ہم شمال ہند میں شنوی کا پہلا نمونہ کہ سکتے ہیں ۔

یک اجام است است است است کی سف پر خصوصی توجہ کی ۔ اپنے ابتدائی زمانے ہی درو متنویاں خیالات ، موصوعات اور اسالیب کے لحاظ سے متنوع ہیں ۔ ان میں مذہبی متنویاں مجلی پائی جاتی ہیں ، رزمیہ اور بزمیہ مجی ۔

علاء الدین ظلمی اور مچر محمد تغلق کے زمانہ میں علماء اور صوفیا کی ایک بڑی تعداد شمالی بند سے دکن آکر آباد ہوگئ تھی ۔ رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کی خاطر انھوں نے عربی اور فلر سے دکن آکر آباد ہوگئ تھی ۔ رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کی خاطر انھوں نے عربی اور فارسی کے بجائے بیال کی عوامی زبان میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ ۱۳۳۰ء میں بہمی سلطنت کے قیام کے بعد بہمی بادشاہوں نے استحکام

۱۳۹۰ مرم ۱۳۳۰ میں بہمی سلطنت کے قیام کے بعد بہمنی بادشاہوں نے استحکام اور ملکی انتظامت کے ساتھ ساتھ علم و ادب کے فروغ میں بھی دلچیں لی۔ محمد شاہ بہمنی (۱۳۹۰ء تا ۱۳۹۰ء) نے حافظ شیرازی کو دکن آنے کی دعوت دی تھی۔ فیروز شاہ بہمنی کے عہد میں (۱۳۹۰ء تا ۱۳۲۷ء) بہت سے علماء و صوفیاء دکن آئے جن میں حضرت بندہ نواز گیبو دراز بھی شامل ہیں۔ احمد شاہ ولی بہمنی کے دور (۱۳۲۲ء تا ۱۳۳۵ء) حکومت میں شیخ آذری نے " بہمنی نامہ " تصنیف

کیا۔ بہمی دور ہی میں شمالی ہند سے آئی ہوئی زبان ،دکن کے لسانی اور تہذیبی ماحول میں نشوونما پاکر این ایک الگ شناخت بنادی تھی ۔ جسے آگے چل کر دکنی کا نام دیا گیا ۔ اس زبان میں سب سے پہلی منٹوی جو ہمیں ملتی ہے وہ فردین نظافی بیدری کی منٹوی "کدم راؤ پدم راؤ "ہے ۔ یہ متنوی احمد شاہ ولی بہمنی کے عمد (۱۳۳۰ء تا ۱۳۳۵ء) میں لکھی گئی۔ دوسری متنوی استرف کی نوسمار ہے جو ۹۰۹ ھ / ۱۵۰۳ ء کی تصنیف ہے۔ کدم راؤ پدم راؤ ایک عشقیہ داستان ہے اور نوسرار میں حصرت امام حسین کی شہادت اور واقعہ ء کربلا نظم کیا گیا ہے بہمنی سلطنت کے دور انتشار میں شاہ میراں جی شمس العشاق کی تدین مثنویاں خوش نامہ • خوش نغزاور مغز مر غوب ملتی ہیں ۔ تہمیٰ سلطنت کے خاتمہ کے بعد، بیجالور میں عادل شاہی، گولکنڈہ میں قطب شاہی، احمد نگر میں نظام شاہی ، بیدر میں برید شاہی اور برار میں عماد شاہی سلطنتیں قائم ہوگئیں ۔ مغلوں کے مسلسل حملوں کے باعث آخری تین سلطنتن زیادہ عرب پاسکیں ۔ عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں نے اپنے تقریبا دوسواور بونے دوسوسالہ دور حکومت میں دکنی زبان کے وسلیہ سے علم وادب کی بڑی خدمت کی۔ قطب شاہی عبد حکومت ۹۲۳ ھ / ۱۵۱۸ء سے شروع ہوتا ہے ۔ قطب شاہی بادشاہوں نے دکنی زبان و ادب کی دل کھول کر خدمت کی ۔ گولکنڈہ کے شاعروں نے ہر صف سخن میں طبع آزمائی کی۔خاص طور پر متنویوں میں قطب شاہی شاعروں نے بڑے اہم کارنامے انجام دیے ہیں ۔ یہ ذہبی ، عشقنی اور رزمیہ متنویاں ہیں ۔ اس دور کے آغاز میں محمود ، ملاخیالی اور فیروز کے نام ملتے ہیں۔ لیکن منتوی کے میان میں ان کے کوئی کارنامے دستیاب نہیں ہوسکے _فیروز کا " برت نامه " بروفسير مسعود حسن خال نے ترتيب دے كر شائع كيا ہے . " برت نامه " مل فیروز نے حضرت شی عبدالقادر جیلانی کی منقبت اور اینے مرشد شیخ ایراہیم مخدوم کی مدح کی ہے۔ مروفسیر مسعود حسین خال کی رائے میں برت نامہ کوئی اہم دکنی کارنامہ نہیں ہے۔ اشرف کا نوسرار موضوع کے اعتبار سے شادت نامہ کی صف میں آتا ہے اس لیے اس بر شوی کا اطلاق سنس ہوسکا۔ قطب شاہی عہد کی سب سے مہلی منزی جو اب تک دریافت ہوئی ہے ، وہ احمد

گراتی کی " نوسف زلیخا " ہے ۔ نوسف زلیخا ، نظامی گنجوی کی فارسی مثنوی " نوسف زلیخا " کا ترجمہ ہے۔ اس شنوی کے مطالعہ سے مصنف کے حالات زندگی پر روشنی بڑتی ہے۔ اس شنوی کے ا کے باب "شاعر تعریف بخت خود کر دند " می لکھا ہے کہ بادشاہ نے اسے خاص طور ہر و نوازش نامہ ، نامی " لکھ کر بلوایا تھا۔ اس اطلاع سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد گراتی کی شہرت اس زمانه میں گبرات سے گولکنڈہ تک مینچ حکی تھی ۔ اس نوازش نامہ میں " فتح و دولت " ۰ " عرت و حرمت " ، " امان ہور امن " ، " شاہ کی خدمت کوں دھایا کے "شاعر نے اس منتوی میں جزئیات نگاری رہبت توجہ صرف کی ہے جس سے اس کے وسعت معلومات اور مشاہدات کا اندازہ ہوتا ہے ۔ جزئیات نگاری کے سبرین نمونے ُ زلیخا کی خانقاہ ُعزیز مصر کے محل اور خانہ باغ کی تعمیر اور تزئین کے وقت نظر آتے ہیں۔حضرت نوسف کی سرایا نگاری اور مناظر قدرت کی عکاس مس شاعر نے نادر تشبیات و استعادات سے مدد لی ہے ۔ مختلف انسانی جذبات مثلاغم ، نوشی ، عصه حمد ، الویی ، ہجر ، یاں وحسرت کے جذبات کی بسترن عکاسی کی ہے ۔ احمد گراتی نے اس عبد کے تہذیب ، ثقافتی ،معاشرتی اور تمدنی مظاہر کو اس مثنوی میں محفوظ کر دیا ہے ،جس سے محمد تلی قطب شاہ کے عبد کے معیار زندگی کا اندازہ ہوتا ہے ۔ ساتھ ہی ساتھ شاعر نے مقامی عناصر کو بھی بوسف زلیخا میں استعمال کرکے عرب کی اس داستان کو مقامی رنگ میں رنگ دیا ہے۔ شنوی س حکیمانہ اخلاقی اور بصیرت افروز نکات بھی بڑی خوش اسلوبی سے بیان کیے گئے ہیں۔ صرب الامثال اور كماوتول كے برجسة استعمال سے زبان كالطف دوبالا موكيا ہے :

صبا کا کام بستر سارتا ترج نہ کھنا ترج کرنا سو صبا ترج حبال پائی جو بیٹے میل دوچار ادک ہوتے سس گن پاپ تس ٹھار مثنوی کا اسلوب ہندی ، سنسکرت اور مقامی زبانوں کے الفاظ سے بنا ہے۔ کم کم ہی الفاظ عربی اور فارس کے استعمال ہوئے ہیں نیہ بھی وہ الفاظ ہیں جو عام طور پر بولے اور سمجے

مننوی نوسف زلیخا لکھتے وقت شاعر کے سلمنے فارس نوسف زلیخا کے کئی نسخے تھے مگر شاعر، خسرو یا نظامی کی کسی تصنیف کی تلاش میں تھا۔ کسی دوست نے اس کی یہ مشکل جامی کی نوسف زلیخا فراہم کرکے آسان کردی ۔ جامی نے یہ شوی نظامی کنوی کی مثنوی "خسرو شیری " کے جواب مں لکھی تھی۔ احمد گراتی نے جامی کی متنوی سے استقادہ کیا ہے ۔ اس تعلق سے وہ کہتا ہے : نا تابع ہوں جو جامی کی کدھیں میں روایت ن کس تابع کس نس جے کیاں کا شعر ہوہے سولیاوں نیادت شاعری کی فن دکھاوں تصدیوسف زایخا ہر زمانے میں اور ہر زبان میں مقبول رہاہے کئ زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوچکا ہے ۔ فارسی میں جامی ، خسرو ، نظامی اور فردوسی جیسے شاعروں نے اسے نظم کیا ہے ۔ دکن میں بھی کئی شاعروں نے اس تصه کو متنوی کارؤپ دیا ہے گر احمد گراتی وہ شاعر ہے جس نے دکن میں پہلی بار اس قصے کو نظم کیا ہے ۔ یہ دکن کی پہلی مکمل عشقیہ متنوی ہے ۔ شیخ احمد گراتی کی ایک اور شنوی لیل مجنول کا حوالہ ملاہے جس کا تعارف سب سے پہلے بروفسر مافظ محود شیرانی نے اور ینٹل کالج میگزین الہور نومبر ۱۹۲۵ء میں کروایا تھا۔ اس متنوی کے انھیں صرف (٣٩) اوراق ملے تھے ۔ اس كالكمل نعز اب تك دستياب مد موسكا ـ يوسف زليخا كا مجى ایک می نبخہ ہے جیے دکنی کی مشهور محقق بروفیسر سدہ جعفر نے ایک بسیط مقدمے کے ساتھ

مرتب کرکے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا ہے۔

شیخ احمد گراتی کی بوسف زلیخا کے بعد محمد قلی قطب شاہ کے عمد میں ہی وجی نے قطب مشتری لکھی ۔ ملک الشعراء اسد اللہ وجی قطب شاہی عمد کا ایک عظیم المرتبت شاعر اور صاحب طرز انشا پرداز تھا۔ اس کے ہم عصر شاعروں نے اس کے کمال فن کا اعتراف کیا ہے۔ عواصی ایک قصیدہ میں عبداللہ قطب شاہ کی مرح کرتے ہوئے وجی کا حدکرہ اس طرح کرتا ہے ؛

اس دکن کے شاعرال میں تج شہنشہ کے نزیک ہے عواصی ہور وجی شاعر حاصر جواب اس دکن کے شاعرال میں تج شہنشہ کے نزیک ہے واصل قادری مصنف محی الدین طبعت سی نے اپنی شنوی مہرام و گل اندام میں اور شاہ افضال قادری مصنف محی الدین

نامہ نے اپنے ہر ایک قصیے میں وجی کو استاد سخن مانا ہے ۔ قطب مشتری وجی کی طبرزاد نتنوی ہے جبے اس نے صرف بارُہ دن میں کمل کیا ہے ۔ وہ لکھتا ہے :

تملم اس کیا دیس بارا منے سے سنہ یک ہزار ہور اٹھارامنے . دَاکرُ زور کا خیال ہے کہ شنوی قطب مشری کا قصہ بھاگ متی اور محمد قلی قطب شاہ کے عشق کی داستان ریر بہن ہے ۔ لیکن مولوی عبدالحق اور ہارون خال شیروانی اس خیال کی تردید كرتے ہوئے لكھتے ہىں كہ بھاك متى كا قصد الك خيالى داستان ہے ۔ متنوى قطب مشرى كا تصد ایک ضمی قصے کے ساتھ مربوط ہے ۔ اصل قصد محمد قلی اور مشتری کے عشق کی داستان ہے ۔ ضمنی قصے میں مشتری کی بہن زہرہ اور مرنخ خال کی داستان عشق ہے ۔ مرنخ خال کو مصیبتوں سے نجات دلاکر محمد قلی اسے زہرہ سے للادنیا ہے ۔ زہرہ کا قصد دیر سے شروع ہوتا ہے اور اصل قصے کا یک لازمی جزو ہوجاتا ہے ۔ اگر یہ قصہ شامل یہ کیا جانا تو محمد قلی کے کردار کے بہت سے پہلو سلمنے نہیں آنے پاتے ۔ شنوی کے تمام کرداروں کے نام ساروں کے نام رہیں جیسے قطب ،مشتری ،عطارد ازہرہ ،مہتب اور مریخ یہ سرکزی کردار قطب کا ہے جس کے اطراف سارے کردار گھوم رہے بیں۔ کردار نگاری میں وجھی نے برم ی احتیاط سے کام لیا ے اور قطب کے کردار برسب سے زیادہ توجہ صرف کی ہے ۔ عام طور پر شواوں میں شرادوں کے کردار غیر نعال اور مجبول ہوتے ہیں لیکن قطب کے کردار کو وجی نے غیر معمولی طور ری فعال بناکر پیش کیا ہے ۔ وہ تحرالبیان کے بے نظیر کی طرح اپنے آپ کو حالات کے حوالے نسی کردیتا بلکہ اپنے لیے آپ راہی بنانا جاتا ہے ۔مشتری اس منتوی کی ہیرو تین ہے ۔ جو بنگالہ کی شزادی ہے ۔وہ برمی حسن و حمیل دوشزہ ہے ۔اسے شعر و شاعری اور مصوری کا شوق ہے ۔ وہ عطارد کی مصوری اور نقاشی کو سبت پسند کرتی ہے ۔مشتری تقریبا نصف متنوی کے بعد سلمنے آتی ہے لیکن اپنے دلکش کردار کی وجہ سے قاری کو بہت متاثر کرتی ہے _قطب کے بعد " عطارد " قطب مشر ی کا براثر کردار ہے ۔ وہ شزادے کا ایک اچھا رفیق اور آمالیق ثابت ہوتا ہے ۔عطارد کا کردار اس کی سوچھ بوچھ تیزی اور مو قع شناسی تمام نتنوی رہے چھائی ہوئی نظر آتی ہے ۔

ملاوچی نے قطب مشری میں ہر ممکنہ جذبہ انسانی کو سمیٹنے کی کوسٹس کی ہے ۔ اس منتوی میں جذبات نگاری کے مواقع زیادہ تر حن و عشق کے درمیان پیش آئے ہیں ۔ وجی نے جس قدر چابک دست سے عشق و محبت کے جذبات کی ترجبانی کی ہے ، اسی مہارت سے نفرت، خوف اور غم و الم کے جذبات کی بھی عکاسی کی ہے ۔ وجی کی جذبات نگاری اعلیٰ درجہ کی ہے ۔ اسے انسانی نفسیات کا گہرا علم ہے اسے زبان و بیان پر اتنا قابو ہے کہ ہر کیفیت کو صفحہ قرطاس پر لفظوں میں پیش کردیتا ہے ۔ قطب مشری کے مناظر بھی عجیب پرکیف ہیں ۔ یہ مناظر نسبتا طویل ہیں اور ان میں زندگی ہے ۔ پہلا منظر جو ہمیں ملا ہے وہ شزادے کا اپنے دوستوں کے ساتھ تحفل طرب سجانے کا ہے ۔ جس میں مطر بوں اور ندیموں کی بدمتی اور دوستوں کے ماتھ تحفل طرب سجانے کا ہے ۔ جس میں مطر بوں اور ندیموں کی بدمتی اور حبری کی عکاسی کی گئی ہے :

بسرگے ندیماں طرز بات کا گوائے ہنر مطرباں ذات کا جو عاقل اتنے وو سب بیج ہوئے دو پیالے چڑا کے کا کچ ہوئے لگے مست ہو سٹنے متی سنگات یکس کے سو پاؤں اپر ایک بات یکس کوں بلا ایک اڑناؤں سوں گھے لگتے تھے مست ہو چھانوں سوں یکس کوں بلا ایک اڑناؤں سوں اس مظرکو پندرہ سولہ شعروں میں وجی نے بڑی خوبی سے پیش کیا ہے ۔ قطب مشری میں سراپا نگاری کے بھی اچھ نمونے پیش کیے گئے ہیں ۔ وجی کی سب رس کے مطالعہ سے بیت چلا ہے کہ وجی کو ظاہری اور باطنی علوم میں یہ طول حاصل تھا ۔ اس نے زمانے سمے نشیب و فراز دیکھے تھے ۔ حکیم دانا تھا۔ شاید ای لیے قطب مشتری میں جگہ جگہ عشق کے بھید بھاؤ، جوانی کی دلوانگی ، علم و ہنرکی قدر و منزلت ، جھوٹ کی پستی ، کم ذات کی بے وفائی اور بندوں کو خدا ہر بجروسہ کرنے کے بارے میں پند و نصیحت کی ہے :

گڑماں کا گر کھیل جانی ہے توں عشق کیا ہے کرکے پھیانی ہے توں جوانی دنوانی اخل وند نس جوانی ہے بے بند اسے بند نس ہنر ہور بخت جب ملے ایک ٹھار تو دولت غلام ہور خدا ہوے یار بلند مرتبہ جھوٹ تے ہوئے پست دنیا میں نہیں پچ تے کچ خوب بست و بھی نے دکن تہذیب اور مقامی عناصر کی خوب عکاس کی ہے ۔ چرندوں ، پرندوں ، پھل اور پھول کے لیے بے شمار نام گنوائے ہیں ۔ حسن و حبال کی رنگینیاں ، تزئین و _{آرا}ئش محفل ، عمار تول کی شان ، کھانوں کی قسمیں ، لباس اور زبور ، موسموں کے مناظر ، شاہی آداب ، عوامی تهذیب ، شهزادے اور شهزادیوں ، امراء اور وزیروں کی فنون لطیفہ سے دلچسپیاں ، شجاعت کے کارنامے اور فنون سیر گری کے نمونے خوب پیش کیے ہیں ۔ قطب مشتری میں دیو الائی حکایات اور اسلامی عناصر ایک دوسرے کے ساتھ کے جلے نظر آتے ہیں یہ تشبہہ اور استعارے زیادہ تر دبوبالا سے لیے گئے ہیں ۔ عام شنوبوں کی طرح قطب مشر ی می بھی مافوق الفطرت عناصر کی تہیں ۔ دکن کی اکثر متنویاں یا توفارس سے ترجمہ کی گئ بس یا سنسکرت یا عربی ہے ۔ کیکن قطب مشتری کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ وہ ایک طبزاد متنوی ہے۔

االا ، میں محمد قلی قطب شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بھتیجا اور داباد محمد قطب شاہ تخت نشین ہوا۔ ۱۹۲۵ ، میں محمد قطب شاہ کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے عبداللہ قطب شاہ نے حکومت کی باگ دور سنجمالی ۔ عبداللہ قطب شاہ بڑا علم دوست بادشاہ تھا ۔ نود مجمی شاعر تھا ۔ ایران کے بڑے بڑے علماء عبداللہ قطب شاہ کے دربار سے وابسۃ تھے ۔ وہمی کے علاوہ ایران کے بڑے بڑے علماء عبداللہ قطب شاہ کے دربار سے وابسۃ تھے ۔ وہمی کے علاوہ دکنی کے نامور شاعر عواصی، ابن نشاطی ، جندی ، طبعت واد حضرت شاہ راجو حسینی اسی کے عمد میں فار سخن اور شعر گوئی میں مصروف تھے ۔ عوصی نے اس عمد میں تین شویاں سیف عمد میں فار سخن اور شعر گوئی میں مصروف تھے ۔ عوصی نے اس عمد میں تین شویاں سیف الملوک و بدیج الحبال عواصی کی پہلی الملوک و بدیج الحبال عواصی کی پہلی مشوی سے ۔ یہ شنوی عواصی نے محمد قطب شاہ کے آخر زبانے میں لکھی تھی اس کے انتقال مشوی سے ۔ یہ شنوی عواصی نے محمد قطب شاہ کے آخر زبانے میں لکھی تھی اس کے انتقال

کے بعد تھوڑے سے ردو بدل سے اسے عبداللہ قطب شاہ کی خدمت میں پیش کیا ۔ خواصی عبداللہ قطب شاہ کی خدمت میں پیش کیا ۔ خواصی عبداللہ قطب شاہ نے اس کی عبداللہ قطب شاہ نے اس کی شاعرانہ صلاحتیوں سے متاثر ہوکر اور خواصی کی درخواست پر اسے مہرہ سے ہٹادیا اور دربار میں جگہ دی ۔ آگے چل کر ملک الشعراء کا خطاب عطاء کیا اور ملک خوشنود کے ساتھ ہ ۱۹۳۹ء میں گوکنڈہ کاسفیر بناکر بجائور روانہ کیا ۔ وہاں اس کی بڑی آؤ بھگت ہوئی ۔ اس کی مثنوی سیف الملوک و بدیع المبال نے بجائور کے شاعروں کو متاثر کیا ۔ یہ مثنوی ہوتی ۔ اس کی مثنوی سیف الملوک و بدیع المبال نے بجائور کے شاعروں کو متاثر کیا ۔ یہ مثنوی ہوتی ۔ ۱۹۳۵ء میں مکمل ہوئی ۔ خواصی کھتا ہے :

برس ميك مزار بور ﷺ بيس ميں كيا ختم يو نظم دن تيس مي یہ متنوی الف لیل سے ماخوذ ہے ۔ اس میں مصر کے شمزادے سیف الملوك اور جنول کی شِهزادی بدیع المبال کے حسن و عشق کی داستان ہے ۔میر سعادت علی رصنوی لکھتے ہیں کہ عبِید اورنگ زیب میں مرزا بدیج اصفیانی نے شمشیرخال کی فرمائش براس قصد کو فارس میں نظم کرکے "گلدست عشِق " نام رکھا تھا۔ سیف الملوک کا ایک نٹری ترجمہ نجم الدین احمد نجم نے دلی سے ۱۸۹۲ء میں شاکع کیا تھا۔ عواصی نے اس شنوی کے فارم اور اسلوب میں ورجی کی قطب مشری کی پیروی کی ہے ۔ سیف الملوک میں مظر نگاری کے زیادہ مواقع تھے ۔ اس کیے وہ بیال وجی سے آگے نکل گیا ہے ۔ سرایے اور جذبات نگاری میں بھی کمال دکھایا ہے ۔ وجتی نے جذبات نگاری میں حقیقت کی عکاس کی ہے ۔ عواصی نے مبالعہ سے کام لیا ہے ۔ سرایا نگاری میں وجمی نے تفصیل سے کام لیا ہے جبکہ عواصی نے اختصار کو مدنظر رکھا ہے ۔عواصی نے جن اراکشس اور دلووں کی تصویریں اس انداز سے تھینی ہیں کہ جسم میں ایک سنسنی می دوڑ جاتی ہے۔ دکنی اور اردو کی دیگر داستانوں کی طرح مافوق الفطرت عناصر اس مثنوی میں کچھ زیادہ ہی پائے جاتے ہیں ۔ عواصی نے اس منوی میں رزم و بزم دونوں موقعوں کی اچھی عکاس کی ہے ، جس سے پت چلتاہے کہ اسے رزمیہ اور بزمیہ شاعری میں مہارت اور کمال حاصل تھا۔ نصرتی نے اپنے اس

كمال فن كے اظہار كے ليے گلش عشق اور على نامه سے كام ليا تھا تو عواصى نے اس ايك می متنوی س این دونوں جوہر دکھادیے ہیں۔ "سیف الملوک "سی دکنی تہذیب کی بھی اس طرح تصوری کفی کی گئی ہے جس طرح د کن کی دیگر شونوں میں کی گئی ہے ۔ شاعر نے نادر تشبیہوں اور اچھوتی ترکیبوں کا استعمال کرکے این قادرالکلای کا ثبوت دیا ہے۔ شہبال اور دریائے قلزم کے بادشاہ کی لڑائی کے منظر میں اس نے نئی اور اچھوتی تشبیبیٹی استعمال کی ہیں:

جو دريا نبو ہو ببلنے لگيا گن اس نو کشتی ہو چلنے لگيا سرال تیرتے لبو کے سدور تے جو دستے اتھے میر کیڑے دور تے دھڑان سب نیٹ موج کے لوٹ سار تھے گئینے لگلتے نہرگاں کے سار ایسا نہیں ہے کہ اس نے صرف فارسی اور عربی کے الفاظ سے اپنے اسلوب کو سنوارا ہے بلکہ سنسکرت کے بھی سیل اور عام فم الفاظ کو سیف الملوک و بدیج الجبال میں جگہ

دی ہے ۔ خواصی کی تینول مٹنویوں میں سیف الملوک کو زبان و بیان اور فن کے اعتبار سے فوقیت حاصل ہے ۔

عواصی کی دوسری مثنوی " بینا ستونتی " ہے ۔ اس کا قصہ اور هی میں منظوم چندائن سے ماخوذ ہے جو بہت مقبول قصد رہا ہے ۔ میاں سادھن نے اسے " میناست " کے نام سے لکھا ہے۔ بنگال میں دولت قاصی نے " ستی مینا و لور چند رانی " کے نام سے اور فارسی میں تمدیں نے "عصمت نامہ" کے نام سے لکھا ہے ۔ غواصی نے اپنی شنوی کو فارسی سے ماخوذ بتایا ہے کین شاعرکے کمال فن کی ہدولت یہ شنوی اپنے آندر ایک انفرادی طبعزاد شان بھی رکھتی ہے۔شاعر

رسالہ اتھا فارسی تو اول کیا نظم دکنی شتے سے بدل اس کا قصہ بہت دلیس ہے ۔ اس میں ہندوستانی عورت کی عظمت ، وفاداری اور عفت مائی کی عکاسی کی گئی ہے ۔ قصہ کا ربط و تسلسل مثنوی کی شان ہے ۔ حالانکہ در میان میں کچھ اور قصے آتے ہیں جنھیں دوتی ساتی ہے یا سنالیکن یہ قصے مثنوی میں جذب ہوگئے ہیں ۔ انھیں علاصہ توکیا جاسکتا ہے لیکن مثنوی کی دلچپی کو برقرار نہیں دکھا جاسکتا ہے اس مثنوی کے دو اہم کردار ہیں اور دونوں بھی عورت کے ہیں ' مینا عفت اور وفاکی نمائندہ ہے ۔ تو دوتی کر و فریب اور حرص و ہواکی تصویر ہے ۔ میناکی ثابت قدمی ، دوتی کے کر کو چلنے نہیں دیتی ۔ آخر خرکی فتح ہوتی ہے اور شرکو سزا ملتی ہے ۔ 'دوتی اور مینا کے جاندار مکالمے اس مثنوی کی جان ہیں ۔ ہوتی ہے اور شرک مین سناستونی کی جان ہیں ۔ مثنوی میں تشہیم استعارے ، صرب الامثال ، کہاوتیں ، دوزمرہ اور محاوروں کا خزانہ ہے ۔ اس مثنوی میں تشہیم میں نبیا ستونی کے انداز فکر اور طرز زندگی کے مطالعہ میں مینا ستونی کے بری در ملتی ہے ۔

طوطی نامہ ، سیف الملوک کے حودہ سال بعد یعنی ۱۹۳۹ء میں لکھا گیا۔ اِس تاریخ کا پته غواصی کے اِس شعرسے چلتا ہے :

برس بک ہزار ہور چالیس پر نو ہوئے تھے بو موتیاں پرویا ہوں میں اس کا قصہ صنیا، الدین نختبی کے طوطی نامہ (فارس) سے ماخوذ ہے ۔ شاعر خود کہتا ہے : ہوئے حضرت نختبی مج مدد دیا میں اسے تو رواج اس سنک صنیا، الدین نختبی کا طوطی نامہ خود بھی سنسکرت کا فارسی ترجمہ ہے جس میں طوطے کی اس کی ہوئی سرتمانیاں ہیں ۔ نختبی نے ان میں سے باون کہانیاں لی ہیں اور خواص نے پینالیس کہانیاں دو بدل کے ساتھ طوطی نامہ میں نظم کی ہیں ۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد حدر بخش حدید کے ملاحل کی فرائش پر ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۹ء میں طوطی نامہ (فارس) کو طوطا کمانی کے نام سے اردو میں کھا ہے ۔

طوطی نامہ میں عواصی کی زبان سیف الملوک اور مینا ستونتی کے مقابلہ میں فارسی سے متاثر معلوم ہوتی ہے ۔ سیف الملوک میں عواصی نے جزئیات نگاری کے جوہر دکھائے ہیں تو اس مثنوی میں اختصار کو ملحوظ رکھاہے ۔ لفظوں کی تراش خراش ، بیان کی روانی اور زبان کی سادگ عواصی کی اس شنوی میں منذکرہ دونول شنوبوں سے کہیں زیادہ ہے ۔ زبان و بیان کی پکٹگی کے اعتبارے یہ شنوی سب سے آگے ہے ۔ اس کا خود شاعر کو بھی احساس ہے :

کھیائے سخن سنج صاحب تمیز بھپن کے سوہے عصر کا توں عزیز تری طبع پر صد ہزار مرحبا سچا توں ہے منظور آل عبا اس وقت تک غواصی کی شہرت دکن سے نکل کر شمال ہند تک مینچ حکی تھی چنانچہ میر حن ایسے تذکرہ میں غواصی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :

"عواصی تخلص ، دروقت جهانگیر بادشاه بود ، طوطی نامه ، نخشبی دا نظم نموده است به زبان قدیم نصف فارس ، نصف بندی بطور کی کمانی ، سرسری دیده بودم ، شعر آن نظم یاد نیست . "

قطب شاہی دور کی ایک اہم شنوی " پھولین " ہے جو ۱۹۹۱ ھ / ۱۹۵۵ء میں لکھی گئی۔ اس شنوی کا شاعر شیخ محمد مظهرالدین شیخ فخرالدین ابن نشاطی دراصل ایک اچھا اِنشاء پرداز تھا۔ شاعر

چاہاتھا کہ لوگ بہ حیثیت شاعر بھی اس کالوہا مانیں۔ اس لیے اس نے یہ مثنوی کھی۔ کہتا ہے!

ا ہے انشا نو مرا میں دائیم طبیعت کوں میری ہے حظ ملائم سے میں کوں میرا طبع ہونا گر س اک دکھایا ہوں نمونہ

پھولىن فارسى كى ايك حكايت "بساتىن الانس " كا ترجم ہے ،

بچن کے باغ کی لے باغبانی بساتین کی کئ سو ترجانی یہ نتین کی کئ سو ترجانی یہ نتوی بھی عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں لکھی گئے۔ اس کاستہ تصنیف ۱۹۹۱ء میں اور باتی بھولین میں قصہ در قصہ شوی آگے بڑھتی ہے ۔ اس میں تین قصے اصلی ہیں اور باتی دیلی کہانیاں ہیں ۔ یہ شنوی ۱۸۳۱ء اشعار پر مشتمل ہے ، یہ شنوی درباری سرپرستی سے دور رہ کر کھی گئی ہے اس کا اسلوب نہایت روال دوال اور بحر مرتنم ہے (مفاعیلن مفاعیلن فعولن بحر مہرخ مسدس محذوف الاخر) شاعر نے جونکہ اسینے کمال فن کے اظہار کے لیے شنوی لکھی تھی اس

ے مثنوی میں تمام ادبی خوبیوں کو بھی سمونے کی کوششش کی ہے ۔منظر نگاری ،جذبات ، ادر سرایے میں شاعر نے نادر تشبیات استعمال کی ہیں ۔ مرقع نگاری میں چھول بن کو ا متباز حاصل ہے۔ منٹولوں اور داستانوں کی مقبولیت کا اہم عنصر یہ بے ساختہ مرقع تھی بن نشاطی دربار سے وابستہ نہیں تھا۔اسے عوامی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملاتھا . ہشاہیِ اور عوامی ماحول کی کامیاب تر جمانی کرنا نظر آتا ہے ۔ حباں سمن کے جزریے کے ا نقشہ کھینچا ہے وہاں قطب شاہی محلات کی تصویریں ہانکھوں کے سلمنے مچر جاتی ہیں ۔ ے پر اس کی نظر برسی گہری ہے ۔ ابن نشاطی نے اس عشقیہ مثنوی کو صرف تفنن طبع کا ذریعہ بنایا بلکہ اس میں پند و حکمت حبانبانی اور حبانداری کی بھی تعلیم دی ہے ۔ پند و نصیحت کی ہی کو دور کرنے کے لیے وہ صرب الامثال بھاونوں اور محاوروں کے برمحل استعمال سے ں شکر گھول دیتا ہے۔ تشبیہ اور استعاروں کی ابن نشاطی کے پاس کمی نہیں۔ بنیادی طور ۔ وہ ایک انشاء برداز تھا ، اس لیے تشبہہ کے انتخاب اور استعمال میں اس کا قلم دوسروں قلطے میں تین رہے!

. بوں پھول میں لالے کے کالے جوا جوں نول کے پیالے میں گھالے دسیا اس میں لگے جیوں مثک کالا باون کلی کا ہوکو لالا

عبد عبدالله قطب شاہ میں لکھی جانے والى تمام منوبوں میں " محولين "سب سے زيادہ ، انداز میں لکھی گئ ہے ۔ اس کے باوجود زمانے نے ان نشاطی کی قدر ویسی نہیں کی جس متق تھا۔ اس کا شاعر کو شدت سے احساس ہے ، کہتا ہے ،

زمانہ ناسمجہ کر قدر میرا جھیایا ہے دلی سوں صدر میرا

احمد جندی کی ماہ پیکر " بھی عبداللہ قطب شاہ کے دورِ حکومت کی ایک اہم منتوی یہ شوی دسویں محرم ۱۰۹۲ ھ کو مکمل ہوئی ۔ اس شوی کا بیرو پیکر کے اور بیرو تن کا ای ت سے جندی نے اس منوی کا نام ماہ پیگر رکھا ہے ۔ دو مزار سات سو پینٹیس اشعار کی وی کا قصہ اکبرا ہے ۔ قطب شاہی عہد کی دیگر متنوبوں کے برخلاف یہ ترجمہ نہیں بلکہ طبعزاد

مننوی ہے ۔ جس کا قصہ بڑا دلچسپ ہے جس میں تدبذب ، تفویش اور تجسس کوٹ کوٹ کر بھرا ہے ۔ ایک عشقیہ مننوی ہونے کے باوجود اس کا ماحول مذہبی ہے ۔ منظر کشی جذبات نگاری اور جزئیات کی پیش کشی میں شاعر کو کمال حاصل ہے ۔ پیکر کے فراق میں ماہ کی بے قراری کے اظہار کے لیے احمد جندی نے بورا ایک باب لکھ دیا ہے ۔شاعر کی منظر نگاری کا کمال ، باغ کی آرائش ، زیب و زینت کے بیان میں نظر آنا ہے ۔ منظر نگاری ہوکہ جذبات نگاری ، شاعر نے جزئیات پر بوری توجہ کی ہے ۔ جس کی وجہ سے متنوی طویل معلوم ہوتی ہے ۔ اس کے باوجود قاری کی دلچین بر قرار رہتی ہے ۔ احمد جندی نے بہت سارے پھل اور پھولول کے اليے نام گنوائے بيں جن سے ہندوستان كى مئ كى بو آتى ہے ۔ جيسے اناد ، انجير ، جامن ، آم ، اخروت، نارنگی ، بادام _ پھولوں میں بنفشہ ، لالہ ، سوس ، چنبیلی ، چنیا ، بٹ موگرا ، سیوتی ، دونا ، كول ، سنب رئس ، جوئى (جويى) وغيره ـ احمد جندي نے دكني تهذيب كے مختلف بهلوؤل كى عکاسی میر خاص توجہ صرف کی ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کامقصد اولین میں تھا کہ وہ اپنے دور کے شادی بیاہ کے رسم و رواج ، زلورات ، لباس ، سجاوٹ و آرائش ، آو بھگت ، خاطر تواضع، جش ،رقص و موسیقی ، فرش و فرنیچر مختصر یه که مکان و محلات کی سجاوٹ کو بے نکلف قلمنبد کردے ۔ زبان کی صفائی اور بیان کی روانی بے مثال ہے ۔ تشبیبات سے زیادہ استعاروں سے کام لیا ہے، جس سے معنی آفرین اور تاثیر بڑھ جاتی ہے ۔ تشبیات اور استعارات میں حبال اسلامی علائم سے کام لیا ہے وہیں ہندوستانی عناصرسے تھی مدد لی ہے ۔مثلا:

کہ یا زلف ناگن کونڈل گھال کر کہ بنتھ ہے جوں جھاڑ گل لالہ پر کہ پتھے ہے وال کہ بنتھے ہے وال کہ پتسلیاں کی ہے راوت اس کے میاں کہ سوکھے کٹاری لے بنتھے ہے وال کہ یا اوس عصا ناگ تیوں پٹیاں بھن پسار کرکر یال جھایاں جول جسیا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ اس متنوی کی فضا پر اسلامی رنگ جھایا ہوا ہے یہ پہلی عشقیہ شنوی ہے جس پر تقدس اور پاکمیزگ کی فضا بھی جھائی ہوئی ہے ۔ تقدس و تقویٰ کا ماحول

پدا کرنے کے لیے شاعر نے موقع موقع سے آیات ، احادیث اور تلمیحات سے استفادہ کیا ہے ۔ پیکر اور ماہ فراق کے بعد ملتے ہیں تو فراق کی گھڑیوں کا پیکر اس طرح نقشہ کھیتیا ہے :

تیرے موں کے قبلہ سوں میخہ کام تھا تيرا ياد منج كول موں احرام تھا بور اوراد نسبیج مدام تیرے نانو کی منج اتھی صبح و شام

د کنی بلکہ اردو کی اکثر منتو بوں میں مافوق الفطرت عناصر سے حیرت ، کشمکش اور دلچین کی نصنا پیدا کی جاتی ہے ۔ ماہ پیکر میں مذتو جن ملتے ہیں ، مذیریاں ، مذ دیو ، مذسحر ، مذ

جادو اور نہ بیروک غیر معمولی طاقت ۔ یہ مثنوی اسانی اعتبار سے مجی بڑی اہمیت کی حال ہے ۔

عبداللہ قطب شاہ کے دور حکومت میں اور تھی شاعروں نے متنویاں للھیں جن میں زیادہ تر تراجم اور مذہبی مثنویاں ہیں ۔ قطب رازی نے اپنے مرشد شاہ ابوالحن کی فرائش یر حضرت لوسف شاه راجو قمال كي مشهور فارس تصنيف تحفية النصائح (١٦٥ ه / ١٣٩٢ ،) كا دكن مي منظوم ترجمه کیا ، یه ترجمه ه ۱۹۳ ء میں مکمل جوا ۔ اس بر فارس کا اثر غالب ہے ۔ اس میں ذہبی اور سماحی اقدار ۱ اوامر و نواہی جو اس زمانے میں شرفا کے گھرانوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی تفصیل ملتی ہے۔

اس دور میں منتوبوں کے علاوہ معراج نامے ، ولادت نامے ، وفات نامے ، شبادت نامے اور قلندر نامے تھی ملتے ہیں۔ ان کے لکھنے والوں میں سد بلاقی ،عبداللطیف اورشاہ معظم کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

١٩٤٧ء مين قطب شامي عبد كالتخري ماجدار عبدالله قطب شاه كا داماد الوالحن ماناشاه تخت نشین ہوا ۔ اس دور کی دستیاب شویال عبداللہ قطب شاہ اور محمد قلی قطب شاہ کے عبد کی شنوبیں کے مقلطے سبت کمزور ہیں۔ اس دور کا اہم شاعر طب عی ہے۔ جس نے ۱۹۰۰ء میں متنوی سرام و گل اندام تصنیف کی ۔ یہ شاہ سرام گور کو موضوع سخن بنانے والی تسری دکن متنوی ہے ۔ پہلی منزی امیر خسرو کی " ہشت ہیشت " کا دکنی ترجمہ " جنت سنگھار " ملک خوشنود کی

شنوی ہے ۔ دوسری امین و دولت کی ہمبرام و حن بانو " ہے ۔ یہ دونوں شنویاں عادل شاہی دور کی بین یا دوالہ کا پیر کا سہارا لیا ۔ طب عی ابوالحس تانا شاہ کا پیر بھائی تھا ۔ اس شنوی میں شاعر نے اپنے مرشد شاہ راجو حسینی اور پیر بھائی یعنی بادشاہ وقت دونوں کی مدح کی ہے ۔ اس شنوی کے (۱۳۳۰) اشعار بیں جے طب عی نے چالیس دن میں لکھ کر مکمل کیا ۔ اس شنوی کے مطالعہ ہے دکنی کے لسانی ارتقادیر روشنی بڑتی ہے ۔ زبان اور اسلوب کھلنا ہوا محسوس ہوتا ہے ۔ اس لیے یہ شنوی آج بھی با سانی بڑھی اور تھی جاسکتی ہے ۔ فارسی عربی الفاظ کا صحیح تلفظ اور صحت اللاکا خیال رکھا گیا ہے ۔ قصے میں تسلسل اور ترتیب فارسی عربی الفاظ کا صحیح تلفظ اور صحت اللاکا خیال رکھا گیا ہے ۔ قصے میں تسلسل اور ترتیب فارسی عربی الفاظ کا صحیح تلفظ اور صحت اللاکا خیال رکھا گیا ہے ۔ قصے میں تسلسل اور ترتیب

آنا شاہ کے دور کا ایک شاعر تحب بھی ہے جس نے "معجوہ فاطمہ" ایک شنوی اکھی آ اس متنوی کی زبان تھی عبداللہ قطب شاہ کے دور کی متنولوں کے مقلبے میں سبت سلیس اور ریخت کی طرف مائل ہے ۔ محب کا ہمعصر ایک عالم شاعر شیخ داؤد صنعیفی بھی تھا۔ اس نے زیادہ تر مذہبی کتابیں لکھیں ۔ اس کی متنوی ہدایات البندی ایک مذہبی متنوی ہے ۔ جس میں قرآن اور حدیث کی روشن میں تصوف کے مسائل سمجھائے گئے ہیں ۔قطب شاہی عہد کے آخری زمانے س سوک نے "جنگ نامہ محمد حنیف" کے نام سے ایک طویل شنوی لکھی۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۹۸۱ء ہے ۔ اس متنوی سے قبل خواص نے ۱۹۷۹ء میں ایک متنوی " قصہ ، حسین " لکھی اور ۔ قدرتی نے تھی اسی سال ایک طویل مثنوی قصص الانبیاء لکھی اور اولیا نے قصہ ، ابو شخمہ لکھ کر مکمل کی ۔ تقدرتی کی قصص الانبیاہ ، قطب شاہی عہد کی طویل ترین منتوی ہے ۔ جو دس ہزار اشعار رہے مشتل ہے ۔ ابوالحن ماناشاہ کے زمانے میں جو متنویاں لکھی گئ ہیں ان میں مذہبی متنویاں زیادہ ہیں ۔ عشقیہ شنوبوں میں طب میں کی مبرام و کل اندام کے بعد قائز کی شنوی رصنوان شاہ و روح افزاء (۱۹۸۶ء) ملتی ہے ۔ جس کا قصہ قدیم عشقیہ داستانوں سے ملتا جلتا ہے ۔ یہ قطب شاہی عہد کی آخری مثنوی ہے ۔ اور دکنی اردو کوریختہ سے ملانے والی پہلی مثنوی ہے ۔جس میں ریختہ کے نقوش واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ اس منتوی سے قبل تقریباتمام منتوبیل کے عنوانات دکنی یا فارسی شعر میں لکھے گئے ہیں۔ رصنوان شاہ وروح افزا میں فائز نے عنوانات اردو نٹر میں لکھے ہیں یہ اس کی جدت ہے۔ اس دور میں مذہبی منتوبیل کی کمرت سے اس حقیقت کا پنہ چلتا ہے کہ دور انتظار میں عوام کی طرح شاعر بھی زندگی سے فرار چاہتا ہے اور مذہب کے دامن میں پناہ گامیں تلاش کرتا ہے۔

قطب شاہی بادشاہوں کی طرح عادل شاہی سلاطین تھی علم و ادب کے دلدادہ تھے ۔ ان میں سے اکثر خود بھی شعر کہتے تھے ۔ اور سمی بادشاہ شاعروں و ادیوں کی دل کھول کر سرریتی مجی کرتے تھے ۔ بیجابور کی سلطنت کا بانی نوسف عادل شاہ فارس کا انھیا شاعرتھا ۔ اس کا بیٹا اسماعیل عادل شاہ بھی اینے باپ کی طرح علم و نصنل کا قدر داں تھا اور فارسی کا اچھا شاعر بھی تھا۔ وفائی تخلص کرما تھا ۔ تسیرے اور حوتھ بادشاہ ابراہیم عادل شاہ اور علی عادل شاہ تجی لینے باپ کی طرح علم و فصل کے قدر دال تھے اور فارسی کے اتھے شاعر بھی تھے۔ تبییرے اور حویتھے بادشاہ ابراہیم عادل شاہ اور علی عادل شاہ نے تھی اپنے بزرگوں کی طرح علم و سنر کی قدردانی میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھی ۔ عادل شاہ کا دربار عالموں ، شاعروں اور اہل ہنر کا مرکز تھا ۔ اسے مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ یہ دونوں بادشاہ خود شاعر نہیں تھے لیکن سخن فہی میں ان کا جواب نہیں تھا۔ علی عادل شاہ کے بعد اس کا تجتنیجا ابراہیم عادل شاہ ثانی بادشاہ ہوا اس کا سنہ جلوس بھی وہی ہے جو کولکنارہ کے بادشاہ محمد قلی قطب شاہ کا ہے یعنی میں ان عنت نشین ہوا ۔ اسے فارس سے زیادہ دکنی سے دلچیں تھی۔ اس کے علمی تجر کے پیش نظر لوگ اسے " حکت گرو " کہتے تھے۔ موسیقی اور شاعری سے بردی دلچینی تھی ۔ اس کا ثبوت اس کی تصنیف " کتاب نورس " سے مل

" جگت گرو " کے علمی ادبی مقام و مرتبہ کا ذکر عبدل نے " ابراہیم نامہ " میں کیا ہے۔ یہ شنوی قطب مشتری سے جھے سال قبل یعنی ۱۹۰۳ء میں لکھی گئی ۔ حمد ، نعت ، مدح یاران رسول اور تعریف حصرت کمیو در از کے بعد عبد آب بادشاہ وقت کی تعریف کرتے ہوئے شوی کی وجہ تصنیف کے سلسلے میں بتاتا ہے کہ شوی بادشاہ کی فرمائش پر ککھی گئی ہے ۔ بادشاہ جاتا تھا کہ دنیا میں نیک نامی و شہرت حاصل کرنے کے لیے دنیا میں شاعری سے مہم کوئی فن نہیں ۔ عبد کرد باد کا شاعر تھا۔ "جگت گرو" ابراہیم عادل شاہ نے اسے طلب کیا اور فرمایا!

نوی بات مضمون کر ایک کتاب یہ کو فکر گندیا ہے تس کا جواب اگر کھی رہے تو بچن شعر جان يد باقي رہے کھي تو عالم نشان رکھے ناوں عالم میں جیوتا قرار شعر شاھو کا تو سو ہے یادگار کہ جو تلکوں دنیاں رہے کر منڈان کھرے شعر تلکوں ہو عالم نشان یہ منتوی پروفسیر مسعود حسین خال نے مرتب کی ہے جسے ایجو کمیشنل بک ہاوس علی گڑھ نے ۱۹۹۹ء میں شائع کیا۔ بہ قول پروفسیر مسعود حسین خال "دراصل " ابراہیم نامه " شاہ استاد کی شان سی ایک طویل قصیدہ ہے جوبہ شکل شنوی لکھا گیا ہے [اہراہیم نامه ص ۱۵] جگت گروکی صورت و سیرت حالات و واقعات اس مثنوی کے آئینہ میں صاف نظر آتے ہیں ۔ اس مثنوی میں رزم و بزم دونوں کالطف آجاتا ہے ۔ حویکہ ابراہیم خود شعر و نغمہ کا رسیا تھا ۔ اس کیے مثنوی کا حاوی سپلو تھی بزمیہ ہی ہے ۔ ابراہیم نامہ اپنے عصر کی بہترین ترجمانی کرتا ہے ۔ شہر کی خوبصورتی ، آرائش و نیبائش قلعہ ۱س کی مضبوط فوج و لشکر ۱ عدل و اصناف ۱ بادشاہ کی ادب نوازی اور دربار کے

ادبی ماحول وغیرہ کے بارے میں لکھتا ہے : سیٹھے مجلس لوگ ہر پیک فن کھلے پھول ہر جنس دولت جین ایکس ایک تھیں خوب بدیاونت نگار ہر اک بات بوجھک سونو نو ہزار

نظر شاہ پر بھر بھنور بھول پر بھیوں کھ اوپر ملک کی امن و شانتی کا ذکر آتا ہے تو شاعر کے قلم میں روانی آجاتی ہے :

يه اس شهر ملي منين آنجو حجري سو بن ميگه دهارال يه بو کچ روي

نہ اس شہر میں کوئی دردوں ھنکار سون بلتے شبنائی نا کوئی پکار معاشر قی ، تہذیبی اور تاریخی اعتبارے اس شنوی کی بڑی اہمیت ہے ۔ اس کے مطالعہ سے عبدل کے زور قلم اور فلر کی گہرائی و گیرائی کا اندازہ ، وتا ہے ۔ جزئیات نگاری پر شاعر نے بڑا زور دیا ہے ۔ " ابراہیم نامہ " عادل شاہی دور کی پہلی ادبی شنوی ہے جس نے شنوی نگاری کے لیے ایک معیار بنایا ہے ، جس میں ادبی شان ہے ۔ عبدل ہی وہ پہلا شاعر ہے جس نے عادل شاہی شاعروں کو ہندی اور فارسی کے نوبصورت امتزاج کے امکانات کی طرف توجہ دلائی ہے ۔ اس کے بیال ہندوی تلمیجات اور صنمیات کے ساتھ عربی اور فارسی تلمیجات اور اشادات بھی ملتے ہیں ۔ جس کی وجہ سے شنوی میں دکشی پیدا ہوگئ ہے ۔ تینوں زبانوں سے اشادات بھی ملتے ہیں ۔ جس کی وجہ سے شنوی میں دکشی پیدا ہوگئ ہے ۔ زبان و بیان اور لب و الحرور استفادہ کے تیجہ میں لفظیات کے ذخیرہ میں توع پیدا ہوگیا ہے ۔ زبان و بیان اور لب و لیجہ میں ندرت پیدا ہوگئ ہے ۔ زبان و بیان اور لب و لیجہ میں ندرت پیدا ہوگئ ہے ۔

اس عبد کی پہلی عشقیہ شنوی مقیمی کی " چندر بدن و میار " ہے ۔ اس شنوی کا قصہ عجیب و غریب ہے ۔ شاہ تحلی علی تحلی نے توزک آصفیہ میں اس قصہ کا ذکر کیا ہے کہ کر نول سے تروی جاتے ہوئے انھوں نے راسۃ میں ایک قبر دیکھی جس پر پھر کے دو تعویذ بن ہوئے تھے ۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ابراہیم عادل شاہ کے زمانے میں میار نامی ایک مسلمان شخص ایک ہندو سردار کی لڑکی چندربدن پر عاشق ہوگیا تھا ۔ اس قبر میں وہ دونوں دفن ہیں ۔ سید نور اللہ مصنف ناریخ عادل شاہیہ نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے ۔ اپی نوعیت کا یہ عبد واقعہ بہت مشیور ہوا ۔ مقیمی کے بعد اکٹر شاعروں نے اسے نظم کیا ۔ حکیم محمد امین آتی اور حکیم مرزا قاسم علی بیگ اخگر نے اسے فارسی میں قلمبند کیا ہے ۔ سالا میں مشیور شاعر باقر اور حکیم مرزا قاسم علی بیگ اخگر نے اسے فارسی میں قلمبند کیا ہے ۔ سالا میں مشیور شاعر باقر ایک شاعر بابا چندہ حسینی واقف نے ۱۲۲۰ میں ایک مشوی کھی۔ بعد کے شاعروں میں بھی اس ایک شاعر بابا چندہ حسینی واقف نے ۱۲۲۰ میں ایک مشوی کھی۔ بعد کے شاعروں میں بھی اس قصہ کی نوب مقبولیت رہی ۔ چنانچ میر تقی میر نے کردیائے عشق فی شعلہ عشق اور اعجاز عشق تین تھے۔ کو بعد کے شاعروں میں بھی اس قصہ کی نوب مقبولیت رہی ۔ چنانچ میر تقی میر نے کردیائے عشق فی شعلہ عشق اور اعجاز عشق تین تو

شنویاں کھیں۔ ان شنوبوں کی قصے چندر بدن و مبیار سے بہت ملتے جلتے ہی۔ شاہ تجلی علی تجلی کے مطابق چندر بدن کا قصہ مقیمی کے عبد کا قصہ ہے ۔ اس زمانے میں غواصی سفارت پر بیابور آیا ہوا تھا۔ اس کی شنوی سیف الملوک و بدیج الحبال بیابور کے شاعروں میں ہاتھوں ہاتھ لی گئی ۔ خواصی سے متاثر ہوکر مقیمی نے اپنے عبد کے مشور قصے کو اپنی شنوی کا موضوع بنیا وہ خوداعراف کرتا ہے کہ:

تانیع عواصی کا باندیا ہوں میں سخن مخضر لیا کے ساندیا ہوں میں عنایت لو اس کی ہوئی ج ال لو یب نظم قصہ کیا سربسر عنایت لو اس کی ہوئی ج ال ۱۹۳۰ء کے درمیان مقبی نے یہ شنوی کھی۔ قصہ کی ندرت نے شنوی میں تجسس و تحیر کی فضا پیدا کردی ہے ۔ شاعر نے قصہ پر ساری توجہ صرف کی ہے ۔ اس کے باوجود مشنوی میں جذبات و احساسات کی مجربور ترجمانی اور شاعرائد تخیل کی فراوانی ہے ۔ اس کے باوجود مشنوی میں جذبات و احساسات کی مجربور ترجمانی اور شاعرائد تخیل کی فراوانی ہے ۔ صنائع و بدائع کے تکلفات کے بغیر قصہ فطری روانی کے ساتھ آگے بر مشا جاتا ہے ۔ زبان سیرھی سادی ہے ۔ تشبیبات اور استعادات مجمی آئے ہیں ۔ مثلا دو شعر ملاحظہ ہوں جن میں مہیار چندر بدن سے اپنا حال دل سناتا ہے :

دلوانہ ہوں تیرا ، دلوانے کے تئیں اپس تے مذکر دور جانے کے تئیں سوتج بن مجے کوئی ہونا نہیں کہ بن جل مجھی کا سو جینا نہیں مقیمی نے ماریخ کے اہم کرداروں سے تشبیہ کا کام لیا ہے جس سے بیان میں دلکشی

اور اظہار میں وسعت کا احساس ہوتا ہے ۔ چند شعر دیکھیے :

سہیں جگ میں تج کوں نو حوسارگ سو اوس تے بڑا توں مہاجت ہے او بیٹی مجے دے کے بیٹا بولے سکندر کا ہے تخت تیرا مقام

ہے دنیا میں خوش تیری اوبارگ پراپکار جوں بکرماجیت ہے سو رنباوتی کونچ توں داں دے توں ایسا حبائگیر اے نیک نام سونج پر غلامی تھی ثابت ہوئی ۔ تو سلطان میرا سچا غزنوی

چندر بدن و مہیار میں فارسی اسلوب کی آمیزش صاف دکھائی دیتی ہے۔ تقریبا ہر شعر میں فارسی اور عربی الفاظ صرور ملتے ہیں۔ اس اعتبار سے چندر بدن کا اسلوب گوکنڈہ کے اسلوب سے قریب تر ہوگیا ہے۔ آگے چل کر بھی اسلوب بیجابور کے کم و بیش سجی شاعروں کے پاس ملتا ہے۔ اسی زمانے میں محمد بن احمد عاجز نے دو شویاں لکھس :

عَاجِز شِیْ احمد گراتی کا بیٹا تھاجے دوق سخن درخ میں ملاتھا۔ شیخ احمد گراتی نے بھی دو مشوعات پر طبح مشویاں بوسف زلیخا اور لیلی مجنوں لکھی تھیں۔ عاجز نے بھی ان بی دونوں موضوعات پر طبح آذبائی کی تھی۔ اس نے ۱۹۳۳ء میں بوسف زلیخا کھی اور اس کے دو سال بعد لیلی مجنوں (۱۹۳۹ء) لکھی ۔ لیلی مجنوں کی بنیاد ہاتھی کی فارسی مثنوی پر کھی گئ ہے ۔ عاجز کی یہ دونوں مثنویاں فن نقط نظر سے کوئی خاص اہمیت نہیں دھیتی ۔ لیکن بچالوری اسلوب کے بدلتے ہوئے رجحان کی صرور نمائندگی کرتی ہیں۔ اس عبد میں ۔ فارسی الفاظ ، مرکبات ، محاورے ، تشبیہ اور استعارے فارسی سے بہت قریب ہوگئے ہیں۔ اس عبد کی دیگر مثنویوں کی طرح عاجز کی یہ دونوں مثنویاں اپنے عمد کی تہذیب ومعاشرت کی نمائندگی کرتی ہیں۔ منظر کی دیگر مثنویوں کی طرح عاجز کی یہ دونوں مثنویاں اپنے عمد کی تہذیب ومعاشرت کی نمائندگی کرتی ہیں۔ منظر کی دیگر مثنویوں کی طرح عاجز کے بیال ملتے ہیں۔

کمال خال رستی کا خاور نامہ طوالت کے اعتبارے ایک اہم کارنامہ ہے۔ یہ شنوی چوبیس ہزار اشعار پر مشتل ہے۔ خاور نامہ کا قصہ ابن حسام نے ۱۳۰۰ء میں شاہنامہ فردوی کی اتباع میں لکھا تھا۔ تقریبا بولے دوسو سال بعد ۱۹۳۰ء میں رستی نے خاور نامہ کا دکن میں ترجمہ کیا۔ یہ ادبی کام ملکہ خدیجہ سلطان کی فرائش پر شاعر نے دیرچہ سال کے عرصہ میں انجام دیار جس کے صلہ میں ملکہ نے اسے انعام و اکرام سے نوازا۔ خاور نامہ کا قصہ داستان امیر محزہ سے مانا جاتا ہوا ہے۔ اس کامرکزی کردار حضرت علی ہیں۔ یہ ایک رزمیہ مثنوی ہے جس پر بذہبی رنگ جھایا ہوا ہے۔ اس کامرکزی کردار حضرت علی ہیں۔ یہ ایک رزمیہ خزبات و احساسات کا بیان آتا ہے شاعر ہے۔ شوی کا ابتدائی حصہ پابند ترجمہ ہے۔ جباں کہیں جذبات و احساسات کا بیان آتا ہے شاعر جسے میٹ کر شاعرانہ رو میں بہنے لگتا ہے۔ بھر بھی بیانی شاعر کا تخیل اپن جولانیاں دکھانا

ہے۔ طویل شنوی ہونے کے باوجود خاور نامہ کے زبان و بیان میں دلکشی ہے ۔ ربط و تسلسل کو استے وسیح کینوس پر بھی شاعر نے برقرار رکھا ہے ۔ اس طویل ترین شنوی میں رزم و برم ، تہذیب و معاشرت منظر نگاری و جذبات نگاری عقائد و مراسم کے کئی مقالت آگئے بیں ۔ جس کے بیان کرنے کے لئے شاعر کے میال ذخیرہ الفاظ کے بیش مباسرمایہ کی صرورت ہوتی ہے ۔ خاور نامہ میں عربی اور خاص طور پر فارسی الفاظ ، محاور ہے ، تراکیب ، تملیحات کا بہت بڑا سرایہ مل جاتا ہے ۔ اس زبانی کو دیکھتے ہوئے اس زبانی کو دیکھتے ہوئے ۔

صَعتی کو بھی خیال آیا کہ دنیا میں نام باتی رکھنے کے لیے کوئی کارنامہ انجام دینا چاہیے: اگر تج تے کچ نا رہے یادگار تو جینا نہ جینا ترا ایک سار

اس نے ۱۹۳۵ء میں "قصہ ، بے نظیر " لکھا جس میں حضرت تمیم انصاری صحابی ر سول کے عجیب و غریب واقعات لکھے ۔ صنعتی کا کمال یہ ہے کہ اس نے فرصی اور خیال واقعات کو اپنے حسن بیان اور زور کلام سے صداقت کا رنگ دے دیا ہے ۔ یہ شنوی (۴۰۵) اشعار ر مشتل ہے ۔ منتوی کا آغاز برے ڈرامائی انداز میں ہوتا ہے ۔ جس میں قصہ در قصد کی تکنیک اختیار کی گئی ہے ۔ جہاں اس متنوی میں ماریخ اسلام کی جلیل القدر شخصیتوں کے کردار ملتے بیں ۔ وہیں افوق الفطرت عناصر سے تھی مدد لی گئی ہے ۔ فنی اعتبار سے یہ مثنوی بڑی اہمیت ر کھتے ہے ۔شاعر نے سومے سمجھ منصوب کے تحت پلاٹ کی تعمیر کی ہے ۔ ڈرامے کے اہم اجزا کشکش اور تجسس کو آخر تک بر قرار رکھا ہے ۔ اس منوی کے مطالعے سے پتہ چاتا ہے کہ شاعر کو عربی فارسی رہ بھی قدرت حاصل ہے ۔ آہے اندازہ بھی ہوگیا تھا کہ دکنی کے شاعر فارسی اور خاص طور ریر عرفی الفاظ رو صحیح تلفظ اور املا کے ساتھ استعمال نہیں کرتے '۔ قصہ بے نظیر میں صنعتی نے عربی الفاظ کا صحیح تلفظ اور املا اختیار کیا ہے ۔ شاعر نے اپنے عالمانہ تفکر سے اور ادبانہ پیشکشی سے صف منوی کے وقار کو بلند کیا ہے۔

ملك خوشنود ، ضريجه سلطان كے جسير مي كولكناه سے بيالور آيا تھا ۔ اپن ذاتى قابليت

اور شاعرانه کمال سے سلطان محمد عادل شاہ کا قرب اور اعتماد حاصل کرلیا تھا۔ ایک مو قعر پر محمد عادل شاہ نے اسے اپنا سفیر بناکر گولکنڈہ بھی بھیجا۔ ملک خوشنود ایک برگو اور صاحب کمال شاعر تھا۔ منزی بشت ہشبت مصرت امیر خسروکی منزوی کا دکنی ترجمہ ہے ۔ یہ ترجمہ سلطان محمد عادل شاہ کی فرائش میر ۱۹۴۰ء میں مکمل کیا گیا۔ ملک خوشنود نے اس منتوی کا نام "جنت سنگھار "رکھاہے یہ امولک کے بدل جیوں زرنگار ہے جم اس کا ناؤں سو جنت سنگھار ہے ابنداء میں شاعر نے امیر خسروکی شنوی کا شعربہ شعر ترجمہ کیا ہے۔ آگے چل کر جب شاعرانہ فکر جوش من آتی ہے تو ترجمہ آزاد ہوجاتا ہے ۔ ابتدائی حصے حمد ، نعت اور منقبت میں بھی شاعر امیر خسرو کا پابند نہیں رہا ۔ قصے میں کسی حد تک پابندی کی ہے ۔ اس شنوی کا مرکزی کردار شاہ برام ہے ۔ حویکہ یہ ترجمہ ہے اس لیے قصے کی ذمہ داری شاعر بر نہیں آسکتی ۔ جال شاعر لفظی ترجمہ سے بتنا ہے ، وہاں شاعر کا اپنا لب و لجہ صاف نظر آنا ہے ۔ ملک خوشنود اصل میں گولکنڈہ کا باشندہ تھا اور ایسے زمانے میں اس نے یہ مثنوی لکمی جب کہ بیجالور کے شاعر مجی گولکنڈہ کے اسلوب سے متاثر ہوگئے تھے ۔ ملک خوشنود نے گولکنڈہ کے اسلوب کی مہنرین نمائدگی کی ہے ۔ شاعر کو خود مجی اندازہ ہوگیا تھا کہ اس نے متنوی میں نور تن جردیے ہیں۔ اس

جکوی سمجھا اوسے سب نور تن ہے

بندے خشنود کا نادر بچن ہے

شاہ برام گور کو موصوع سخن بناکر تقریبا اس زمانہ میں امین نے بھی ایک مثنوی مبرام و حن بانو کھی ہے ۔ یہ شوی امین مکمل نہ کرسکا ۔ اس کی وفات کے بعد دولت نے اس کی تکمل کی ۔ مقبی کے مجتدر بدن سے متاثر ہوکر امین نے مبرام و حسن بانو لکھیٰ شروع کی تھی ۔ یکایک میرے دل میں آیا خیال تصدیک کھوں میں مقیمی مثال تواس نے ایک عشقیہ تصد قلمبند کیاجس میں رزم و بزم کی مختلف کیفیات کی ترجانی

کی گئے ہے۔ اس کا قصد دلچپ اور رنگین ہے۔ یہ شنوی بھی فارسی اسلوب سے قریب ہے۔

(مور فتح نامہ نظام شاہ 'حس شوتی کی ایک رزمیہ شنوی ہے۔ ہو فتح تالیکوٹ (۲۵ ۔ ۱۹۹۳ء)

کے موقع پر تصنیف ہوئی ہے۔ اس شنوی میں حسین نظام شاہ کو ایک فارشح کی حیثیت سے پیش کیا

گیا ہے ۔ فتح نامہ میں فن حرب و صرب کے بارے میں جبت سی معلومات اکٹھا کر دی گئی ہیں۔

یہ شنوی ایک تاریخی شنوی ہے ۔ اس شنوی سے حس شورتی کی قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔

حس شوتی کی دوسری شنوی ہے ۔ اس شنوی سے جو سلطان محمد عادل شاہ کی شادی کے موقع پر لکھی

گئی اس شنوی میں اس دور کے سماجی اور تہذیبی نقوش انجر کر سلمنے آتے ہیں۔

عادل شاہی دور کے سمزی زمانہ میں نصرتی جیسے باہر رزم و بزم شاعر نے تین متنویاں عادل شاہی دور کے ہمخری زمانہ میں تصرفی جیسے ماہر رزم و بزم شاعر کے کتین مستویاں کھیں ۔ گکش عشکؓ نصرتی کی پہلی منتوی ہے یہ ۱۹۵۰ء میں لکھی گئی ۔ اس سے پہلے یہ قصہ شخ منجن نے ہندی میں کنور و مدالت کے نام سے لکھا ہے ۔ اسی قصے کو گلش عشق سے تین سال پہلے ۱۹۵۳ء میں عاقل خال رازی عالمگیری نے مبرو ماہ کے نام سے قلمبند کیا۔ اس سے بیہ پنہ چلتا ہے کہ اس متوی کا قصہ اس زانے میں مقبول خاص و عام رہا ہے ۔ نصرتی نے اس قصہ می چندر سنن اور چنیاوتی کے قصے کا اصافہ کرکے مگش عشق میں جدت پداکی ۔ کہانی بڑی دلچیپ ہے جس میں قدیم داستانوں کے تمام لوازم سے استفادہ کیا گیا ہے ۔ مناظر قدرت کی تصویر کشی اور جذبات کی عکاس برخی مبارت سے کی گئی ہے ۔ باع کی زیبائش، جہن بندی اور ان کی خوب صورتی کی بات تقریبا ہرار دو شوی میں نظر آتی ہے ۔ نصرتی نے اس باع کا جومنظر کھینیا ہے وہ سبسے زیادہ تفصیلی اور انوکھاہے ۔ انوکھا اس اعتبارے کہ اس میں شاعر نے کئ قسم کے پھولوں بھلوں اور برندول کے نام گوائے ہیں۔ یہ سب کے سب مقامی بین لیکن متنوی کاسب سے اہم وصف قصہ کا ربط و تسلسل ہے ۔ اس ربط و تسلسل کا جادو ہے کہ قصہ کے دوران جب غیر مرئی واقعات پیش آتے ہیں یا جن و ربوں کا ذکر آنا ہے تو قاری کو اچنجا نہیں ہوتا ۔ وہ مجی تھے کے ساتھ ساتھ رہتا ہے ۔ عواصی سے متاثر ہوکر بیجابور کے شاعروں نے فارسی اسلوب و

آبنگ سے اپنے کلام کو سنوارا ہے ۔ ایسی ہی کلمیاب کوشش گلٹن عشق کی ہمی کی گئی ہے۔ نصر بھی کی گئی ہے۔ نصر بھی ہے۔ نصر بھی ہے کا م

دگر شعر بندی کے بعضے ہمز نسکتے میں لیا فارسی سوں سنور فساحت میں کر فارسی خوش کلام دھرے فرہندی بھی اس پر مدام میں اس دونوں ملا میں اس دونوں ملا میں اس دونوں ملا دونوں ملا دونوں ملا دونوں مارسی شعر دال جوہندی سے بی کمیں دل سوہاں فسرتی نے خوب صورت تراکیب ، تشبیہ ، استعاروں ، ضرب الامثال اور کہاوتوں سے نصرتی نے خوب صورت تراکیب ، تشبیہ ، استعاروں ، ضرب الامثال اور کہاوتوں سے

مجی کام لیاہے:

نصرتی کی رزمیہ منتوی "علی نامہ " ہے جیے اس نے دکن کا شاہنامہ کہا ہے ' کتا ہوں سخن مختصر بے گماں کے لیے شاہ نامہ دکھن کا ہے جبال

نصرتی نے اسے بھی علی عادل شاہ کے عید میں ۱۹۹۵ ، میں لکھا اس منوی میں علی عادل شاہ تانی شاہی کی جنگی مہمات کو موصنوع سخن بنایا گیا ہے اور اسی مناسجت سے اس کا نام "علی نامہ " ملی امہ " ملی عادل شاہ کا عبد ۱۹۵۹ ، سے شروع ہوکر ۱۹۷۲ ، پر ختم ہوتا ہے ۔ علی نامہ میں اس عبد کے ابتدائی دس سال کی تاریخ نظم ہے ۔ اس منتوی میں علی عادل شاہ اور اس کے سی سالار خواص خال کی مرہموں سے لڑائی کے مرقعے پیش کے بیں ۔ علی نامہ کے بارے میں سال کی مرہموں سے لڑائی کے مرقعے پیش کے بیں ۔ علی نامہ کے بارے میں

سپر سالا وائی عان ق مزون سرف را سے من سے است میں ہے ۔ نصرتی لکھتا ہے کہ یہ صرف رزمیہ منتوی نہیں بلکہ بزمیہ بھی ہے :

نشیمن ہے ہر ہزمیہ دل نشیں سرنگ صدر ہر رزمیہ ہے یقیں نسرتی ہے ہیں۔ اس متنوی میں شاعر نے نصرتی نے اس متنوی میں سات تصدیہ بھی لکھے ہیں۔ اس متنوی میں شاعر نے نصاحت و بلاغت کے جوہر دکھائے ہیں۔ اسلوب کے اعتبار سے عربی اور فارسی کے الفاظ کرڑت سے استعمال کمی سنسکرت کے تت سم لفظوں کا بھی استعمال ملتاہے۔

نصرتی نے اس منتوی میں منظر ننگاری کا بھی کمال دکھایا ہے ۔میدان جنگ کے مناظر

میں جراءت و شجاعت، غیض و غضب کی اچی عکاسی کی ہے۔ کردار نگاری کے مجی اس شوی میں جراءت و شجاعت، غیض و غضب کی اچی عکاسی کی ہے۔ کردار نگاری کے مجی اس شوی میں اھی نامہ میں تشبیعات اور استعادوں کے نئے نئے جوہر نظر آتے ہیں۔
نصرتی کی آخری شوکی ناریخ اسکندری ، سکندر عادل شاہ کے عبد میں لکھی گئی تاریخی شنوی ہے۔ اس شنوی میں سکندر عادل شاہ کی فوجی مبہات کا تذکرہ ہے یہ شنوی فنی اور ادبی دونوں اعتبار سے اس پائے کی نہیں جس پالے کی گشن عشق اور علی نامہ ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نصرتی بوڑھا ہوچلا ہے۔ اب اس میں وہ جوش و ولولہ نہیں جو سلطان علی عادل شاہ نانی کے زبانہ میں تھا۔

عادل شاہی اور قطب شاہی عبد میں تمام اصناف سخن کے مقابل متنوی پر زیادہ توجہ کی گئی ہیں گئی ہے ۔ اس کے بعد غزل قصیدہ مرشیہ اور رباعی کا سمرایہ ملتا ہے ۔ متنوی کی کیک رنگی میں اصناف شخن کے سب ہی رنگ لطف دے جاتے ہیں ۔ ان میں طبع زاد متنویاں بھی ہیں مخرجم بھی ۔ فادسی اور ہندی کے ادبی کارناموں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے ۔ متنویاں تراجم بوں کہ ماخوذ مواد ربین بوں ، شاعروں کے کمال فن نے ان میں اصلیت اور واقعیت (Originality) پیدا کردی ہے ۔ قطب شاہی عبد میں رزم و بزم کا توازن ملتا ہے ۔ قطب شاہی عبد کی شویاں برمیہ زیادہ ہیں رزم یہ عادل شاہی عبد میں رزم و بزم کا توازن ملتا ہے ۔ تانا شاہ کے عبد میں سوک کی ایک متنوی جنگ نامہ محمد صنیف کے لین اس میں رزم کے وہیے اعلیٰ مصنامین نہیں ملتے جیے عبدل کے ایراہیم نامہ میں حسن شوقی کے فتح نامہ نظام شاہ یا فصر تی گئی نامہ میں عبد اللہ میں اس میں سام یا کہ ایراہیم نامہ میں حسن شوقی کے فتح نامہ نظام شاہ یا فصر تی گئی نامہ میں بلے ہیں ۔

معوا کئی متنوبوں میں دکنی تہذیب اور مقامی عناصر کی عکاسی کی گئی ہے۔ قطب مشری، سیف الملوک و بدیع الحبال ، طوطی نامہ ، مینا ستونتی ، پھولین ، ماہ پیکر اور ادھر ابراہیم نامہ ، قصہ بے نظیر ، ہبرام و حسن بانو ، گلش عشق ، علی نامہ اور میزبانی نامہ ۔ ایسی متنوبال ہیں جن میں دکن کی تہذیب ، طرز معاشرت ، چرند ریند ، پھل پھول ، مناظر قدرت سمجی کو سمیٹ لیا گیا ہے ۔ دکن کی تہذیب ، طرز معاشرت ، چرند ریند ، پھل بھول ، مناظر قدرت سمجی کو سمیٹ لیا گیا ہے ۔ ان شوبوں میں شابانہ طمطراق کے ساتھ ساتھ عوامی زندگی کے دکھ سکھ کی بھی جھلک نظر آتی ہے۔

یہاں کے دیگر فنون لطیفہ کی طرح قطب شاہی اور عادل شاہی متنویاں اس امرکی گواہی دیت ہیں کہ دکئ تہذیب ہمیشہ سے قومی میکھیتی اور انسان دوستی کی مظہر رہی ہے۔

قطب شاہی عبید کے شاعروں نے اپنی شنونوں میں قدیم اساطیر، پند و نصلُ اور دلیہ الا کا ایرانی روایات اور اسلامی عناصر کے ساتھ بڑا خوبصورت امتراج پیش کیا ہے۔ جس طرح ہماری شہذیب میں اس وقت یہ دونوں شیر و شکر تھے اس طرح ادب میں بھی ان کا الوٹ اشتراک نظر آتا ہے۔

دبنتان گولکنڈہ کے مقابلہ میں دبنتان بیجابور کی متنویاں زیادہ طویل ہیں۔ جن میں قصوں پر زور دیا گیا ہے ۔ گولکنڈہ کی متنویاں فنی اعتبار سے زیادہ سلمجی ہوئی اور صاف ہیں۔ یہاں جزئیات نگاری کو برطی اہمیت دی گئی ہے ۔ اس عہد کی متنوبوں میں حقیقت نگاری کا میلان زیادہ ہے ۔ قدرتی مناظر کی عکاسی جذبات نگاری ، مشاہدات اور تجربات کے اظہار میں تصنع اور نگاف نہیں ملآ ۔ ان میں صفائی ، سادگی ، اصلیت اور دلکشی موجود ہے ۔ زبان کے برناؤ سے اور لکشی موجود ہے ۔ زبان کے برناؤ سے اور اللف نہیں ملآ ۔ ان میں صفائی ، سادگی ، اصلیت اور دلکشی موجود ہے ۔ زبان کے برناؤ سے اور نگان نہوں کہ تصدیدہ نگار ، غزل گوہوں کہ مرشید نگار بھول کہ قصدیدہ نگار ، غزل گوہوں کہ مرشید نگار اپنے نظری نسانی دھارے پر نظر آتے ہیں ۔ عربی و فارسی الفاظ کے سمجیح تلفظ اور الملکی بجائے عام بول چال کا صوتی نظام اور اسی کے مطابق آسان املا ، ان کے سمباں درئج ہے ۔ جس کی وجہ سے ان شنویوں میں بلاکی دوائی ملتی ہے ۔

قطب شاہی منٹونوں میں دیگر منٹونوں کی طرح ہندوستانی عورت کا تصور کھل کر سلمنے اسے یہ یہ عورت اردو کی عام منٹونوں کی طرح حسن کا پیکر ، شرم و حیا کی دنوی ہی نہیں بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے بڑے مرادنہ کام بھی کرجاتی ہے ۔ جیسے گلٹن عشق میں رانی ، بادشاہ کے عیاب میں حکومت کا سارا کاروبار سنبھالتی ہے ۔ منٹوی ماہ پیکر میں کاہ کسیاہ لباس زیب تن کرکے پیکر سے ملنے کے لیے تن تنہا گھوڑے پر سوار ہوکر مردانہ وار لکل پڑتی ہے ۔ مشتری کو مصوری سے دلچیں ہے ۔ فنون لطیفہ میں خواتین کی دلچیس اور مہارت کی کئی اور مثالیں بھی

مل جاتی ہیں ۔ دکنی متنوبوں میں اخلاق اور پند و نصیحت کی بھی جگہ جگہ گنجائش نکل لی گئی ہے ۔ جس سے اس عبد کے اخلاقی اقدار پر بھی روشن بڑتی ہے ۔ خدا کا خوف ، موت کا ڈر ، دنیا کے فانی ہونے کا احداس الک انسان کو انسانیت کے دائرے سے باہر ہونے نہیں دیتا۔ مافوق الفطرت كردار اور محير العقول حالات بمارى شنوبوں كا خاص وصف بيں جو دكن كى مثنوبوں مل مجى قاری کی حیرت اور دلچین کو بر قرار رکھنے میں ممد ثابت ہوتے ہیں ۔ قطب شاہی عبِد کی تمام متنویاں طربیہ بس جبکہ عادل شاہی عهد میں کم از کم ایک متنوی چندر بدن و میار ایسی مل جاتی ہے جس کا انجام المیہ ہے ۔ اس زمانہ میں دکنی زبان کے لسانی تقابلی مطالعہ اور مشترکہ تہذیب کی اعلیٰ قدروں کی بازیافت کے لیے یہ متنویاں سمت و راہ متعین کرتی ہیں۔

双

د کنی قصائد

دکن میں قصائد کا آغاز محد قلی قطب شاہ سے بوتا ہے ۔ محد قلی سے پہلے بھی ممکن ہے کچوشاعروں نے قصیدے کے ہوں ۔ جیسے شیخ احمد گجراتی کا یہ دعوی ہے کہ اس نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے ۔عید نامے اور قصیہے لکھے ہیں۔ جتنے اصناف ہوں گے شعر کیرے کہ سے کس مشکل نہیں نزدیک میرے کہیا ہو عید نامے ہور قصیرے جو ہی سب کوت مارگ میں سیرے ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے دیگر اصناف کے ساتھ قصیرے بھی کھ ہیں ۔ محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں توصیفی اور تعریفی کئی نظمیں ملتی ہیں جن ریہ قصیدے کا اطلاق ہوسکتا ہے ۔ لیے صرف بارہ (۱۲) قصیرے کلیات میں شامل ہیں ۔ ان میں سے دو تصديد ناممل بس اور ايك قصده كى صرف تشبيب ب عد ميلا النبي ير دو تصديد بي جن س سے ایک قصیرہ کے صرف دو شعر ہیں۔ "عید میلاد النبی " ربح وقصیرہ لکھا ہے وہ اٹھائیں (۲۸) اشعار پر مشتل ہے ۔ پیچیوں اور چھبیوں شعر ناکمل بیں ان کے ثانی مصرعے نہیں ہیں۔ اس تصدیہ س تثبیب نہیں ہے ۔ راست تعریف سے شروع ہوتا ہے ۔ مطلع ہے : نی مولود لیایا ہے خبرسرتے خوشی کا سدا صلواۃ مجمجوسب محد ہور علی کا لفظوں کا انتخاب ، تراکیب کی بندش ، تشبیهات اور استعادات کا استعمال عین قصید کے مزاج کے مطابق ہے مقطع میں دعا پر قصدہ ختم ہوتا ہے ۔ چند شعروں سے اس قصدے

کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے ؟

بی مولود ہے دیاچ سب مولود میانے سوب نو روز عیال میں انتداے سروری کا رہیاں ہیں انتداے سروری کا رہیاں خوراں سبہ چند ناچتیاں ہیں عرش اور کھٹے تال دھارے تال لے کر مشتری کا خوشیاں اسی مولود تھے ہوتیاں ہے ظاہر زباں قاصر ہے حضرت وسف کسے انوری کا بدل نمنے گرجنا ہے منڈل رتل رتل خوشیاں سول بدل نمنے گرجنا ہے منڈل رتل رتل رتل خوشیاں سول الاہیں مشتری ہور زہرہ سرلے پھمی کا خدایا منج سدا شادی سول رکھ حیدر کے صدقے کرو غم تھے خلاصی و دیو خرا منج خوشی کا کرو

باغ و بہار فارسی قصدوں کا ایک روایتی موضوع ہے ۔ محد قلی کے قصدوں میں بھی فصل بہار کا ذکر خاص طور پر ملتا ہے ۔ محد قلی کے بیباں " باغ محمد شاہی " کی تعریف میں ایک قصدہ ملتا ہے جس سے اس کے زمانے کے باغوں کی تزئین و آرائش کا حال معلوم ہوتا ہے ۔ محمد قلی قطبہ شاہ کا جمالیاتی ذوق بڑے اعلیٰ درجہ کا تھا ۔ اس یہ قصدہ (۱۹) اشعاد پر مشتل ہے ۔ محمد قلی قطب شاہ کا جمالیاتی ذوق بڑے اعلیٰ درجہ کا تھا ۔ اس ذوق کی تسکین ، اس نے کئی طریقوں سے کی تھی ۔ خود شہر حدر آباد کا قیام ، اس کی خوبصورت عبورت ، باغوں اور جہنوں کی زبائش سے بھی اس کے ذوق جمال کا اندازہ ہوتا ہے ۔ حدر آباد میں جہاں اب محلہ ، دارالشفا ہے وہیں باغ محمد شاہی کی تعمیر ہوئی تھی ۔ محمد قلی کو یہ باغ بہت بہند تھا ۔ اس باغ کی تزئین پر اس نے خاص توجہ کی تھی ۔ یہ قصدہ بھی راست شروع ہوتا ہے ۔ بہند تھا ۔ اس باغ کی تزئین پر اس نے خاص توجہ کی تھی ۔ یہ قصدہ بھی راست شروع ہوتا ہے ۔ بی توریح قصدے میں ایک ربط و تسلس ہے ۔ باغ کے بھی ، بھول ، سبزہ زار ، خوشبو ، خوش رنگی اور پر ندول کی خوش الحانی کے منظر کھی دیے ہیں ۔

کھجوراں کے دسے جھونکے کہ جوں مرجان کے پیجے سپاریاں لعل خوشے جوں دسیں دن ہور رین سارا

دسس ناربل کے پھل بیں زمرد مرتباناں جوں ہور اس کے تاج کول کہا ہے پیالہ کر دکھن سارا دست جامون کے مچل بن میں نیلم کے نمن سالم نظر لاگے ناتیں میویاں کوں راکھیا ہے جتن سارا صفت کرنے کول سوس بھی کھلیا ہے دس زبال اسی دکھن سب سندریاں کے نتیس کھلیا مرگس نمن سارا دیکھت رکھ مست ہو دستک بجاویں بات ہااں سوں سو ڈالیاں کُےلتے ہو متوال ہی پھول ایرہن سارا كر شبن كا مے ہے يا ادھر جل آب كا پيالا نو بی خوب ہور او بی خوب تج سول مل نون سارا امنگان آب اسكال سول الس مين آپ مل ناچين تنا كا متنن ناچيں ہوئے تن تن متنن سارا عید قربان رم محمد قلی نے دو تصدیے لکھے ہیں۔ دونوں قصدوں کی تمہید میں شاعر رتج ترنگ کے نعل تھے روشن ہوا جاں عید کا

نے عید قربان کو اپنے محبوب کا رہین منت قرار دیا ہے ۔قصیے میں دل کھول کر خوش کا اظمار کیا ہے اور عیش وطرب کی محفل سجانے ہر اصرار کیا ہے میلے قصیرے کامطلع ہے ، اس کی باساں تھے معطر ہے گلستاں عمد کا

اس قصیدے یو محد قلی کو خود بھی ناز ہے ۔ کمیا ہے ۔

اس تصدیے ہر معاتی عید ہم قربان ہے

نس کیا ہے ہج لگ بوں کوئی ڈر انشاں عید کا

زبان و بیان کے اعتبار سے پہلا قصیدہ دوسرے سے سبت آگے ہے ۔ دونول

قصائد میں عیش کے تمام سامان موجود ہیں۔

محمد قلی کی تصدیہ نگاری کا کمال اس کے قصائد نوروز و عید نوروز و عید سلطان میں نظر آتا ہے۔ جن میں اس نے تمام شاعرانہ صلاحتیوں کا استعمال کیا ہے۔ "عید نوروز و عید سلطان "کی زمین "سلطان عید کا "، "سامال عید کا "ہے۔ اس سال نوروز اور عید دونوں ایک دن آگئے تھے:

نوروز ہور روز ید صید بھائی پن ، کا مل کھے دونوں ہووے میں ایک ہور لیائے بین خوشیاں عید کا

اس قصیرے میں شاعر نے جال نوروز اور عید کی تعریف کی ہے وہال نعت شریف میں بھی کئی شعر آگئے ہیں۔ آخر میں اپنے لیے دعا اور اپنے دشمنوں کے لیے بددعا کی ہے:

حاتم کا بخشش چھپ گیا ہے تیری بخشش کے انگے گناں گھرے گر بھردیا ہے آج دوراں عید کا تجے حس جنت ہور تھے منظور نامہ لیائیا مخ دور میں بھر دلو تم جوہر و مرجال عید کا تج دولت و اقبال شاہاں میں نہ دیکھیا کوئی کہ انس و ملک منگتے سدا تج پاس داماں عید کا نو روز ہور عید کے خوشیاں کے میک چاند میں مارو رقیباں کے دلال میں زہر پیکال عید کا دندیاں کا کھ کالا کیا اسمال ہمارے دندتیں میں شہر حیواں عید کا دندیاں کا کھ کالا کیا اسمال ہمارے دندتیں عید کا عید کا دندیاں عیدیا دندیاں عیدیا دندیاں عیدیا دندیاں عیدیا دندیاں عیدیاں عیدیاں عیدیاں عیدیا دندیاں عیدیاں عیدی

قلی نے اپن شاعری کے لیے موصنوعاًت ہندوستانی ماحول سے لیے ہیں۔ صاف گوئی اور حقیت بیانی سے قصائد میں بھی کام لیا ہے ۔ عموما قصائد میں بھی مبالد ہوتا ہے لیکن محمد قلی کے بیاں بیان عشقٰ میں اور معاملات عشق میں تک مبالد نہیں ۔ جو قصائد اس نے کھے ہیں ان میں زیادہ تر مذہبی قصائد ہیں جہاں مبالعہ کی کوئی صرورت بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کے قصائد میں صداقت کا عضر غالب ہے۔ عید اور عید نوروز پر لکھے قصائد میں مقامی رسم و رواج کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک بادشاہ عوامی زندگی کے رکھ کھاؤ اور رسم و رواج سے کتنا واقف تھا۔ "نوروز " پر اس کا ایک سب سے طویل قصیرہ ہے جس میں اکیاون (اہ) شعر ہیں۔ یہ قصیرہ بھی نوروز کے دوسرے قصیدوں کی طرح حقیقت نگاری کی ہمین نمونہ ہے ۔ اس قصیدے میں قطب شاہی عمد کے معاشرے کی ایک بھلک ملتی ہے ۔ کابہ ترین نمونہ ہے ۔ اس قصیدے میں قطب شاہی عمد کے معاشرے کی ایک بھلک ملتی ہے۔ کوبہ ترین نمونہ ہے ۔ اس قصیدے میں قطب شاہی عمد کے معاشرے کی ایک بھلک ملتی ہے۔ اس قصید کے معاشرے کی ایک بھلک ملتی ہے۔ اس قصیدے میں قطب شاہی عمد کے معاشرے کی ایک بھلک ملتی ہے۔ اس قصیدے کی ایک بھلک ملتی ہے۔ اس قصیدے کوبہ ترین نمونہ ہے۔ اس قصیدے کوبہ ترین نمونہ ہے۔ اس قصیدے کوبہ تھا ہیں بھنداں سوں

ریاں حوراں مجالس دیکھنے آیا ہیں پھنداں سول دلاؤ پان پٹیاں باندے سوال ہم عید وہم نوروز لجیں شب رات آشباذی تیرے نور اوجالے تھے اوسے تعریف کرنے کال زبال ہم عید و ہم نوروز گنداے پھول یارال میں خطائی ہور اسلیم کنداے بھول یارال میں خطائی ہور اسلیم کیولارے سب خطا کے ہیں نہال ہم عید و ہم نوروز ہم خوروز ہم خوروز کم کار میں کرو منج شیں دعا دم دم دعا دم کے اثر تھے ہوں رہاں ہم عید و ہم نوروز جشن نوروز کا کلیے جش نت نت ، جش عید ہو جشن نوروز کا کلیے سوے بہی مراتب ، پاتراں ہم عید و ہم نوروز سوے بی مراتب ، پاتراں ہم عید و ہم نوروز سے بی مراتب ، پاتراں ہم عید و ہم نوروز سوے ایس مراتب ، پاتراں ہم عید و ہم نوروز سال میں مراتب ، پاتراں ہم عید و ہم نوروز سالیہ سوے بی مراتب ، پاتراں ہم عید و ہم نوروز سالیہ سالیہ سوے بی مراتب ، پاتراں ہم عید و ہم نوروز سالیہ سال

قصیدہ ہور غرل لائیا تمارے پلیشکش تائیں ہم عدد و ہم نوروز مجرو من دور میانے موتیاں ہم عدد و ہم نوروز دعا سوں ختم کر رنگیں غرل قطب زمان اب توں کریں آمین ملک ہور قدسیاں ہم عدد و ہم نوروز

بعنوان " شان علی " ایک ناقص الاول منقبتی قصید کے صرف چار شعر کلیات من شال بن ۔ ان چار اشعار من قصیدے کی بوری شان موجود ہے ۔ ملاحظہ ہو :

سب انبیاء پرور تمیں ہے اولیاء رہبر تمیں حدر تمیں ، صفر تمیں است کو ابدا یاعلی دانش تمن تمی المت کو ابدا یاعلی دانش تمن تھے ایٹیا جگ بیت تمادا دھائیا بیش تمن تھے پائیا جگ میں سو پیدا یاعلی کرتے ہیں جیواں پیاد تھے تم پر تھے رصوال آرتی زہرا سول نس دن وارتے چند سور تریا یاعلی بندا تمادا ترکمال تج داس ہے دونوں جہال بندا تمادا امن و اہال تمنا تھے قطبا یاعلی منگا سدا امن و اہال تمنا تھے قطبا یاعلی

محمد قلی قطب شاہ کے تصائد دکنی کے اولین نمونے ہیں ۔ ان میں قصیدے کے اوپرے اجزاء نہیں ہیں ۔ ایک آدھ قصیدے میں تقبیب آئی ہے ۔ وریدید بھی اس طرح کی عزلیں ہیں جیسی کئی عزلیں ایسے موقعوں پر ہمی ہیں ۔ مذکورہ بالا قصائد کو قصیدہ کھنے کی ایک وجہ تویہ ہیں جندہ شاعر نے انھیں "قصیدہ " لکھا ہے یا بھر دیگر نظموں سے ان قصائد کا ڈکٹن کچے بدلا ہوا ہے اور خاص بات یہ کہ زبان پر فارسی کا اِشمر غالب ہے ۔

عواصی دبتان گولکنڈہ میں اردو کا پہلا شاعر ہے جس نے باقاعدہ در باری قصیدے کے بیں اِس کے بیال قصیدہ نگاری کا فطری مزاج پایا جاتا ہے ۔ وہ ایک قادرالکلام شاعر ہے ۔ اس کے قصیدے زور بیان کے بہزین نمونے ہیں ۔ کلیات عواصی مرتبہ محمد بن عمر میں اکس (۱۱) قصیدے ملتے ہیں ۔ یہ قصائد بادشاہ وقت کی مدح میں ہیں ۔ عواصی عبداللہ قطب شاہ کی فوج میں بہرہ دار تھا ۔ لینے کمال فن پر عواصی نے اعتماد کرتے ہوئے ایک قصیدہ پیش کرکے بادشاہ سے درخواست کی کہ اسے بہرے داری سے معاف کردیا جائے۔

میرے تھی تیں پھرا مجھ بڑھے نیٹ دہرا منج
کر باف بو بہر مجھ جم راج کر اے راج تول
اس قصیدے پر خواصی کو نہ صرف بیرے کی ملازمت سے معانی بل گئ بلکہ اس کی
قسمت کا ستارہ بھی چک گیا۔ چند ہی سال میں وہ بادشاہ کا معتمد بن گیا۔ ۱۹۳۵ء میں عبداللہ قطب
شاہ نے اسے بچابور کے سفیر ملک نوشنود کے ہمراہ گولکنڈہ کا سفیر بنا کر روانہ کیا۔ خواصی کے
قصائد سے اس زبانے کے بعض حالات پر روشی پڑتی ہے۔ بعن کی خبر خواصی کو ہوگئ تو اس
نے بادشاہ کو صورت حال سے ایک قصیدہ میں واقف کروایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ کو
سلطنت کے سادے نشیب و فراز سے باخبررکھتاہے ت

جس كيا ہے ان كو ياد جال بو ہے وال کچ داد نيں
كوئى خلق انوتے شاد نيں جم راج كر اے راج تول
بر كام ميں كر حركتال ، بے شك وو ليتے رشوتال
بيں تو بڑے بے دولتال جم راج كر اے راج تول
يو لمحدال جب تے ليے جب تے نہيں يال کچ بلے
انتج ميں تول سج لے جم راج كر اے راج تول

بعض قصائد میں اس نے اپنے ہم عصر شاعروں کا ذکر کیا ہے۔خاص طور پر وجی کا۔ حالانکہ وجی سے اس کے اکٹر معرکے رہے ۔ وجی کے آگے محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں اس کا چراغ نہ جل سکا۔جب عبداللہ قطب شاہ کاعہد آیا اور غواصی ملک الشعرا بن گیا تو اس نے اپنے حریف کے ساتھ نہایت اعلیٰ ظرفی کامظاہر کیا۔ایک قصیدہ میں بادشاہ سے اس طرح اپنے ساتھ وجی کی بھی سفارش کرتاہے:

اس دکھن کے شاعروں میں تج شہنشاہ کے نزدیک ہے عمواصی ہور وجمی شاعر حاصر جواب

گرچہ بے سابل میں ہور مفلس لک بہتیک ولے ہے بچن ہر اک ہمارا بے بدل و کرد خوشاب عارفال بین سو کتے ہیں توں کہ آج اس دور میں -شیر ہی یو شعر کے فن میں بحق بوتراب اں صنعینی ہور پیری وقت ہر اے دستگیر مربال ہو کچ ہمن دونوں کی جمیت کے باب

عبدالله قطب شاہ نے عواصی کو "فصاحت آثار " کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔ ایک تصدیے مں شروع سے ہفرنگ غواصی نے تشکر واحسان مندی کا اظہار کیا ہے ، کہتا ہے ،

ہزاد شکر جو خوش ہوکے نیے شہہ عارف خطاب منج کو دیا ہے فصاحت آثاری

عواص نے قصیے کو اینے دور کے دوسرے شعرا کے مقابلے می زیادہ کامیاتی ے استعمال کیا ہے ۔ اس کے پیش نظر فارس کے بلندیایہ قصیرہ کو شعراء تھے ۔ اس نے

انوری ، خاقانی اور عرقی کی زمینول میں تصدیب لکھے ہیں۔ ایک قصدہ تو انوری کے مشور لاسیہ تصيده كى زمين مي لكھاہے ۔ اسى زمين ميں سودا كامشهور قصيده ہے

اٹھ گیا ہمن و دے کا چنستاں سے عمل تیخ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

محن كاكوروى كاقصيره بهي اسي زمن س

سمت کاش سے چلا جانب مقرا بادل مرت کے کاندھے پر لائی ہے صبا گاگا جل

انوری کے اس مشور قصدہ کا مطلع ہے ،

جرم خودشد حي از حوت درآيد به حل اشب روز كند اوبم شب را ارجل عواصی کا مطلع ہے 🗝

۔ دو کون کا جو ہے خالق خدائے عرو جل کیوں اس کے نانوں یہ ہردم نہ جاؤں میں بل بل

عبواصی نے اپنے قصائد کو فارسی سے ہم آہنگ کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ ایک قصیدہ ، عواصی نے عرفی کے قصیدے پر کہا ہے ۔ عرفی کا مطلع ہے ،

حبال بکشتم و دردابہ ، بیج شہر و دیار نیائتم کہ فروشند تخت در بازار عواضی کے قصیدہ کاشعرہے ''

> لو چاند ، سور ، ستارے نت اس کی خدمت میں ادب سول باندھ کھڑے ہیں صفال نیمین و یسار

اسی زمین میں سورا نے بھی قضیرہ کہاہے

سوائے خاک نہ تھیجوں گامنت دستار کہ سرگزشت لکھی ہے مری بخط غبار عواصی کے قصائد میں تصنع اور بناوٹ نہیں ہے اور نہ وہ دیگر قصیدہ نگاروں کی طرح

چاپلوسی کرتا ہے ۔ بادشاہ کے آگے وہ سچی بات کیتے ڈرتا بھی نہیں ۔ اس کے قصائد میں بلاکی روانی اور پر جنگی ہے ۔ زبان پر فارس کا غیر ضروری اثر نہیں ہے ۔ سیدھی سادی زبان ہے ۔ جس میں ہندی کے عام پند الفاظ مجی آگئے ہیں اور فارسی کے مزم و شیری الفاظ و تراکیب بھی

ہش میں ہندی نے عام پسند انفاظ بی اسے بیں اور قار ن سے ترم و سیری انفاظ در راسیب بی ملتی ہیں ۔ عبداللہ قطب شاہ کی سالگرہ کے موقع رپر ایک قصیدہ ملتا ہے ۔ ابتدائی اشعار تمہیدی ہیں۔ اس قصیدے کی زمین ہے ہزار خوشی ،کردگار خوشی ۔

۔ ان تصنیعے کارین ہو ہو ہو ہو گئی اس قصیدہ میں کتنی نعمگی اور روانی ہے : دو ایکِ شعرے اندازہ ہوجائے گا کہ اس قصیدہ میں کتنی نعمگی اور روانی ہے :

آج شہہ گھر ہے ٹھار ٹھار خوش نوش بزار نوش میں دون ہور ہزار نوش میں سکھ اس سجن کول سینے میں میں سنوار خوش میں سکھ یہ شکھ اس سجن کول سینے میں ا

نازنیناں کے بیس زلفال میں جھگ لیتی ہے تار تار خوشی

اں برس گانٹوکی طرف تھے آج سب کو بھٹایے کردگار نوشی

عواصی کے قصدول میں تشبیب ،گریز اور حن طلب و دعا کی پابندی ملتی ہے ۔حس طلب میں عواصی نے صاف گوئی سے کام لیا۔ رہے ، ہزار حیف جو تج شاہ کا ہو شاعر میں نہ پاؤں سال منے تین ہزار دو تین بار بعض وقت کسی قسم کے تعین کے بغیر ہی بڑی انکساری سے نظر کرم کاطلب گار ہے عواصی کوں جلا کہو یا کوئی برا کہو تیرا ہے داک تول نظر اس خاکسار پر قصائد کی تشبیب میں عواصی نے نعتبہ اور منقبتی مصنامین باندھ کر اپنی قادرالکلافی کا بھوت دیا ہے ۔

مدح کے میدان میں عُواصی ، نصرتی بیجانوری کی برابری کرتا ہے ۔ وہ ممدوح کے ظاہری اور باطنی دونوں اوصاف کا ذکر کرتا ہے ۔ ساتھ ساتھ مدوح کے مصن و جبال اور اس کی عیش و طرب کی محفلوں کی رنگین کیفیتوں کو بھی بڑے نمگیں انداز میں پیش کرتا ہے :

راگ رنگ ، تانال ترانے ، ناچ ہور پربند گیت

تار ہور منڈل ، دو تارے ، چنگ ہوردین رباب

اس مدن مجوگ کی دولت پائے اول رجان ہو

گرسے دایو اندرا تو نامیے کچ اس میں تاب

مداجی خواصی کے شاعرانہ مزاج میں شامل ہے ۔ وہ خود کمتیا ہے ۔

ہمیشہ تیری شا میں دین بکھیروں میں

گے قصیرہ کہوں بے نظیر گاہ غزل
دما میں غواصی کا سارا خلوص اپنے مدورے سے الڈ کر سلمنے آتا ہے۔ جس میں کوئی تصنع
یا بناوٹ نہیں معلوم ہوتی ہے۔ ہر قصیدے میں دعا کے مصنامین میں کوئی نیا پی نہیں ہے۔ فنی
اعتبار سے غواصی قطب شاہی عہد کا بے بدل قصیرہ کو شاعر ہے جس نے اجزائے قصیرہ کی
یابندی کی ۔ فارسی قصائد کو معیار نمجھا ۔ لیکن ان قسائد کے مصنامین کی نقل نہیں کی ۔ اگر وہ
فارسی تصائد سے بے سوچے سمجھے متاثر ہوتا تو اس کے قصائد فارسی کے الفاظ و تراکیب سے بھی

بوجھل ہوتے۔ اس کے برخلاف اس کے قصائد کی ذبان عمواً سادہ اور سلیں ہے۔ جوں کہ اِن قصائد میں آمد ہی آمد ہے اس لیے بے پناہ شاختگی اور روانی کا احساس ہوتا ہے ۔ عواصی کے قصائد کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس نے مرح میں توازن کو برقردا دکھا ہے ۔ بے ضرورت ممدورح کی چاپلوسی نہیں کی ۔ تعریف میں ایسے مبالد سے کام نہیں لیا ہے جو مضحکہ خیز معلوم ہو۔ قطب شاہی عبد کے شاعروں میں وَجی ، طب می اور ابن نشاطی نے بھی قصائد کھے لیکن یہ قصائد سامنابطہ نہیں ہیں بلکہ شولوں کے آغاز میں شوی نگاری کی پاسداری میں کھے گئے ہیں ۔ چند ایک قصائد الگ سے لیم بھی ہیں تو ان میں وہ آمد اور بے ساخگی نہیں جو عواصی کے جصے میں آئی ہے ۔ بہ حیثیت مجموعی گولئڑے میں قصیدے کی اتن بڑی روایت

عواصی کے حصے میں آئی ہے۔ بہ سینیت بموی تولائت ہیں تصدیب مای برق روایت نہیں ملتی جتنی بیجالور میں علی عادل شاہ شاہی اور بطور خاص نصرتی کے بال نظر آئی ہے۔

علی عادل شاہ اول کا جانشین ابراہیم عادل شاہ ثانی شاعر بھی تھا اور اہر موسیقی بھی۔

اس کے زمانے میں شاعری کے ساتھ ساتھ موسیقی کو بھی ترقی ہوئی۔ ابراہیم فارسی میں بھی شعر کہتا تھا اور دکنی میں تو اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا۔ اس کا معرکت الآرا شعری کارنامہ اس کی "کاب نورس" ہے۔ ابراہیم کے بعد محمد عادل شاہ کے زمانے میں دکنی شعر و سخن کو جو ترقی ہوئی اس کا اندازہ اس کے عہد کے کئی نامور شاعروں کے کارناموں سے ہوسکتا ہے۔ ان میں مقیمی، شوقی، اندازہ اس کے عہد کے کئی نامور شاعروں کے کارناموں سے ہوسکتا ہے۔ ان میں مقیمی، شوقی، شاہی بیجابور کا آٹھواں حکمران اعلیٰ درجہ کا شاعر اور علم و فن کاقدر دال تھا۔ نصرتی ، مرزاً اور شامی اس کے عہد کے مشہور شاعر تھے۔

(فتح نامه ببلول خال) اور علی نامه میں بادشاہ وقت کی مدح و شاکی ہے۔ قصیرہ کی ایک شکل منقب بھی ہے۔ اس کی مثالی بھی منقب بھی ہے۔ جہال بزرگان دین کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے۔ اس کی مثالیں بھی گولکنڈہ اور بچابور کے تقریباً ہرشاعرکے پاس لمتی ہیں۔

رین پر سے مریب ارت برے یا ک یا گاہ کے عبد کا مضور شاعر تھا یا کولکنڈے کی خدیجہ سلطان ملک خوشنود سلطان محمد عادل شاہ کے عبد کا مضور شاعر تھا یا کولکنڈے کی خدیجہ سلطان

ملک توشنور سلطان محمد عادل شاہ کے عمید کا محمد سلطان محمد عادل شاہ کے جہز میں بھالور آیا تھا اور اپنے حن انتظام اور شاعرانہ کمالات کی بدولت بادشاہ کے بہت قریب ہوگیا تھا۔ اس نے قصائد ، غزلیں ، مرشے اور نتنویاں کھیں ۔ اس کے قصائد ابھی تک منظر عام پر نہیں سکے لین گھوڑ ہے کی ہذمت میں جمویہ اشعار ملتے ہیں ۔ شامدیہ دکنی کی ہنی مالین میں اولین جمویہ ہے ۔ گھوڑ ہے کا نام ہادون ہے اور میں اولین جمویہ ہے ۔ گھوڑ ہے کا نام ہادون ہے اور شاعراس کی بدخصلتی کو نظم کرتا ہے ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے مالین ادب اددو میں مشامل کیا ہے۔ شاعراس کی بدخصلتی کو نظم کرتا ہے ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے مالین ادب اددو میں مشامل کیا ہے۔

[م - ٢٦] چند اشعار ذيل مين درج هيل

ہارون گھوڑا او کھن کھیکال اے کی بار کا اوس کی بری خصلت سی سینا پھوٹیا ہے سار کا رنگ میں حراقی بور ہے مول کا بڑا سرزور ہے دی چھپتا چور ہے دل جوں بجر مرداد کا خوبی نہ اوس میں باترا ، کھوٹا بورا ہے دانت را جابا چراغاں لاترا دل جوں بجر گفتاد کا مارے اگر چاہک کبل دمی کوں رکھتا ہے چگل مارے اگر چاہک کبل دمی کوں رکھتا ہے چگل خوتود توں گمیر سے ترا نہ کی تقصیر ہے خوتود توں گمیر سے ترا نہ کی تقصیر ہے کھوٹے سوں کیا تدہیر ہے نیں ہے گئہ اس ساد کا

مک خوشنود کی جویہ نظم کے مطالعہ کے بعد سودا کے قصیرہ تضحیک روزگار میں

گوڑے کی جوبے ساختہ یاد آجاتی ہے۔

احمد گراتی کے بیٹے محمد آب احمد عاجز نے اپنی متنوبوں کے علاوہ غرلیات کا دلوان اور قصائد بھی یادگار چھوڑے ہیں۔ یہ بیالود کا آخری بڑا شاعر ہے ، جس نے دکنی زبان کو اظہار کی نئی راہ مجھائی ہے ۔ ہاتھی ، علی عادل شاہ آئی کے عہد کا ممآز شاعر تھا۔ ہاتھی نے اپنی غرلوں کے اشعاد میں بعض مقابات پر اپنے قصائد مر بھی فرکا اظہار کرتا ہے ۔

غرال، قصیرے ، شویاں ، ہے جیوں میں تجہ بولنا دھرپت ، خیالاں ، تجہ اُر آنا مجھے کانے ہوس ایک اور غزل میں کہاہے '

غرال ، قصدہ ، شویاں تعریف میں دھن کے کئیج ہیں سے نس جے لگنا میں سو وو دیکھو تو ہر ہر کا بیاض

عالی عادل شاہ نانی شآہی (۱۹۵۹ء۔ ۱۹۷۲ء) قارسی اور دکنی میں شعر کہا تھا۔ شآہی نے مخلف اصناف سخن میں طبح آزمائی کی۔ اس نے تصدید ، شنویال اور عزایی بھی لکھیں اور مراثی گیت وغیرہ بھی ۔ اس کے اردو دیوان میں تجی قصیدے ملتے ہیں ۔ پہلے چار قصید حمد ، نعت ، مقبت حضرت علی اور مناقب دوازدہ امام میں لکھے گئے ہیں ۔ باتی دو قصیدول میں سے حوض و علی داد محل (یعنی قصیدہ ، تمکن محبل) کی تعریف میں ہے اور دوسرا قصیدہ چار درچار ایک داربا کی تعریف میں ہے ۔ اور دوسرا قصیدہ چار درچار ایک داربا کی تعریف میں ہے ۔

شاہی کے یہ چی قصائد فی اعتبار سے اعلی درجے کے قصائد ہیں ۔ ان میں علوے معنائی زور بیان اور شکوہ لفظی کا بڑا دخل ہے ۔ شاہی کے سیاں قصائد کے اجزائے ترکبی کا بڑا لحظ لما ہے ۔ اس کی تشبیب بڑی جاندار ہوتی ہے ۔ پہلا قصیدہ حمد میں ہے جس کی تشبیب میں اس نے عقل کی بڑائی کی ہے اور دوازدہ امام کی منقب میں جو قصیدہ ہے اس کی تشبیب میں عقل اور عشق کے موضوع پر اظہار خیال کیا عشق کو سراہا ہے ۔ نصرتی نے بھی گھٹن عشق میں عقل اور عشق کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے ۔ نعنیہ قصیدے کی تشبیب بہاریہ ہے ۔ شاعر نے مناظر قدرت کی منظر کئی اور فطرت نگاری

کا کمال دکھایا ہے ۔ حمدیہ قصیدہ میں ستانس (۲۰) اشعار ہیں ۔ اس قصیدہ کا اختتام مناجات بر ہوتا ہے موسید حضرت امام حسن ، و امام حسن ، شاعر الله تعالى سے كرم كاطالب بوتا ہے ع ناکه کرم تج به ہوئے بہر حسین و حن شاتمی عاشق آما بول مناجات کچ کار جاں کے سگل فکرتے ہادی اٹھے سائیں کرے لو بہ جب دور ہوجاوے محن سابہ کرم کا دیکھا ذوق سوں رکھ مج بدن ہو وہ افسوس کے تعج تے محفوظ دھر جیتے جہاں کے شہاں روز کریں تج سرن سائس سیاہے مھس سواتھے ہے سی دوسرا قصیدہ نعتیہ ہے جس کے پہاں (٥٠) اشعار ہیں ۔ یہ بہاریہ قصیدہ ہے ۔ اس قصدہ میں شاعرنے ہبار کی تشبیب باندھ کر عشق رسول کے اظہار کے لیے پاکمزہ اور خوش گوار ماحول پیدا کردیا ہے ۔ یہ سبار عین مقامی ہے جس ر بیرونی دنیا کا کوئی اثر نہیں ریا ہے ۔ چند منتب اشعارے شاعر کی تشبیب اور تشبیب بہاریہ کے ماحول کا اندازہ ہوتا ہے ، دیکھو نوروز چنی تو سارستال دیکھایا ہے برک بن پھل و بھولال میں بوپن کے بت کھلایا ہے اران صندل شفق کال سے منگاوے جش کے کارن ۔ گلاں میں تو مھنور دہتے مشک پیالے تجرایا ہے پنگھی خوش منز ہو سارے آیس میں اپ لگے گانے میوراں ناچتے ٹھارے بدل مردنگ بجایا ہے الدک جل تھل تجرے حوصال نہیں ہے جانو مجموعی رہ چندر کا مگ دکھانے منتش منزج ارسیاں منگایا ہے اب شاعر کو ہبار کے منظرے مدح خیرالمرسلین بر آنا تھا یعنی زمین سے آسمان پر اڑنا تھا ، یہ برامشکل مرحلہ تھا اس موقع پر شاعر نے بہت نوبصورت گریز سے کام لیا ہے ، وو بولیا باغ مالی سوں بڑا ہے نانوں سو کس کا كا وو ام احمد كا جنے دين آپ نيايا

حمد و نعت کے بعد تعیرا قصیہ منقبت حضرت علیٰ میں ہے اس کے پیاں شعر ہیں اس کی تشبیب خمریہ ہے ،

ارے کلال مجھ کوں پیالا پلا میاکا تامست ہوکہ دیکھوں کڑا علیٰ پیا کا پیو جو کاگسائیں پیوسوں برت لگائیں پینا شراب پیومل پانی ارت پیا کا

گریز کے بعد منقبت حضرت علی میں شاعر نے اپنا کمال دکھایا ہے۔ یہاں عربی اور فارسی الفاظ کا استعمال شاعر کے لیے آسان تھا کین اس نے مشکل کام یہ کیا کہ ہندی کے آسان اور میرل الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جس میں عشق و محبت کی چاشی ہے جو وہ عشق ہو تقدس ماب عشق ہے جس میں والہانہ عقدیت ہے۔ حضرت علی کی تعریف میں آپ کی شجاعت کا پہلوکسی طرح نظر انداز نہیں ہوسکتا۔ دوشعروں میں شآہی نے آپ کے اس وصف کو اجا کر کردیا ہے۔ یہ تجھلک تھیں بجلی چھے گئن میں شمشیر زن متھیں ہے سرداد اصفیا کا

م ج چ کی مسلک عیں بھی چسپے من میں مسیر رن یں ہے سردار اسٹ ہ مردار اسٹ م م ج شیخ شیخ سیز آگئیں اوسان سب بسریا پانی گیا ہے مکھ تھیں چت چھول میڑیا کا م میٹر مدر حساط میں دوارکوں کے ذائے کہ یقیس میں کس کی دوارکا اس

ت آخر میں مذحن طلب ہے مذدعا کول کہ شاعر کو یقین ہے کہ آپ کی " دیا " کا اس کے سر پر سایہ قائم و دائم ہے *

شآبی ہوا ہے عاشق سن نانوں مرتفئی کا سلیہ اور کے کا ہے تس سیس پر دیا کا چوتھا قصیدہ دوازدہ امام علیہ السلام کی منقبت میں ہے ۔ اس کے (۱۵) شعر ہیں ۔ اس کی تشبیب کا ذکر اوپر آچکا ہے ۔ پانحوال قصیدہ حوض و علی داد محل کی تعریف میں ہے ۔ اس قصدیہ المدیہ اللہ کے اللہ علامی اور نصون کی اس خواصی اور نصون کا قصیدہ ہے ۔ بعد کے شاعروں میں سودا اور محسن کا کوروی کے بھی قصائد اس زمین میں المحتی کی تو تین و آرائش پر المتے ہیں ۔ شابی نے ۱۹۹۹ ہیں علی داد محل تعمیر کروایا تھا جس میں باغ کی تو تین و آرائش پر برای توجہ کی تھی۔ حوض کی تعریف میں وہ خود کہ تا ہے ۔

دے ج نین میں اس حوض بے چندنا نو تجیل دھریا ہے جاند نیں جیوں ٹیک اپس کے اگل

مدن کی مانی ارت کول پاتی فہم قراری ہوا اوسے جب سینے کے درجگ منیں جتن سول رکھی رتن کر برم ہمارا سکھی سول بولی پیا بلانا مندر میں میرے مندر سنوارو کدم و کسیر مشک ملاکر انگن پہ سارا سٹو چھویارا

یہ ساری تشبیب حن کی تعریف میں ہے۔ " پھر سودھن امولی " کی شخصی تعریف کی گئی ہے۔ اظہار عشق کی سادگی اور ناز حن کی کیفیت کو صرف اس ایک شعر میں بھی پیش کردیتا تو کانی تھا۔ کتنی سادگی اور کسیں بے ساختگی ہے محدیکھیے :

زیک جاکر کھیا سودھن سول کرم ہمن رپرکرو پیاری سن سخن جب اوٹھی زنگ کر کِمی کروں گی ایتا پکارا

شاہی کے تصدول میں غلو نہیں ہے۔ اسے اس کی ضرورت بھی نہیں تھی ہذات و کسی سے انعام لینا تھاند اعزاز نہ جاگیر نہ ظلمت جو تصدیب اس نے اظہار بندگی اور عقدت و محبت میں لکھے ہیں ان میں اس کا دلی خلوص کوٹ کوٹ کر بجرا ہے۔ علی داد محل اور چار درچار کا تعلق اس کے اپنے جذبات سے ہے راس لیے ان تمام قصائد میں روحانی اور جذباتی رشتہ ہے۔ اس چیز نے اس کو اپنے قصیدول میں تصنع اور مبالعہ آرائی سے محفوظ رکھا ہے۔ اس وابنگی کی وجہ سے اس کے قصائد میں بلند آہنگی ، مثان اور اظہار جذبات جیسے محاس بیدا ہوگئے ہیں۔ بیجابور کے شاعروں میں سوائے نصرتی کے شاہی کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکا۔ نصرتی ، شاہی کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ نصرتی نے اپنے حالات زندگی پر اپنی متوبوں میں بوری تفصیل سے روشی ڈال ہے۔ نصرتی کے سوا دکنی کے کسی اور شاعر نے اپنی سوائے کی بردی تفصیل سے روشی ڈال ہے۔ نصرتی کے سوا دکنی کے کسی اور شاعر نے اپنی سوائے کی طرف اس قدر توجہ نہیں کی ورنہ دکنی ادب کی نارنج کے مبت سے گوشے اور شعراء کے سوائی ناممل اور تشد نہ رہ جھی نویرش کی پرورش اور تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی۔ متخب اساتدہ کی نگرانی میں اعلی اضوں نے نصرتی کی بیت سے گوشے اساتدہ کی نگرانی میں اعلی اضوں نے نصرتی کی پرورش اور تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی۔ متخب اساتدہ کی نگرانی میں اعلی اضوں نے نصرتی کی پرورش اور تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی۔ متخب اساتدہ کی نگرانی میں اعلی

تعلیم دلوائی ۔ نصرتی اپنے والد کے ساتھ دربار میں اکثر آتا جاتا رہتا تھا ۔ علی عادل شاہ ثانی کی شہزادگی میں اس کا مصاحب مقرر ہوا اور جب علی عادل شاہ حکومت کی باک دور سنبھال تو اس نے نصرتی کو ملک اِلشعرء کے عہدے اور خطاب سے سرفراز کیا ۔

نصرتی نے جملہ بارہ قصائد کے ہیں۔ علی نامہ میں اس کے قصائد اپنے نقطہ ، عروج کو مین گئے ہیں۔ یہ وہ قصائد اپنے اور مین آبان کے ہیں تصائد کے معیاد پر لکھے گئے ہیں اور ان کے مقابل دکھے جاسکتے ہیں۔ علی نامہ میں سات قصیدے شامل ہیں ان کے علاوہ پانچ اور قصیدے مین اپنے مخالفوں اور حاسدوں کی جو کی قصیدے میں اپنے مخالفوں اور حاسدوں کی جو کی جو کی ہے۔ جس کے چند شعریہ ہیں۔

سخن ور کا سخن کچھ ہور بچن کچھ ہرزہ گویاں کے مقولہ خام طفلاں کا نہ کئیں مرداں ہراہر ہے ہرزہ آخیاں کا نہ کئیں مرداں ہراہر ہے ہزر مند انج سول دائم عداوت دل کی سر ہر ہے کہوانا کھ سول شاعر کچ ہے فن سول شعر کہنا کچ ہے دن سول شعر کہنا کچ ہے واوال جابت کیا گریک پیٹک تس ازیر ہے ہو لذت دل نے سمجمی سوکھنے نیں بات سول آتی ہندگ دل کی اس جاگہ ذبال میں کال میسر ہے نہ آدے علم بڑنے تھے غبی کول کچ ہز مندی سکے کال دوڑ تازی کی جو کم ذات اصل میں غربے نیا سکے کال دوڑ تازی کی جو کم ذات اصل میں غربے

نصرتی کے زمانے میں سیای انتخار و بدنظمی شروع ہو کی تھی ۔ایک طرف سے مظلیہ سلطنت کا استبداد اور دوسری طرف سے شواجی کے جلے دکن سلطنتوں کو کمزور کررہے تھے ۔ نصرتی نے لینے قصیدوں میں اس زمانے کی تاریخ بجی قلم بند کردی ہے ۔ تاریخ اور شعر کا اتنا خوبصورت اور استوار رشتہ اردو قصیدوں میں اور کہیں نہیں ملیا۔

شواجی کے مقابل صلابت خال کی غداری نے بیجالور کو سبت کرور کردیا تھا لیکن بادشاہ اور اس کی فوج کی طاقت کے آگے شیواجی تک نہ سکا۔ راہ فرار اختیار ک * ۱۹۴ء مبرع قلعہ بنالہ بادشاہ کے تیصنے میں مگیا۔ اس فنخ کے موقع پر نصرتی نے علی نامہ میں ایک شان دار قصیرہ کھا ہے ۔ بیجابور فوج کے دلیرانہ کارناموں کو سراہاہے ۔ یہ قصیرہ (۱۵۵) اشعار پر مشتل ہے۔اس مس تشبیب نہیں ہے ۔قصیرہ راست علی عادل شاہ ثافی کی مدح سے شروع ہوتا ہے نوشعرکے بعد مطلع ثانی ہے ۔ سیس سے نصرتی گریز کرکے شوای کی مذمت شروع کرتا ہے ۔ شواحی حونکہ خود نصرتی کے مرتی جمعن اور بادشاہ وقت کا حریف تھا۔ اس کیے نصرتی نے جبابِ مجی شوای کا ذکر آیا ہے ، نفرت انگیز الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس قصیرے کامطلع ہے ، جب تے جھلک دیکھیا ادک سورج تری تروار کا ت تے لگیا تھر کاننے ہو ٹیر عرق یکبار کا مطلع ثانی میں شواجی کا ذکر جس طرح کرتا ہے اس کاصرف ایک نمونہ پیش ہے ۔ روبہ تے کم ن شیر نر کھاوی دغا تس مکر میں دل کا تو گیرڈ نے کیا ین نسل ہے کفار کا این فوج کے سیابیوں کی جانبازی کو اس طرح سراہا ہے ۔ جب یا علیٰ کی بانک سوں گھوڑے اچائے جول سوں بر دل کا بت خانه دُهلیا بر کافر فجار کا کورگل کھنا کھن سوز دھر سوراں کے بوں بجنے لگے

علی نامہ کے تمام قصائد میں محاکات اور رزم کی تمام کیفیات کی تفصیل سے عکاسی کی ہے۔ رزمیہ شاعری میں ہتھیار کا کس کس طرح استعمال ہوا ہے ، یہ امر بھی اہمیت رکھتا ہے ۔ نصرتی نے جنگ میں کھڑگ۔ (تلوار) گرز ،گوپن اور تیروں سے زخمی اور ہلاک ہونے والوں کے حال زارکی تصویر کس طرح تھینی ہے ۔ ملاحظہ ہون

زہرا کا زہرا گل رھیا آواز سن جھنکار کا

ہر گھٹ میں دل کا دھاک سوں رہی تھی رکت کی کیج ہو ہر رو ک کے گل تے تھا عیاں فوارہ لہو کی دھار کا چکتیاں سرال کیاں تیرتے دستیاں کنول کے پھول سیاں پنجہ جھڑیا سو ڈنڈ تھا ہرنس ، ڈنڈل کے سار کا لھو میں رنگ جا سب کنکر یاقوت رہنے ہو رہے جوں ماکیاں دسنے لگے رنگیں ہو حورا گار کا جوں کاری کے سار کا دیا کہ دیا گیا ہے دیا گیا ہے دیا گار کا دیا کہ دی

بونی بیری میں جاکر گر جوانی میں چڑے
انیڑے نہ وو بی عمر لگ تس پر تیاس کیبار کا
اسی قصیدہ میں نصرتی نے یہ اعزاف کیا ہے کہ شاہ کا شاگردہ به اسیوٹ ہنر مندی کے فن کہتے قصیدہ ہوئے عیاں
کرنا ہے ٹھارے ٹھار ادا کیوں لازمہ اشعار کا
استاد عالم کا جو میں شاگرد تھا کر کمزین
بولیا ہون جیوں تیوں بڑی میری سکت مقدار کا

عادل شاہوں کے تدبر ، شجاعت ، ملک و دولت ، جنگ و آلات ِ حرب اور فتوحات بھر مغلوں اور

مرہٹوں کی چالباز ایوں اور ناکامیوں کی وہ واردات اور تفصیلات، قصائد میں قلمبند کردی ہیں جو تاریخ کی کابوں میں نہیں ملتی ۔ نصرتی نے ان تمام باتوں کو قلمبند کرنے میں اپنونشاعرانہ کالات کا کمل استعمال کیا ہے ۔ اس کی جولائی طبع نے میدان جنگ میں سپر سالاروں اور سپاہیوں کی جوانمردی ، ببادری اور جال سپاری کو اس طرح گرفت میں لیا ہے جیسے شاعر خود جنگ میں شریک رہا ہو ۔ فتح ملنار کے قصدے کو ان می تمام خصوصیات کی بنا رہ خود شاعر نے سریک رہا ہو ۔ فتح ملنار کے قصدے کو ان می تمام خصوصیات کی بنا رہ خود شاعر نے

"بے بدل" قصیرہ کہا ہے '' سنو کی فتح کا شہہ کے قصیرہ بے بدل یارو

کہ ہر بک مختر مضمون دھرے معنی مطول کا اس قصدہ میں بھی شاعر نے دوسرا مقطع کہا ہے ۔ تشبیب اس قصدہ میں بھی نہیں

ہے۔ راست بادشاہ کی تعریف سے قصیدہ شروع ہوتا ہے ''

ہوا ہے کون عالم کے شہاں میں شہ ترے بل کا سچاتوں ناؤں کاری ہے وصی، شاہ مرسل کا دوسرا مقطلع ہماریہ ہے جس میں کسی باغ کی تعریف میں ۲۹ شعر کیے ہمیں ۔ گریز اس ہے۔

طرح کرتاہے ک

نت اس آراگه میانے ہوا تھا شاہ کا گمنا گمت جس دیک دنیا کول لگے کی دھیان بلبل کا

تزئین وآرائش ، باغ کی تعریف دکن کے شاعروں کا جیسا خاص موصنوع رہا ہے اس کے باندھنے میں بھی انھوں نے ویہ بی شاعرانہ جتن کیے ہیں ۔ خوبصورت و نادر تشبیبات اور صنائع بدائع سے اپنے کلام کو سنوارا ہے ۔ اس قصیدہ میں حالات و آلات جنگ ، دشمنول کی پہائی ، فتح اور بادشاہ کی سرشاری کی کامیاب منظر نگاری کی ہے ۔ مقطع کے بعد اور دعا سے پہلے ساعر نے اس قصیدہ کی خوبیوں پر خودروشی ڈالی ہے ۔ صرف ایک شعردیکھیے میں شاعر نے اس قصیدہ کی خوبیوں پر خودروشی ڈالی ہے ۔ صرف ایک شعردیکھیے میں شاعر نے اپنے اس قصیدہ کی خوبیوں پر خودروشی ڈالی ہے ۔ صرف ایک شعردیکھیے میں ساعر نے اپنے اس قصیدہ کی خوبیوں پر خودروشی ڈالی ہے ۔ صرف ایک شعردیکھیے میں ساعر کی سے ایک ساعر کی ہے۔

مری بخت آزمانی شه یو شعر ایسا لکھیا ہوں میں نظر تیری و طالع منج غرض کیا عرض اطول کا

نصرتی کے قصائد میں منظر نگاری کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔ اس کارایک مختر سا قصیدہ نصل زمستان کی تعریف میں منظر نگاری کے بہترین کا یہ قصیدہ سعدی کے بہ مسائد کے مقابل رکھا جاسکتا ہے ۔ ان قصائد میں تخیل کی بلندی ، تراکیب کی شان و شوکت اور حقیقت نگاری کو مقائی رنگ نے چارچاند لگادیے ہیں۔

نصرتی مدصرف اعلیٰ پایہ کا شاعرتھا بلکہ اس کا تاریخی شعور بھی بڑا پختہ اور تیزتھا۔ تاریخ میں عموماً تہذیب عصر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے عصر کی تبذیب کے ایک ایک پہلو پر گہری نظر دھتا ہے۔ نصرتی کا ایک قصیدہ " مجلس عاشورہ " کی تعریف میں ملتا ہے ۔ اس قصیدہ ہے اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ اس زبانے میں محرم کس کس طرح منایا جاتا تھا ۔ حکمران طبقہ اور رعایا دونوں کتنی دلچپی لیتے تھے ۔ مجلسیں کہاں اور کس طرح منعقد ہوتی تھیں۔ مرشیہ خوانی کے کیا آداب تھے ۔ علم نکالنے میں کن باتوں کا لحاظ رکھا جاتا تھا اور کون کون سے رسم اس وقت ادا کیے جاتے تھے ۔ علم برداد علم اٹھائے آگ میں سے گزر جاتا تھا ۔ یہ دسم آج بھی دکن میں دائج ہے ۔ بات میں کہ بارے میں لکھتا ہے کہ ماتم دار آگ میں سے اس طرح گزرجاتے تھے جیسے کوئی سے نال مائی " سے گزرتا ہو"

ماتم میں جلتیاں کوں جنم بھرتیں علاوہ ہر گھرمی تھا لال ماٹی تے بی کم کھندلات تیز الگار کا

نصرتی کا یہ قسیدہ اس زمانے کے ندہی اور سماجی تصورات کا آئینہ دار ہے۔ قصیدے کے ابتدائی جصے میں حمد نعت اور منقبت ہے۔ پھر شہادت حسینی کا ذکر ہے۔ اس قصیدے سے اس بات کا بھی پہ چلتا ہے کہ نصرتی نے شہادت کے بیان میں اپنی قادرالکلائی کی بدولت صنمیات اور اساطیرے استفادہ کیا ہے۔ نصرتی کا ایک نعتیہ قصیدہ معراج نبوی کے کی بدولت صنمیات اور اساطیرے استفادہ کیا ہے۔ نصرتی کا ایک نعتیہ قصیدہ معراج نبوی کے

بیان میں ہے۔ دکن میں کئ معراج نامے لکھے گئے بیں اور کئ تصائد معراج نبوی صلعم پر ملتے بیں لیکن نصرتی کا وہ یہ قصدہ ہے جمعے مولوی عبدالحق نے چرخیات ، میں رکھا ہے اس قصدیت کے تمہیدی اشعاد فلکیات سے متعلق ہیں۔

ہ ہے۔ ایک ہجویہ کا ذکر نصرتی اردو کا پہلا شاعر ہے ۔ جس نے ہجویہ قصائد بھی کیے بیں ۔ ایک ہجویہ کا ذکر پہلے آچکا ہے ۔ اپنے محمیہ قصائد میں مجمی اس نے بادشاہ کے مخالفین اور حریفوں کی ہجو کی ہے جن میں وہ رکیک الفاظ بھی استعمال کرنے سے نہیں توکیا ۔

نصرتی کے قصدے مربوط اور مسلس ہیں۔ بعض قصدے خاصے طویل ہیں۔ جیسے ملا کی فتح پر اس نے (۲۲۰) شعر کا قصدہ کھا ہے ۔ کمال میہ ہے کہ تسلسل اور ربط کہیں ٹوٹنے مہیں پائی جاتی ہے ۔ مہیں پائی جاتی ہے ۔

ا میں بیان عام طور پر الفاظ کا برجہ اللہ کی متنولوں میں زبان عام طور پر سادہ اور سلیس ہے لیکن قصائد میں اس نے پر شکوہ الفاظ کا انتخاب کیا ہے ۔ بندی الفاظ اور تلمیحات کے ساتھ عربی اور فارسی الفاظ کا برجہ اور برمحل استعمال کیا ہے ۔ ایک قصیدے کے صرف دومشعر رفی کے اندازہ بوسکتا ہے کہ الفاظ کی نشست سے وہ کس طرح کام لیتا ہے ۔ مسلم و م

صاحب میں وہرسف ن بردبر بیاہ محبت ہے۔ برصنف سخن میں وہ اس کے ذکر اور نصرف سخن میں وہ اس کے ذکر اور نصرف کو لینے ممدورے سے بے بناہ محبت ہے۔ برصنف سخن میں وہ اس کے ذکر اور اس کی تعریف کا کوئی نہ کوئی موقع نکال ہی لیتا ہے۔ "قصیدہ عاشور " کے بیان میں مدح شاہی کا کوئی موقع نہیں تھا۔ اپنے عجز سخن کا اظہار کرتے ہوئے اس کی سخن فہمی اور سخن سنجی کو اسی طرح نمایال کیا ہے۔ "

ہدیہ سخن کا نیک و بد لیا یا ہوں کمبر کوں جھانپ میں مربی سے تجرم کھولوں نکو سربوش عیب اظہار کا تج سلمنے کیا کرسکے کوئی لاف جوں موتی انگے کوئی نکو سے دانت جول مارے سو دم انگار کا

نصرتی نے این شونوں ، عزل اور قصیہ میں اپنا ایک امتیازی مقام بنایا ہے۔ دکی قسائد کو تو اس نے فارسی قسائد کے ہم یلہ بنا کم ان کا وقار بلند کردیا ہے۔ یہاں اس نے دیگر اصناف ے زیادہ این جولانی دکھائی ہے ۔ زیان و بیان بر اس کی قدرت کھل کر سلمنے آتی ہے ۔ اس کے فکر کی مرائی و میرائی اجاحی بھیرتی ہے ۔ صنائع اور بدائع ، اس کے اشعار س بیروں ک طرح جراع ہوئے ہیں ۔ الفاظ مینے اس کے سلف باتھ باندھے کھرے ہیں ۔ ان تمام اوساف کی وجہ سے اس کے تصائد میں دریا کی می روانی آگئ ہے جو مشکل سے مشکل موضوع کو رواں دواں اور مرغم بنادی ہے ۔ اس لیے اس کے قسائد ، دکنی کے شابکار قصائد شمار ہوتے ہیں۔ عادل شاہی دور کے ایک بزرگ شاعر حصرت امین الدین علی اعلیٰ (۱۰۰۷ ۔ ۱۱۱۱ هـ) ایک صوفی باصفا اور اعلیٰ درجہ کے نثر نگا مرتھی تھے۔ ان کے والد حضرت بربان الدین جانم کا انتقال ، اه من موا حضرت امن اس سال پدا ہوئے ۔ حضرت امن الدین نے لینے والد کی مرح میں ایک قصیدہ لکھا ہے ۔ قصیدہ میں حصرت جانم کے روحانی کمالات ، فیوض باطنی کے حال و مقام کی تعریف و توصیف کی جے ۔ اس قصدہ میں کوئی فنی یا ادبی خوبی نظر سیس آتی ۔ اس کے دو شعر سال صرف اس لیے فقل کے جاتے ہیں کہ یہ وہ سلا تسدہ ہے جس می عقیدت می ہے اور رشة كى جذباتيت مجى

> تن کفش جل صدقہ کروں احسان مقابل مجی ضی منج تھا ہے کچ اگل دحروں بربان بن میرال اپ

یقین ہے تھے کول کہ گریہ تصدہ درنگیں سنیں تو وجد کریں انوری و خاقانی کھا ہوں دل کول قبل کے یہ مصرع عربی کی ایک تصدہ بیاضی بودید دلوانی

لکھا ہوں دل کوں قبل کے یہ مصرع عربی کے ہیں ۔ یہ قصائد ذہبی نوعیت کے ہیں ان میں ایک حد اور نعت کے علاوہ حضرت علی کی منقبت ، ہیت الحرام کی تعریف اور پیران طریقت کی مدح ہے ۔ اس کاطویل ترین قصیدہ جو حمد میں ہے ۔ ولی نے لیخ نعتیہ قصیدے کی تشبیب میں بیس شعر کا قصیدہ بیت الحرام کی تعریف میں ہے ۔ ولی نے لیخ نعتیہ قصیدے کی تشبیب میں عشق حمیقی کا مضمون باندھا ہے ۔ قصیدہ بیت الحرام شروع سے ہم ترک تشبیب ہی پر بہن ہے اس میں شاعر نے ایک جرال نصیب عاشق کی واردات قلبی کا ذکر کیا ہے جس کے عشق میں صداقت ہے ۔ ایک قصیدہ حضرت میرال محی الدین کی مدح میں ہے اور ایک قصیدہ حضرت شاہ وجیہ الدین کی تعریف میں کھا ہے ۔ ایک میں عشقہ تشبیب باندھی ہے اور ایک قصیدہ حضرت شاہ ولی کے بیال عشق کے موضوع پر شبیبیں زیادہ لمتی ہیں ۔ ولی اور سراج عشق کے شاعر ہیں اور جس نامذ میں یہ لوگ گزرے ہیں اس سماج میں عشق بھی ایک گراں مایہ سماجی قدر تھی بلکہ اور جس نامذ میں یہ لوگ گزرے ہیں اس سماج میں عشق بھی ایک گراں مایہ سماجی قدر تھی بلکہ میر تقی میر تک بھی کہ جنھیں ان کے والد نے عشق اختیار کرنے کی تاکید کی تھی یہ جنس اپنا سکہ میر تقی میر تک بھی کہ جنھیں ان کے والد نے عشق اختیار کرنے کی تاکید کی تھی یہ جنس اپنا سکہ میر تقی میر تک بھی کہ جنھیں ان کے والد نے عشق اختیار کرنے کی تاکید کی تھی یہ جنس اپنا سکہ میر تقی میر تک بھی کہ جنھیں ان کے والد نے عشق اختیار کرنے کی تاکید کی تھی یہ جنس اپنا سکہ میر تقی میر تک بھی کہ جنھیں ان کے والد نے عشق اختیار کرنے کی تاکید کی تھی یہ جنس اپنا سکہ میر تقی میر تک بھی کہ جنھیں ان کے والد نے عشق اختیار کرنے کی تاکید کی تھی یہ جنس اپنا سکہ میر تقی میر تک بھی کہ جنھیں ان کے والد نے عشق اختیار کرنے کی تاکید کی تھی یہ جنس اپنا سکھ

جائے ہوئے تھی۔ اس لیے ول نے عشق کو ترجیج دی ۔ حضرت علی کی شان میں منقبق قصیدہ کی تشبیب میں آسمانی جورو جفا کا تذکرہ ہے ۔ اس قدسیدہ کی زمین برسی سنگلاخ ہے ۔ اس کے باوجود یہ ولی کا بڑا شاندار قصیرہ ہے ۔ اس تشبیب میں ولی نے لینے حال زار کی طرف بھی

سوائے داغ کے پایا نہیں ہوں باغ میں گل ورائے خون جگر شیں دسا مجھے گل رنگ رہے بدن یہ طنبورہ کے تارکنتی کے عصے سوں اس یہ جو آ مفلسی نے مارا چنگ موصوع خواہ کوئی ہو ولی نے تشبیب میں بڑا کمال دکھایا ہے کیکن گریز میں وہ بات پدیا نہ ہوسکی ۔ ول کے قصائد میں شاہ گلتن کی نصیحت کا اثر زیادہ نظر آنا ہے ۔ فارسی تراکیب محاور **جمن** اور تلمیحات و تشبیبات کی فراوانی ملتی ہے ۔جس کی وجہ سے قصائد میں روانی پیدا نہ ہو سکی ۔ البعة ہم یہ کہ سکتے ہی کہ ولی نے عزل اور قصیدے کے زبان و بیان کے فرق کو ملحوظ رکھا ہے۔ سرآج کا صحیم کلیات قلیل مدت کا سرمایی سخن ہے جس میں صرف ایک قصدہ ملآ

ہے۔ یہ قصیدہ سرآج نے اپنے پیرو مرشد حضرت عبدالر حمٰن چشتی کی مدح میں لکھا ہے۔ جبین

قصیدہ رہ یہ نوٹ درج ہے ۔

« قصيه ، آتش رسيه الوال دميه ، غم دميه و دل هجرال كشيه خطاب به قاصد آه

مناجات بجناب مرشدالله "

اس قصیده میں دلی وار دات اور معرفت و سلوک کی قلبی کینیات کی نشاندی کی گئی ہے۔ تمہید میں ایک بجرال نصیب عاشق کس سے مدد کا طلبگار ہے کہ "اس کے پاس کرے رسم بندى وتقديم " داخلى كيفيت اور اخلاص وصداقت كى وجه سے قصيرے مي دلكتى كے ساتھ باثر كا عنصر تھی شامل ہے ۔

دکن کے قصائد شاعری کی دیگر اصناف کی طرح ملکی اور مقافی رنگ کی عکاس کرتے ہیں۔ ان شعرا کے بیال مدح سرائی اور تعریف میں غلو یعنی مبالعہ آرائی سبت کم پائی جاتی ہے ۔

حقیقت بیانی اور واقعہ نگاری کا رنگ تھایا ہوا ہے ۔ یہ تصائد خود بادشاہ وقت کے بس یا تھر بادشاہوں کی مرح سرائی میں ہیں۔ زیادہ تر تصائد مذہبی نوعیت کے ہیں۔ ان قصیرہ نگاروں میں نصرتی ، رزمیہ مندان کا شہہ سوار ہے۔ تقریبا سمجی تنصیدہ نگاروں نے اخلاقی میلوؤں پر زور دیا ہے۔ قسرہ کوئی من فارسی کے بڑے بڑے تسدہ نگار شاعروں کو مشعل راہ بنائے رکھا ہے۔ ابتدائی دور میں قصیدے کے اجزائے ترکبی مکمل حالت میں نہیں ملتے ۔ گر تشبیب بر مکمل قابو ب ی غواصی ، نصرتی ، علی عادل شاہ شاہی نے مجمی تشبیب میں کمال حاصل کیا ہے ۔ قطب شاہی شاعروں نے جو قصائد لکھے ہیں وہ تعداد میں ہست کم ہیں ۔ بیجالور میں اس صف سخن نے سبت مقبولیت حاصل کی اور این ادبی اور فنی خوبوں کے اعتبار سے بلند مرتبہ حاصل کیا ہے۔

د کن ننر : آغاز وارتقاء

اردو زبان میں شعرو ادب کے آغاز کی بات چلتی ہے تو ہم درباروں کی سرریت کا ذکر کرتے ہوئے اردو ادب کی ترقی کا سلسلہ بادشاہوں سے جوڑ دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان و ادب کے ارتقاء میں جو کام ہمارے صوفیا، اور بزر گان دین نے انتہائی خلوص ، نیک نیتی اور بے لوثی کے ساتھ انجام دیے ہیں وہی ہمارے زبان و ادب کے ارتقا ، نسلس اور بقا کا سبب ہوئے ہیں۔ شمالی ہند میں حصرت امیر خسرو سے منسوب نمونہ کلام کو چھوڑ کر جب ہم دکن کارخ کرتے ہیں تو نثر و نظم کے سارے سوتے وہیں سے پھوٹے نظراتے ہیں۔ مودھویں صدی علیوی کے اواخر (۱۲۹۸ء) میں حضرت خواجہ بندہ نواز کلیبودراز (، ،) سال ک عمر من دلی سے بجرت کرکے دکن (گلبرگه) سینے ۔ ان کی غیر معمولی شخصیت کی وجہ سے چشتیہ طریق سلوک کو بڑا خسن قبول مانسل ہوا ۔ رشدو ہدایت ، تعلیم و تقییم کے کے لیے حضرت بندہ نوازہ نے مقامی زبان کاسمارا ضرور لیا ہوگا تاہم ستسر (۱۰) سال کے اس سرمایہ ، زبان کو جیے وہ لين ساتھ دكن الن تھے يكاكب ترك تونس كرسكے بول كے يجو رسائل، تصانيف اور تراج خواجہ بندہ نواز سے منسوب کیے جاتے ہیں انھیں پھرسے اسانی جبر اور انسانی فطرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جانچنا ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خواجہ صاحب سبت بڑے عالم دین تھے۔ عربی اور فارسی زبان و ادب پر انھیں تبر حاصل تھا۔ آپ نے قرآن شریف کی تفسیری ۔ شیخ محی الدین ابن العربی کی کتاب فصوص الحکم کی عربی اور فارسی میں شرحیں لکھیں ۔ آپ کی تصانیف میں " اسمار الاسراد " ایک نهایت اعلیٰ درج کی تصنیف ہے جس میں تصوف کے اسراد و حقائق کی گرہ کشائی کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ آپ سے منسوب تصوف کی بعض اہم عربی فارس کتابوں (صيبي رساله ، قشيريه عوارف المعارف ، قوت القلوب وغيره) ير لكهي بوئ حواشي تهي مشهور بس -

ابوالفتح صدر الدین سد محمد حسینی بنده نواز گسیودر از (۱۳۲۱ - ۱۳۲۳ ء) کی الیک سو کتابول کا ذکر مولوی عبدالحق معراج العاشقین کے مقدمہ میں کرتے ہیں ۔ «اردوئ قدیم " میں شمس الله قادری آپ کی تنیس سے زیادہ تصانیف بتاتے ہیں ۔ پروفیسر شمینہ شوکت نے " شکار نامہ اور مماثل مثل نیس سے منافل مثل ہے " میں حضرت گسیو دراز" سے منسوب اکس (۲۱) رسائل کے نام گنائے ہیں یہ جو حسب ذیل ہیں :

(۲) شکار نامه باره

(١) معراج العاشقين

(٦) تلاوت الوجود (۵) درالاسرار (۴) ہدایت نامہ (۸) ہشت مسائل (۹) تشریح کلمه طسبه (١) خلاصة التوحيد (۱۱) مجموعه رسائل تصوف (۱۲) وجود العاشقين (۱۰) وجود نامه (۱۲)رساله کهیتی (۱۵) ارشاد نامه (۱۳) منتوی تمثیل نامه (۱۷) مثنوی د کھنی (۱۸) مثنوی مسائل تصوف (١٦) رساله حدیث قدی (۲۰) ہفت اسرار (۲۱) تمثیل نامہ (١٩) مشاہدة الاكبر معراج العاشقن کی تحقیق کے بعد اب خواجہ صاحب سے منسوب ہر تحریر تحقیق طلب سی ہوگئ ہے ۔اس لئے یہ بہنامشکل ہے کہ نظم و نرکی کتنی کتابیں خواجہ بندہ نواز کی تصنیف میں ۔ "شکار نامه "آپ سے منوب ایک مخضر رسالہ ہے ۔ پروفیسر تمینه شوکت نے "شکار نامه اور مماثل مثلیے "کے دیباہے میں اس رسالے کے مصنف کے بارے میں جھان بین کرکے

شہات کا ازالہ کرنے کی عالمانہ کوسشش کی ہے ۔ معراج العاشقین کو سب سے پہلے مولوی عبدالحق نے ۱۹۳۳ء میں مرتب کرکے تاج بریس حیدرآباد سے شائع کیا تھا ۔ ۱۹۵۰ء میں پروفسیر گوپی چند نارنگ اور ڈاکٹر خلیق انجم نے مرتب کر کے اسے دو علاحدہ علاحدہ اداروں سے شائع کیا ۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد علمی و ادبی حلقوں اور تاریخ ادب کی تمابوں میں اسے اردو کا پہلا نثری کارنامہ سمجھا جانے لگا۔ ۱۹۹۸ میں ڈاکٹر حفیظ قتبیل نے ایک تحقیقی مقالہ بعنوان " معراج العاشقین کا مصنف " لکھ کریہ ثابت کردیا کہ یہ رسالہ سیہ شاہ مخدوم حسینی بلکانوری کی تصنیف ہے ۔ [ڈاکٹر حفیظ قتیں ۔ مراج العاشقین کا مصنف من او] حسینی شاہد نے بھی اسپنے معرکت الآرا تحقیقی مقالہ " سیہ شاہ امین الدین علی اعلیٰ " میں اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ یہ رسالہ حصرت خواجہ بندہ نواز " کا نہیں ہے ۔ سیہ شاہ مخدوم حسینی بلکانوری کو معراج العاشقین کا مصنف سمجھنے کی چند وجوہات انھوں نے داخلی شہادتوں کی بنا پر نہایت مدل اور واضح انداز میں پیش کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

- (۱) پانچ عناصر کا بیان بنده نواز کی مستند تصنیف میں نہیں ملآ۔
- (۲) بندہ نواز کے طرز بیان کی ایک نمایاں خصوصیت ہے ہے کہ وہ مسائل کے بیان کرنے کے این کرنے کے این کرتے ہیں۔

 کے لیے مروجہ اور متداول اصطلاحیں بھی ناگزیر صورت میں استعمال کرتے ہیں۔

 اصطلاحی زبان استعمال کرنے کے بجلئے احوال و کیفیات کے بیان کرنے پر دور دیتے ہیں۔ معراج العاشقین کا بیاسلوب نہیں ہے۔
- (۳) اگر پانچ عناصر کا نظام سلوک بندہ نواز کا اجتباد ہوتا تو ان کے سلسلہ کے بزرگ بھی اس سلوک اور فلسفے کو صرور بیان کرتے لین بندہ نواز سے حضرت امین تک کم و بیش ڈھائی سوسال کے عرصہ میں بندہ نوازی سلسلہ کے کسی بزرگ نے بھی پانچ عناصر کا ذکر نہیں کیا ہے ۔
- (۴) حضرت المین ہر مرتبے کے ذکر کے ساتھ اس کے سگن اور مرکن کی تشریح بھی کرتے ہیں معراج العاشقین میں بھی جلی، وحی اور سری کے سگن اور مرکن کا ذکر ملتاہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس رسالے کا مصنف براہ راست حضرت المین الدین علی اعلی سے تعلق رکھتاہے۔
 - (a) اس رسالہ (معراج العاشقين) كے مصنف سيه شاہ مخدوم حسيني بلكانوري ہيں جو پيرالله

حسین سے بعت وخلافت رکھتے تھے۔ پیراللہ حسینی کو میرال جی خدا نما سے اور ان کو حضرت امین الدین اعلیٰ سے خلافت اور اجازت حاصل تھی۔

[ڈاکٹر حسینی شاہد : سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ ص ۲۱۰۔ ۲۲۰]

آگے چل کر ڈاکٹر حسینی شاہد لکھتے ہیں کہ " معراج العاشقین کوئی مستقل رسالہ نہیں ہے بلکہ تلاوت الوجود مصنفہ مخدوم حسینی کاخلاصہ ہے اور یہ تلخیص بھی سلیقے سے نہیں کی گئی ہے۔ "

[ايصنا ص ٢١٩ _ ٢٢٠]

حضرت بندہ نواز " سے منسوب ایک مختصر سی تصنیف " شکار نامہ " کا ذکر آتا ہے ۔ اسے مبار ذالدین رفعت نے ۱۹۹۲ء میں مرتب کرکے سلسلہ مطبوعات حیدر آباد اردو اکاڈی کی طرف سے شائع کیا ہے بہ قول مبار ذالدین رفعت " شکار نامہ " حضرت بندہ نواز " کی ایک مختصر سی فارسی تحریر ، بمبان العاشقین معروف بہ قصہ چار برادر کی شرح ہے ۔ شکار نامہ میں تصوف کے بعض نکات رمزیاتی اور تمثیلی انداز میں بیان کیے گئے ہیں ۔ مبار ذالدین رفعت مختلف دلائل و

شوابد کی روشن میں شکارنامہ کو حضرت خواج بندہ نواز " بی کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔
خواجہ صاحب کے بعد ۱۰ردو (دکن) میں تصانیف کا سلسلہ چل بڑا۔ خواجہ صاحب کے
نواسے داماد حضرت عبداللہ حسین نے حضرت شے عبدالقادر جیلائی کی تصنیف " نشاط العشق " کا
اددو میں ترجمہ کیا تھا آپ کے بعد شاہ داول کا رسالہ "کشف الوجود " اور شاہ قلندر کا رسالہ
" رسالہ ، قلندریہ " خواجہ صاحب کے قربی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ حکیم شمس اللہ قادری
نے شی عین الدین گنج العلم سے بھی شوب دو ایک نرمی رسالوں کا ذکر کیا ہے۔ تصنیف و
تالیف کایہ سلسلہ جس کا مقصد صرف اور صرف خدمت خلق تھا ،آگے بڑھا رہا۔

بیجالور کے اولیائے کرام جن کا تعلق کسی ند کسی طرح حصرت خواجہ بندہ نواز سے تھا ، تصنوف اور عرفان کے مصنامین سے زبان کو مالامال کرتے رہے ۔ یہ اردو نٹر کے ارتقاء کا ابتدائی دور تھا۔ اس کے باوجود اس زمانے میں نٹر کے اور بھی کارنامے ملتے ہیں ۔ تقریبا اسی زمانے میں ایک بزرگ شاہ کمال الدین مجی گزرے ہیں۔ جن کا ایک رسالہ "ارشاد نامہ " لمآ ہے ۔
"ارشاد نامہ " کے نام سے اکثر پیران طریقت اپنے مریدین اور معتقدین کے لیے رسالے لکھتے رہے ہیں ، جن میں شاہ بربان الدین جانم کا منظوم رسالہ بہت مشور ہے ۔ شاہ کمال الدین بیابانی، حضرت شاہ میرال جی شمس العشاق بہمی بیابانی، حضرت شاہ میرال جی شمس العشاق کے مرشد تھے ۔ حضرت میرال جی شمس العشاق بہمی عمد کے اجدائی زمانے کے بزرگ تھے ۔ ۱۳۹۹ء میں آپ عمد کے اجدائی زمانے کے بزرگ تھے ۔ ۱۳۹۹ء میں آپ کا وصال ہوا ۔ شاہ کمال الدین کو شیخ جمال الدین مغربی سے خلافت حاصل تھی ۔ شیخ جمال الدین مغربی سے خلافت حاصل تھی ۔ شیخ جمال الدین مغربی سے خلافت حاصل تھی ۔ شیخ جمال الدین مغربی سے خلافت حاصل تھی ۔ شیخ جمال الدین کو اجد بندہ نواذ کے خلیفہ تھے ۔ حضرت میرال جی شمس العثاق نے بھی اپنے مریدین کی تعلیم کے دو لیے نظم و نثر میں رسائل کھے ، حکیم شمس الله قادری نے اددو سے قدیم میں میرال جی کے دو نثر میں رسائوں کا ذکر کیا ہے ۔ ایک کا نام " جلتر نگ " اور دوسرے کا " گل باس " ہے ۔ یہ چھوٹے چھوٹے دسالے ہیں ۔ میرال جی نے ان میں تصوف کے بعض مسائل اپنے بزرگوں کی طرح تمثیل کے انداز میں سجھائے ہیں ۔ میرال جی انداز میں سجھائے ہیں ۔ میرال جی انداز میں سجھائے ہیں ۔

حضرت شاہ میرال جی شمس العشاق کے بڑے صاحبزادے شاہ بربان الدین جانم التھے شاعر اور نر نگار تھے ۔ لینے کلام اور نری کارناموں کے وسلے سے لینے معتقدین اور مریدین کلی دوحانی تعلیم کا کام لیتے رہے ۔ مختلف نظموں کے علاوہ جانم کی دو نرمی تصانیف ملتی ہیں ۔ ایک کلمت الحقائق دوسرے رسالہ وجودیہ ۔ محد اکبرالدین صدیقی نے جولائی ۱۹۹۱ء میں کلمت الحقائق کو مرتب کرکے شائع کردیا ہے ۔ پروفسیر رفیعہ سلطانہ نے بھی اس رسالہ کی تقیدی تدوین کی تھی کین اب یہ رسالہ کی تقیدی تدوین کی تھی مسائل بیان کیے گئے ہیں ۔ اور دارت و صفات ، تخلیق کا تنات ، واجب الوجود ، ممن الوجود ، ممن الوجود ، ممن الوجود ، ممن الوجود کے داز سر بستہ کھولے گئے ہیں ۔ آخر میں ذکر ، مراقبہ اور منتابدہ کی وصفات کی گئی ہے ۔

رسالہ وجودیہ میں سوال و جواب کے انداز میں تصوف کے مسائل پر روشن ڈال گئ

ہے۔ کلمۃ الحقائق کا اسلوب، ہندی اور فارس آمیزہے۔ صوفیانہ اصطلاحات سے بہت کام لیا گیا ہے۔ رسالہ وجودیہ میں تقبیم کے لیے اشعار سے بھی مدد لی گئ ہے۔ کلمت الحقائق بھی سوال و جواب بی منظوم ہے۔ وہ جوابات ہو بہت مختصر بین ہیں منظوم ہے۔ وہ جوابات ہو بہت مختصر بین آسان اور عام فم بیں منظایہ سوال و جواب ملاحظہ ہو:

سوال یا اصل نور کا حال اصل کے نوریج یہ شناس کیوں ؟

جواب ب اصل حال وہ ہے کی جس وقت تیرا تج میں سما وو جاگئے کا انتہا ہور نیند کا ابتدا ہر دو کے میاں آن حال اصل نوریعنی دوسرا جنس نہیں ۔

کھی کھی سوال طویل بھی ہیں جن کے جواب بھی مخضر نہیں ۔ کلمۃ الحقائق میں مسجع و مقنی عبارت کے بھی نمونے ملتے ہیں گر ان میں نہ وہ خوش سلنگی ہے ن وہ آہنگ جو بعد میں "سب رس" میں ملتا ہے ۔

فارسی اور عربی عبارت و اشعار سے کلمیۃ الحقائق کا اسلوب اکثر بوجھل بھی ہوگیا ہے۔ ہندی ، فارسی اور عربی کے غیر متوازن امتراج سے کلمیۃ الحقائق کے اسلوب میں ایک د کاوٹ اور کھردرا بن محسوس ہوتا ہے۔ مثلا،

[كلمة الحقائق مرتبه اكبرالدين صديقي ١٥٠]

رسالہ ، وجودیہ میں مسائل کی تشریج کے دوران " یعنی " کہ کہ کر وصناحت کی گئی ہے۔ فارسی الفاظ اور عبارت ہندی کے ساتھ مربوط ہو کر مل جل گئی ہے ۔ اس لیے وجودیہ کا اسلوب سان معلوم ہوتا ہے ۔ ایک جواب سے کھ حصد نمونتا بیال پیش کیا جاتا ہے :

«ذكر حلى ، يعنى خدا كا ياد كرنا اس تن سول ظاهر، سو نفس اماره يعنى خدا مناكيا او کرو ۔۔۔ منزل ناسوت یعنی حیوانات کی صفت ہونا کھانا ، پینا ، بھوگناولے کسی کی خبر نهىي ـ يون خداكى ياديى اپسىي فراموش كرناسو ـ ـ ـ ـ "

شاہ بربان الدین جائم کی متد کرہ بالا دو تصانیف کے علاوہ بروفسیر عبدالقادر سروری نے « ہشت مسائل " اور " معرفت القلوب " دو اور تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے پروفسیر سروری لکھتے ہیں کہ یہ دونوں رسائل بھی "تصوف ،شریعت اور معرفت " کے مسائل پر بین ہیں ۔

[مضمون دکن میں اددو نیر کا اد قتا ۔مشمولہ مجلہ عثمانیہ دکنی ادب نمبرص ۴۰]

شاہ بربان جانم کے صاحبزادہ سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ بڑے اہلِ کمال اور صاحبِ قلم بزرگ تھے ۔ صوفیائے دکن میں حصرت امین " نیژو نظم ، علم و حکمت ، فلسفہ و تصوف اور رُ شدو بدایت اروحانی کمالات ، باطنی تصرفات اور مذہبی خدمات میں سرچشمہ فیفن خاص و عام تھے۔ ۲۲ / رمصنان ۲۰۰۷ ه م ۱۵۸۹ ء کو پیدا ہوئے ۔ اٹھتر (۸۰) سال کی عمر پائی ۔ ۱۰۸۵ ه م ۱۹۹۲ء میں انتقال کیا . ڈاکٹر حسینی شاہد نے حصرت امین کی منظوم و ننژی تصانیف کو بڑی احتیاط کے ساتھ تین زمروں میں تقسیم کیا ہے ۔

- (۱) وہ تصانیف جن کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں اور قطعیت کے ساتھ مصنف کی تصانیف ہیں۔
- (۲) مشتبہات : جن تصانف کے بارے میں شہرے کہ یہ مصنف کی ہیں کہ نہیں۔ (۳) منسوبات : ان میں وہ رسائل رکھے گئے ہیں جو صرف مصنف سے منسوب ہیں۔ اس انتساب کی تردید کی گئی ہے۔

ملے زمرہ میں نو (٩) رسائل شامل کے گئے ہیں۔ جو یہ ہیں:

(۱) کنج مخفی (۲) وجودیہ (۳) گفتار شاہ امین (۳) ارشادات (۵) ظاہر و باطن (۲) بیان کرنے میں سجدیال کا

(١) عشق نامه (٨) شرح كلمة طيب (٩) كلمة الاسرار

گنج مخفی کا تعارف سب سے پہلے رسالہ اردو جنوری ۱۹۲۸ء میں مولوی عبدالحق نے کروایا تھا ۔ ای مخت اور اور حصر میں سیاست کے مخت کا کا مخت

یہ ایک مخصر سارسالہ ہے جس میں تزلات وجود کو گنج مخفی سے لے کر تخلیق انسان تک بڑے مربوط انداز میں بیان کیا ہے ۔ اس کی تقبیم ایک کچی عمر کی زبان دکن اردو میں بہت مشکل تھی ۔ حضرت نے امین نہایت سیرھے سادے

انداز میں اس مفہوم کی تشریح کی ہے۔ مسائل تصوف کو سمجھانے میں اصطلاحات کے بجائے

آسان اور سہل اصطلاحات خود بنال ہیں ۔ یہ اصطلاحات رسالے کی زبان میں پیوست ہوجاتی ہیں۔ کیخ مخفی کیا ہے ؟ اس کی تفہیم وہ کتنے سمان انداز میں کرتے ہیں ، دیکھیے :

" اے دوست وال کچر نہ تھا ،حق او بیچ تھا۔ یعنی ذات خدا کی تھی اور کچی نہ تھا۔ " اے دوست وال کچر نہ تھا ،حق او بیچ تھا۔ یعنی ذات خدا کی تھی اور کچی نہ تھا۔

اس حدلگ صِفتال مخفی تھے ۔ اس مرتب کول گنج مخفی بولتے ہیں ۔ یو ذات کا وجود ہے ۔ جب خدائے تعالیٰ اس گنج مخفی کول عیال کرنے کول چاہا ، اول جان اس

میں مک نظر شاہدی نکلی سو اسے امین دیک اور امین شاہد کہتے ہیں ۔ یہ دونوں ذات کے ظہور ہے ۔ یو تینوں ذات کی قو اوسے نظر کہتے ہیں ۔ یو تینوں

مرتبے ذات کے ہیں۔" مرتبے ذات کے ہیں۔"

یبال حضرت امین کمبنا یہ چاہتے ہیں کہ "گنج نحفی " میں صرف ذات تھی اور کچھ نہ تھا۔ اس مرتبہ میں صفات ، ذات میں مخفی صرور تھیں ۔ جب اس نے چاہا کہ گنج مخفی سے باہر آئے اور وہ پچانا جائے تو صفات ظاہر ہوئیں ۔ ذات نے لینے کو دیکھا تو اسے نظر کہتے ہیں ۔ دیکھ کر گواہی دی تو اسے شاہد کا مقام حاصل ہوا یہ تینوں مرتبے ذات کے ہیں ۔ حضرت امین کے اس رسالے کی تاریخ تصنیف معلوم نہیں اس رسالہ کی زبان نبایت سلجی ہوئی ہے ۔ موصّوع پر قابو ہے ۔اس لیے زبان میں سادگی وسلاست ہے ۔

" وجودیہ " کے موضوع پر حضرت امین کے دورسالے ہیں۔ ایک نظم میں اور ایک نشر میں منظوم رسالے کا ذکر تو سجی نے کیا ہے لیکن نٹری رسالہ ڈاکٹر حسینی شاہد کی دریافت ہے ۔ یہ رسالہ صرف پندہ (۱۵) صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس میں واجب الوجود کی تشریح کی گئ ہے ۔ تمام صوفیا ، واجب الوجود ، اللہ تعالیٰ کے وجود کو کہتے ہیں لیکن حضرت امین جسد خاکی کو واجب الوجود کتے ہیں ۔ اس کو لازم الوجود مجی کہا ہے :

" اے تن واجب الوجود کیے تو کیا معنی ؟ کرنی کرنا اس وجود پر لازم ہوا ہے۔ جوں آدمی پر بارہ برس کا ہونے لگ فرض لازم نہیں اس معنی اس تن واجب الوجود کھتے ہیں یعنی لازم الوجود ۔ جیوں چاول کا موڑ چھو سٹنا بھوسے سول تعلق ہے ۔ بھونے باج موڑ چھو شانہیں ۔ بیں اس تن باج حق کول پانا نہیں ۔ ناکے (غرکہ) خدائے تعالی کول واجب الوجود کھتے ہیں ۔ ویسا اے (یہ) تن نہیں ۔ او وجود حق تعالی کی ذات سول قائم دائم ہے ۔ "

واجب الوجود کی تشریج کے بعد حصرت امین نے وجود کے مقام ، ذکر ، نفس ، عقل اور فرشتے کا تذکرہ کرتے ہوئے پانچ عناصر پچیس (۲۵) گن کی تفصیل بیان کی ہے ۔ حصرت امین کا یہ رسالہ ان کے نظام تصوف کو سمجھنے میں کلیدی اہمیت رکھتا ہے ۔ زبان سادہ اور سلیس ہے۔ مشکل مسائل کو عام فیم مثالوں کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے ۔ جیسے لازم الوجود کو چاول کے موڑ بھوٹے سے سمجھایا گیا ہے ۔

"گفتار شاہ امین " کا بھی اولین تعارف مولوی عبدالحق نے رسالہ اردو جنوری ۱۹۲۸ء میں کروایا تھا۔ یہ رسالہ بھی تصوف کے بعض مسائل اور اصطلاحات کی تشریح کرتا ہے۔ "رسالہ ظاہرو باطن " میں افکار مراتب، اوامر و نواہی کی تعلیم دی گئ ہے۔ " ادشادات " جملہ چے (۲)

صفحات کا رسالہ ہے جس میں نفس اور دل کی کشمکش نہایت دل نشین انداز میں بیان کی گئ ہے۔ دوسرے رسائل کی طرح اس کی زبان بھی سادہ ، سبک اور شیریں ہے۔ " بیان کرنے میں سجدیاں کا " یہ رسالہ تھی سوال و جواب کے طرز رہ ہے ۔ مختصر سوال مختصر سا جواب ۔ لیکن گنج مخفی اور نور محدی کی صوفیانه تعبیر و تشریح ان جوابات میں کردی گئ ہے ۔ سجدہ تحیت اور سجدہ بندگی کی وصناحت میں قرآن و احادیث سے استدلال کرتے -ہوئے یہ واضح کردیا ہے کہ سجدہ تحیت گناہ نہیں ۔ "عشق نامہ " کا پہلی دفعہ ذکر برو فسیسر دفیعہ سلطانہ نے "اردو ننر کا آغاز و ارتقا " میں کیا ہے رسالہ مشرح "کلمہ وطیب" کا تعادف کرواتے ہوئے میروفسیررفیع سلطانہ لکھتی ہیں: یں رسالہ حودہ (۱۳) صفحات بر مشتمل ہے اور اس کا آغاز بھی عشق نامے کی طرح محمد صلعم اور صحابہ اور اہل بیت پر درود سے ہوتا ہے ۔ آگے چل کر کلمہ طلب کی شرح کی گئی ہے ۔ " [اردو نثر کا آغاز و ارتقا ۔ ص ۱۹۳] حضرت امن کی ساری تصانیف میں کلمة الاسرار کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے ۔ یہ ان کاسب سے طویل نبری کارنامہ ہے رجس میں کلمٹہ طیبہ اور نور محدی کی تشریج سیھ سادے انداز میں کی گئی ہے ۔ کلمہ کے ہر جزو کی تشریج نہایت تفصیل سے کی گئی ہے۔ " لا " کی تشریح کرتے ہوئے انھوں نے این بنیادی تعلیمات سے انحراف نہیں کیا ہے۔ "لا "کو ساری کائنات كا منشا اور سرچشم بتات بي ـ چارول عناصر (آك ، بوا ، من ، ياني) كو يانحوي عنصر " خال " سے متح کرتے ہیں۔ یہ حضرت امن کا خاص اجتباد ہے جو انھیں کے اثر سے بیالورک چشتیہ تعلیات کا طرہ امتیاز بنا ۔ اس رسالہ میں اپنے نظریہ پانچ عناصر ، پیکیس کِن کا بار بار ذکر كرت بي - كلمة الاسرار مي ب بناه ادبيت ب رتصوف ك يجيده اور لمجرمسائل كو خوبصورت و نلدر تشبیایت اور کمباوتوں سے کولچسپ و دل نشنی بنادیا ہے ۔ انداز تدریسی اور تفسی ہے مخاطب کو این طرف متوجہ کر لینے والا دلفریب انداز ہے ۔ بار بار "ارے بھائی " کہ کر مخاطب کرتے جاتے ہیں ۔ احد ، احمد اور محمد کے منہوم کو کس قدر خوبصورتی سے

سمجھاتے ہیں، دیکھیے :

"ارے بھائی ایرف میں ہور پانی میں ، ہور گار میں ، ہور کھار میں ، کیاری کے پانی ، ہور محال میں ، کیاری کے پانی ، ہور جھاڑ میں ، ہور جھاڑ میں ، ہور جھاڑ کے پیچ میں ، سورج ہور سورج کی دھوپ میں ، ہور شکر میں ، شکر کی لذت میں کچ بھی تفاوت ہے ، بواس احد نے احمد ہوکر محمد جلوہ کیا۔ "

" لا "کی تفہم کے سلسلے میں محیلی اور پانی کی ایک دلچسپ حکایت رقم کی ہے۔ یہ حکایت کلمت الاسراد کے ص ۳۷ سے شروع ہوتی ہے۔

حضرت امین کے اس رسالے کی زبان ان کے دوسرے رسائل کے مقابلے میں ہری آسان ، سادہ اور دلچسپ ہے ۔ مسائل کی تقبیم میں آیات قرآنی و احادیث سے مدد لی ہے ۔ مروجہ اصطلاحیں اور خود ان کی تراشیدہ اصطلاحیں بھی سبت ہی کم ہیں ۔ کہیں اصطلاحات آ بھی گئیں ہیں تو بیان کی روانی میں گراں نہیں گزرتیں ۔ وریہ مسائل تصوف کے مجھنے میں اصطلاحات کا بوجھ بڑا تکلیف دہ ہوجاتا ہے ۔ کہیں کہیں اشعار سے بیان میں دلکھی پیدا کردی ہے ۔ فاری اور عربی الفاظ کے علاوہ ہندی الفاظ بھی بعض مقالت پر موتی کی طرح جڑے ہوئے ہیں ۔ روز مرہ اور محاورہ کا برجستہ استعمال ہے ۔ حضرت امین کے کئی مرید اور معقدین ہیں ۔ آپ ہی کے کم مرید ول نے گولکنڈہ کی سرزمین پر فلسفہ امینیہ کے چراغ روشن کیے ہیں ۔

دکی شاعری کی ہر صف کی ابتدا اور ترتی میں گوکنڈہ کے شاعر بیجالور کے لیے طائران پیش رس ثابت ہوئے لیکن ننرکی ابتدا اور ارتقامی بیجالور کو گوکنڈہ پر سبقت عاصل رہی ۔ ننرکی کارناموں کے لیے عبداللہ قطب شاہ اور اس کے بعد گوکنٹہ کے ہخری تابدار ابوالحن آناشاہ کا عبد بڑا سازگار رہا ۔ گوکنٹہ ہوکہ بیجالور بیہاں کے بادشاہوں نے دکی نٹر کے فروغ میں دلچی کا اظہار نہیں کیا ۔ یہ اعواز اور امتیاز اولیت عبداللہ قطب شاہ کو عاصل ہے کہ اس نے اسداللہ وجی سے سب رس "کھوایا ۔

وجی نے چار بادشاہوں کا زبانہ دیکھا تھا۔ ابراہیم قطب شاہ کے عبد میں وہ گمنام رہا۔
محمد قلی قطب شاہ کے عبد میں اس کا طوطی بولتا تھا۔ قطب مشتر ی لکھ کر بادشاہ کی خوشنودی
حاصل کی اور ملک الشعراء کا مقام و مرتبہ حاصل کیا ۔ محمد قطب شاہ نے دکنی زبان کے بجائے
فارسی کی سرپرستی کی ۔ عبداللہ قطب شاہ تخت نشین ہوا تو بھر دکنی کا ستارہ چیک اٹھا ۔ قطب شاہی
عبد کی اکثر اہم متنویاں اسی عبد کی پیداوار ہیں ۔ "سب رس " جیسا عظیم معرکتہ الآرا نشری کارنامہ ،
عبد کی اکثر اہم متنویاں اسی عبد کی پیداوار ہیں ۔ "سب رس " جیسا عظیم معرکتہ الآرا نشری کارنامہ ،

عبداللہ قطب شاہ کو وجی کی شاعرانہ اور ادبیانہ صلاحتیوں کا نوب اندازہ تھا۔ اس عبد میں ابن نشاطی جیبا شاہ کو وجی کی شاعرانہ اور ادبیا جی موجود تھا لیکن عبداللہ قطب شاہ کی نظر انتخاب صرف وجی پر جاکر ٹھبرگئی۔ اس نے وجی کو بلاکر حکم دیا کہ انسانی وجود میں بیان عشق پر ایک کتاب لکھی۔ اپنے "سبب بالنی کتاب و مدح بادشاہ "میں وجی نود اس بات کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :

مر وجی نادر من کوں دریا دل ،گوہر مخن کول ،حضور بلائے ، پان دیے ، جھوت کر ، وجی نادر من کول ،دریا دل ،گوہر مخن کول ،حضور بلائے ، پان دیے ،جھوت مان دیے ، جور فرائے کہ انسان کے وجود پر میں کچ عشق کا بیان کرنا۔ اپنا ناؤل عیاں کرنا ، کچو نشان دھرنا۔ وجی بھوگئی ،گن بھریا، تسلیم کرکے سرپر بات دھریا "

میاں کرنا ،کچو نشان دھرنا۔ وجی بھوگئی ،گن بھریا، تسلیم کرکے سرپر بات دھریا "

میاں کرنا ،کچو نشان دھرنا۔ وجی بھوگئی ،گن بھریا، تسلیم کرکے سرپر بات دھریا "

میاں کرنا ،کو نشان کے انداز میں لکھی گئی ہے ۔ وجی نے نود لکھا ہے کہ اس کا انداز ممثل کا ہے :

" ناموس بولیا کہ اس مازے آب ِحیات کا قصد ایک ماویل دھرما ہے۔ ایک تمثیل دھرما ہے۔"

یہ دکنی کا پہلا تمثیلی کارنامہ نہیں۔ اس سے پہلے بیجابور کے صوفیانے جتنے رسائل لکھے بیک ان میں تصوف کے مسائل کی تقیم کے لیے تمثیل کا پیرایہ ہی اختیار کیا گیا ہے۔ یہ تمثیلے، مخضر ، محدود اور وقتی طور ر برتے گئے ہیں ۔ اور "سب رس " میں تمثیل بوری ایک داستان ر حاوی ہے ۔

دکن میں اب تک جو نٹری کارنامے ہمارے سلفے آئے ہیں روہ سب ذہبی نوعیت کے ہیں۔ ادبی کارنامے ہمارے سلفے آئے ہیں ایک سنگ میل ک حیثیت رکھا ہے ۔

"سب رس "محد یحی ابن سیب فتایی نیشا بوری کی تصنیف " دستور عشاق "

ا ۱۳۳۹ می دستور عشاق است محد و حدن و دل " سے ماخوذ ہے ۔ فتای نے ۱۳۳۹ میں دستور عشاق کو مسجع اور مقفی عبارت میں دوبارہ لکھا اور "شبنتان خیال " نام رکھا ۔ یہ تصنیف اتن متبول ہوئی کہ ۱۳۵۱ میں سروری نے ترکی زبان میں "شبنتان خیال " کی شرح لکھی ۔ ترکی زبان می " شبنتان خیال " کی شرح لکھی ۔ ترکی زبان کے دیگر شاعروں مثلا عمری ، المعی ، ابنی اور والی نے اس کی تقلید میں تصانیف لکھیں ۔ وجی کے دیگر شاعروں مثلا عمری ، المعی ، ابنی اور خواج محمد عبل نے ۱۹۸۳ میں اس قصد بعد بھی یہ سلسلہ چلتا رہا ۔ داور المجی نے ۱۹۲۳ میں اور خواج محمد عبل نے ۱۹۸۳ میں اس قصد کو فارس میں شقل کیا ۔ عبد عمری بیابوری نے اور تگ ذیب کے انتقال سے بانج سال قبل ۲۰۱۱ میں اس قصے کو اپنی شنوی کا موضوع بنایا ۔

[جبل جالبي ماريخ اردو ادب مر جلد اول من ١٩٩٧ - ١٩٠٥]

ان تمام شعری اور نٹری کارناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وجی سے پہلے اور بعد یہ قصہ شاعروں اور ادیجوں میں کتامتبول رہا ہے ۔ ممکن ہے عبداللہ قطب شاہ تک بجی قصہ حن و دل کی شہرت تیخ بچی ہو۔ اس لئے وجی سے اس نے انسانی وجود میں " بیان عشق " پر تماب کھنے کی فرائش کی تو اس کا اشارہ قصہ حن و دل کی طرف رہا ہوگا۔ یا بچر وجی نے خود اپنے عہد کے متبول عام قصہ کو اپنا مافذ بنایا ہوگا۔ وجی نے اپن کماب میں کہیں بجی اس کا ذکر نہیں کیا کہ اس کا افذ کیا ہے ۔ قصہ "حن و دل "کو "سبدس "کی صورت میں پیش کرتے ہوئے اس

جو محنت کرنی ریسی کا وجی کو بڑی اچھی طرح اندازہ تھا۔ بڑے پرزور انداز میں اس نے اپنے قاری کو بھی اس کا احساس دلایا ہے کہ .

" بھوت بڑا کام اندیشیا ، بھوت بڑی فکر کریا ، بلند ہمتی کے بادل تے دانش کے میدان میں گفتارال برسایا ، بادشاہ کے فرانے پر چیتیا ، نوی تقطیع بیتیا کہ انگے کے آنبارے ہمیں بھی کچھ تھے کر سجھیں بارے ہمارے گن کول دیکھے سو جمنا دیکھے ۔ "

تصدّ حن و دل کو سلمنے رکھ کر اگر سب رس کا تقابل مطالعہ کریں تو پہۃ چاتا ہے کہ و بھی نے سب رس من اس قصه کی کتنی یا بندی کی ہے ۔سب رس اینے آغاز سے انتہا تک قصه در قصہ ایک داستان ہے ۔ سیبتال ایک شہر ہے عقل اس کا بادشاہ ہے ۔ دل عقل کا بیٹا اور تن کی مملکت ہر اس کی حکومت ہے ۔ دل کا جاسوس نظرسے جو بڑا تیز ہے ، بیل بیل کی خبر لے کر دل تک مینچانا ہے۔ ایک دن اول نظرہے آب حیات کا ذکر کرتا ہے کہ اس کا پہتہ چلائے تا کہ حیات جاوداں پائے ۔ آب حیات کی تلاش کے دوران ، نظر کی عشق بادشاہ اور شہزادی حس سے ملاقات ہوتی ہے ۔ بڑے مراحل سے گزرنے کے بعد حن و دل کی شادی ہوجاتی ہے ۔ اور آب حیات آخر کار حاصل ہوی جاتا ہے ۔ نظر ہمت حسن اور دل نشراب کے نشہ میں مست، بلغ من آتے ہیں تو وہاں آب حیات کا چشمہ نظر آنا ہے۔ چشمے کے پاس ایک بزرگ نظر آتے بيں ۔ وہ حضرت خضرتھے ۔ خضر ، دل کو دعائیں دیتے ہیں ۔ حن و دل سدا خوش رہنے لگتے ہیں ان کے بہال کی بیٹے ہوئے سب سے بڑا بیٹا کتاب (سبرس) ہے ۔قصہ جن ودل میں حضرت خضر تمثل کے سارے مجمد کھولتے ہیں مگر وجی نے اس جھے کو بالکلیہ ہی نظر انداز کردیا ہے۔ تمثل کایہ مجی ایک انداز ہے۔

قصے کے اعتبار سے سب رس ایک دلچسپ داستان ہے کیکن اس کی دلچسپ وجی کی انتظا پردازی میں وقیاً فوقیاً گم ہوتی جاتی ہے ۔ جس کے باعث قصد میں دلچسپی رکھنے والے قاری

کواکتابٹ ہوتی ہے ۔ وجی عالم فاصل اور کئ زبانوں پر عبور رکھنے والا شاعر اور نٹر نگار تھا۔ اس نے قصے کی لڑیاں پروتے ہوئے زبان و بیان اور اپنی علمیت کے اظہار میں کچ زیادہ کچی لی ہے ، جس کی وجہ سے پندو موعظمت ، انشاپردازی اور مضمون نگاری کا غلبہ ہوگیا ہے ۔ عقل کا ذکر آتا ہے تو وجی کئی صفحے عقل کی تعریف ، اہمیت اور کارناموں سے بجردیتا ہے ۔ عشق کے معالمہ میں تو اس کا اشہب قلم جولانی دکھاتا ہے ۔ اس دوران قصہ کی کڑیاں چھوٹی چلی جاتی ہیں ۔ مجر ایک طویل گریز کے بعد بڑے کمال سے وہ ان کڑیوں کو جوڑتا ہے ۔ آب حیات کی تلاش تصہ کامرکزی خیال ہے جس سے قصہ میں اتحاد پیدا کیا گیا ہے ۔

قصہ تمثیل ہے اور اس کے سارے کردار تمثیلی ہیں۔ یہ تمام کردار اپنے اپنے مفوصنہ کام شروع سے آخرتک نبھاتے جاتے ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وجی کرداد نگاری رہمی قدرت رکھتا ہے ۔ عقل دل ، عشق ، حسن ، نظر اور ہمت جو اس داستان کے اہم کردار ہیں اِن بی کے ساتھ قصہ آگے بر ها ہے ۔ اس کے باوجود ایک کی یا کروری یہ بھی محسوس ہوتی ہے کہ عقل اور عشق سے وجی نے تمثیل کا کام ضرور لیا ہے ، ان کے مفاہیم میں مختلف زاویے پداکیے ہیں ، تاہم ان کے حرکات و سکنات میں ان کے شایان شان عظمت نہیں پیدا کرسکا ۔ اس کے باوجود یہ کہنا بڑتا ہے کہ قصہ در قصہ کی تکنیک میں ایک طویل تمثیل لکھنا کوئی معمولی کام نہیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سب رس وجی کا طبزاد کارنامہ نہیں ایک عرصہ تک قصہ حن و دل کو "سب رس " کا ماخذ سمجھا جانا رہا کین دلوی سنگھ حویان کی تحقیق کے بعدیہ خیال کیا جانے لگا کہ سب دس " رہمو چندر اودے کا چربہ نہیں ہے بلکہ یہ کش داس بھٹ کاسنسکرت ڈراما ہے ۔ اس سنسکرت ڈرامے کا ولی رام نے « مثنوی گلزار حال " کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے ۔ ولی رام نے یہ منتوی راست سنسکرت سے نہیں کی بلکہ اس کا ترجمہ پہلے گوالیار کی زبان بھاکا میں * سوامی تند داس * نے کیا تھا۔ ولی رام نے بھاکا سے فارسی میں ترجمہ کیا یہ پہتہ نہیں چاتا کہ سنسکرت ، بھاکا اور دستور عشاق میں تمثیلی رویہ کییا رہا اور وجی نے اس ٹکنیک

سے کس قدر استفادہ کیا ہے ۔ جب تک ان سب کا تقابل مطالعہ نہ کیا جائے ، یہ طے کرنا مشکل ہے کہ وجی نے "گوالیار ہے کہ وجی نے ان میں سے کس کو اپنا ماخذ بنایا ہے ۔ سب دس میں وجی نے "گوالیار کے چاترون " کا حوالہ دیا ہے ۔ پانچ ہندوی دوہ بھی دیے ہیں ۔ جن میں سے دو کبیر کے ہیں ۔ اس سے ایک گمان یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وجی کے ذہن میں پر بھو چندر اودے سے بھاکا کا ترجہ بھی رہا ہوگا۔

سب رس ترجمہ رہا ہو کہ ماخوذ قصہ ،وجی نے اس پر اپن گرفت اتنی مصنبوط رکھی ہے کہ یہ طبزاد ہی معلوم ہوتا ہے اور پھر مخصوص زبان و بیان نے تو اس پر ملکیت ِوجی کی میر شبت کردی ہے ۔

وجی نے جگہ اخلاق عالیہ پر برا زور دیا ہے۔ مرد اور عور تول کے سماجی فرائفن اور ذمہ دار بوں کو آس معاشرے کے حساب سے خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ سب رس میں کمکی اور مقامی ماحل کی ترجمانی ہے جو قاری کے ذہن کو ترجے کی طرف جانے نہیں دیت ۔ ایک سے زیادہ شاد بوں کا رواج ، عور تول کے ایجے اور بُرے کردار ، سوکوں کا جلایا ، معاشرہ کی توجم پر تن ، نجومیوں ، راآوں ، جو تعوں اور پر جمنوں کی اہمیت ، رسم ورواج اور تہذیب کے کئی عناصر و عوامل پر بحومیوں ، راآوں ، جو تعوں اور پر جمنوں کی اہمیت ، رسم ورواج اور تہذیب کے کئی عناصر و عوامل پر بحومیوں ، راآوں ، جو تحقیل اور پر جمنوں کی اہمیت ، رسم ورواج اور تبذیب کے کئی عناصر و عوامل پر بحق دوشن برختی ہے ۔ وجی نے جبال بین السطور بادشاہ کو آداب شاہی کی طرف توجہ دلائی ہے ہے وہیں عوام و رعایا کو اطاعت و اخلاق کا درس دیا ہے ۔ اس سے پت چاتا ہے کہ اس دور کے قطب شاہی معاشرہ کی اخلاقی قدرین کیا تھیں ۔ ظاہر برستی کو معاشرہ کس نگاہ سے دیکھتا تھا وغیرہ ۔ وجی کو علوم اسلامی کے علاوہ فارسی ، عربی اور بندوستانی زبانوں میں مراہئی

و بہت و اللہ کہ اسلام کے علاوہ فاری ، عربی اور بھندوستان رباول کی مرائی ، عربی اور بھندوستان رباول کی مرائی ، گوجری اور گوالیاری سے ، مجی خوب واقفیت تھی ۔ فارس میں کمال حاصل تھا ۔ خود گولکنڈہ کے اسلوب پر فارس ذبان و ادب کی گہری مچاپ نظر آتی ہے ۔ فارس کے یہ اثرات ہوا ، کے بعد بچاپوری ادب پر بھی بڑنے لگے تھے ۔ حضرت امین الدین علی اعلی کے رسائل میں فارس اپنا اثر و رسے بداکر کی تھی ۔ وجی کے سلمنے فارس کے مستند شاعروں اور ادبوں کے کارنامے اثر و رسے بداکر کی تھی ۔ وجی کے سلمنے فارس کے مستند شاعروں اور ادبوں کے کارنام

موجود تھے اس نے ان فارس نمونوں سے بجربور استفادہ کیا اور ساتھ ہی لینے لیے ایک نئ راہ پیدا کی ، جس کا وجہی کو خود بھی بڑا احساس تھا۔ انفرادی اسلوب کی تعمیر میں آسے جن مراحل ، محنت اور مشکلات کا سامنا کرنا رہا۔ اس کا ذکر بڑے فخرسے وہ کرتا بھی ہے :

* فر ہاد ہوکر ، دونوں جباں تے آزاد ہوکر ، دانش کے شیشے سوں ساڑال الٹایا تو یو شیری پایا۔ تو یونوی باٹ پیدا ہوئی تو اس باٹ آیا۔ "

اس " نی باٹ " کے بنانے میں نادر تقبیبات ، استعادات ، تلمیجات اور کنایات سے بڑا کام لیا ہے ۔ ہندی بھاشا ، مراہی اور فارس صرب الامثال اور کہاوتوں سے خوب مدد لی ہے ۔ قرانی آیات اور احادیث نبوی کے حوالوں سے لینے اسلوب کو وقار بخشاہے ۔ مناسب

اشعار ،مصرعوں اور دوہوں سے نٹر کو دلکشی عطاکی ہے ۔سب رس کی عبارت رنگین ہے۔ متعنٰی مسجع اور مرصع عبارت آرائی وجی کا ایک سوچا تجھامنصوبہ تھا چنانچہ وہ کہتاہے :

يه آج لكن اس جبال مين ، مندوستان مين ، مندى زبان سول ، اس لطانت ،

اس چھندال سول ، نظم ہور نٹر ملاکر ، گلاکر نہیں بولیا اس بات کول ،اس نبات کول ، بول کوئی آب حیات میں نین گھولیا ، بول غیب کا علم نہیں کھولیا۔ "

نظم اور نٹر کو ملانے کا کام وجی نے مسج اور مقنیٰ عبارت سے لیا ہے ۔ چھوٹے چھوٹے جملے ،مصرعے اور بیت متر نم اور خوشگوار معلوم ہوتے ہیں جن میں رس کھلا ہوا ہے ۔

اس عبارت كاحن ملاحظه مو.

"عقل نور ہے ، عقل کی دوڑ ست دور ہے ، عقل ہے تو آدئی کہوائے ، عقل ہے تو قدا کوں پائے ، عقل تے میر ، عقل تے پیر ، عقل تے بادشاہ ، عقل تے میر ، عقل تے پیر ، عقل تے بادشاہ ، عقل تے دولت ، عقل تے چلتی سلطاناں کی سلطنت۔ "
سب رس میں مسجع کا یہ آبنگ ہر سطر میں ملتا ہے ۔ سب رس میں محاورات اور صنرب الامثال ہے ، وجی کی صنرب الامثال کا ایک خزانہ دستیاب ہوتا ہے ۔ ان محاوروں اور صنرب الامثال ہے ، وجی کی

زبان و بیان پر قدرت کے علاوہ اس عبد کے تہذیب معیارات کا بھی پنہ چلتا ہے۔یہ محاورے اور صرب الامثال دکنی تھی ہیں اور فارسی اور عربی سے مستعار لیے ہوئے تھی ہیں ۔ چند صرب الامثال ملاحظه بهون:

دانایاں میں او علی ہے بات العقل نصف الكرامات کھولے بیں اس بات کا گرہ کے بیں الدنیا مزرعة الآخرة

صبوری تے دنیا ،صبوری تے دیں مصحف کی آیت ہے کہ ان الله م الصارین ـ

کئی ضرب الامثل ایسے بھی ہیں جن کا فارس سے خوبصورت دکن میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ جیسے : آبے کیا اسے کیا علاج فارسی ضرب المثل کار خود کردہ رادر مال

چیست(علاج نیست)

پیست (علان بیست) لوبات کھیل نہیں فارسی صرب المثل ایں سخن بازیچہ نیست ا پناکیا اپے یاوے فارس صرب المش کردنی خویش آمدنی پیش

د کنی کے مخصوص صرب الامثال کا بے تکان اور برجستہ استعمال آج بھی قاری کو

لطف دے جاتا ہے ۔ ان ضرب الامثل کی وسعت اور قوت تاثیر کا اندازہ کھیے :

جتنا قاعده اتنا فابده

افتاب کو کوئی بغل میں ماریا ہے ؟

آیے بھلا تو عالم بھلا

ين آفت ديكھے ية زلزله _

جَاتِزِ ہوتی سوئی تو کیا شمشیر کے برابر ہوئی.

دل کا ہارسو یاک بروردگار ۔

مرنا مرنا حوکے نا ۔ ایسا مرنا جو کوئی تھوکے نا ۔

١٩٣٥ ء كى اس تصنيف مين زبان و بيان كا ايسا جادوجو بيك وقت داستان كى تكنيك كو مجى سنبحال

اورادبیت کو بھی چارچاندلگئے تعجب خزہے۔

وجی کی سب دس کے بعد جو دکن نٹر کا پہلا اور اور آخری ادبی شابکار ہے ۔ نذہبی رسائل کا وہ سلسلہ شروع ہوتا ہے ، جو حضرت امین الدین علی اعلیٰ سے جاکر ملتا ہے ۔ قطب شاہ کی سرکلہ میں سواروں کے جمعدار حضرت میرال جی خدانما (۱۹۹۵ء ۔ ۱۹۹۳ء) حضرت امین الدین کے مرید تھے ۔ فنافی الشخ کے مقام پر سخ کے تھے ۔ ترک دنیا کر کے اشاعت و تبلیغ کے لیے اپنے آپ کو واقف کر دیا تھا ۔ حضرت میرال جی خدا نما کے تمین رسائل شرح تمہیدات حمدانی دسالہ وجودیہ اور شرح مر عوب القلوب قابل ذکر ہیں ۔

شرح تمبیدات ہمدانی ابوالفصائل عبداللہ بن محمد عین القصالة ہمدانی کی تصنیف ہے ۔ عبداللہ بن محمد عین القصالة نے تمہیدات میں اسرار السیر کے برسی دلیری سے انکشافات کیے تھے۔جس پر علماء نے ان کے قتل کا فتوی صادر کیا تھا اور سلطان سنجر کے وزیر قوام الدین کے حکم سے انہیں (۵۲۵ ھ) میں زندہ جلادیا گیا ۔ یہ کتاب فارس میں ہے ۔ خواجہ بندہ نواز نے تقریباً تین سو سال بعد اس کی فارسی میں شرح لکھی ۔ اور اس فارسی شرح کا ترجمہ میراں جی خدا نما نے دکن میں کیا۔ یہ ترجمہ اصل کے مطابق ہے کہیں کہیں وصاحت و ربط تحریر کے لیے چند الفاظ یا چند جملے اصافہ کیے گئے ہیں۔ ساری کتاب میں سلوک و معرفت کے مسائل کی تشریح قرآن کریم، حدیث نبوی اور شرع شریف کی روشن میں کے گئی ہے ۔ ترجمہ پر فارسی اسلوب غالب ہے ۔ اس کے باوجود زبان سادا اور سلیس ہے ۔ وجی کی طرح خدا نما کے بیال بھی کہیں کبیں مقفیٰ عبارت ملتی ہے تاہم ان کی تحریر من وہ ادبیت پیدا نہ ہوسکی جو وجی کے سب رس من ملت ہے ۔ اس کی وجہ یفنیناً موصنوع کی پابندی رہی ہے ۔ وہاں زبان داستان کو کی زبان تھی جس میں. ادبی شان کا ہونا لازی تھا۔ بیال ندہی مسائل کی گرہ کشائی مقصود ہے۔ ادبیت جس کی محمل سی موتی ۔ ایک چوٹے سے حوالے سے میران جی خدا نمائی اسلوب پردوشی برسکتی ہے : خدا کہیا محد جیسے کچ فرمایا ، سو تمین کرو جھیا ہوں تمنا پر پند کھنے اسے

دوست تمیں قرآن کے حرفال کالے دکھتے ہیں ۔ ابطبے کاغذال پر سو ظاہر قرآن یعنی خدا کیا بامال اس کالے ستراں میں نور کو نا دیکھیں اسے مخلوق کتے ہیں ۔ "

رسالہ ، وجودیہ میں خدا نمانے سوال و جواب کی شکل میں تصوف کے اس فلسفے کی تشریح کی ہے جو بربان الدین جانم اور امین الدین اعلیٰ کے سلسلے کے ساتھ مخصوص ہے ۔ یہ رسالہ مختصر ہے ' مشرح مر خوب العلوب ایک منظوم فارسی رسالہ شمس تبریزی سے منسوب ہے خدا نمانے اس فارسی رسالے کی مشرح کھی ہے ۔ اس رسالے میں بجی وہی دس ابواب ہیں ۔ جو فارسی رسالے میں ہیں ۔ البعت دکنی مر خوب العلوب کے آغاز میں ایک طویل تمہید ہے جس میں آیات و احادیث کی مدسے معرفت کے مسائل سمجھائے گئے ہیں۔ دکنی کے جملے چھوٹے چھوٹے چھوٹے اور آسان ہی

و خدا كاصنت بموت كرنا ، بموت سرانا ، بموت نوازنا رجنے پيدا كياسب عالم كول ، بور بين كيا سب ـ عالم كول ، بور بمنا كول عقل بور دين ديا ب ـ ـ ديدار ديا سب ـ "

خدا نماکی نر جانم اور اعلیٰ سے زیادہ صاف ہے ۔ تغییم کے گنجلک پن سے پاک اور آسان ہے ۔ خدا نما کے اسلوب کی ارتقا پذیر صورت اُن کے مرید اور خلید میراں یقوب کے رسائل میں نظر آتی ہے ۔

میرال یعقوب التی شاعر بھی تھے فارسی پر عبور حاصل تھا۔ میرال یعقوب نے لین مرشد کے فرزند امین الدین اعلی کی فرائش پر شیخ بربان الدین غریب (خلیفہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا) کے مرید شیخ رکن الدین عماد کاشانی کی ایک تلب شمائل الاتقیا کا ۱۹۹۰ء میں ترجمہ کیا۔ شمائل الاتقیا ۲۹۹۱ صفحات پر مشتمل ایک صفیم کملب ہے۔ میرال یعقوب کی نیر سادا اور سلیس ہے۔ یہ روانی سب دس کی طرح چھوٹے چھوٹے جملول کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ زبان

مخدوم شاہ حسینی وہی بزرگ ہیں جن کارسالہ معراج العاشقین ایک عرصہ تک نواجہ بندہ

نواز سے منسوب رہا ۔ مخدوم شاہ حسینی بلکا نور پڑکہ کوتال صلع رائحور کے رہنے والے تھے۔

بلسکانور اُس زمانہ میں سلطنت بیجابور میں شامل تھا ۔ جیسا کہ اور پر بیان کیا جاچکا ہے ، حضرت

مخدوم کو پیر اللہ حسینی سے ارادت حاصل تھی اور پیر اللہ حسینی کو میرال جی خدا نما ہے بیت

حاصل تھی ۔ اس اعتبار سے مخدو شاہ حسینی سلسلہ امینیہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ جن کا زمانہ اواخر

گیار ھویں صدی اور اوائل بار ھویں صدی کا زمانہ ہے ۔ معراج العاشقین کے علاوہ آپ کا ایک

رسالہ تلاوت الوجود بھی ہے ۔ معراج العاشقین اسی رسالہ " تلاوت الوجود " کی تلخیص ہے ۔ اس

میں پانچ عناصر پچیس گن کا نظریہ پیش کیا گیا ہے ۔ یہ رسالہ سوال و جواب کے طرز میں ہے ۔

اتوال آیات قرآن اور احادیث کا اس میں بلا حکان استعمال ہوا ہے ۔ جس کی وجہ سے مسائل انسانہ یوجات کے جس کی وجہ سے مسائل انسانہ یور انسانہ وار فلسفہ ، امینیہ کی تشریح آسان ہوجاتی ہے ۔ زبان سادا اور دلنشین ہے ۔

تصوف اور فلسفہ ، امینیہ کی تشریح آسان ہوجاتی ہے ۔ زبان سادا اور دلنشین ہے ۔

قطب شاہی عبد کے ہمری زمانے میں ایک اور بزرگ کا نام ملتا ہے سروہ ہیں شاہ عابد ہو میں شاہ عابد ہو میں شاہ عابد ہو جو شاعر تھی تھے اور نیژ نگار تھی ۔ انھیں ابوالحن آناشاہ کے مرشد شاہ راہو سے بیعت حاصل تھی۔ نظم ہو کہ نٹردونوں میں عابد کا موضوع تصوف و عرفان ہی دبا ہے ۔ ان کی تصانیف میں گرار السالکین مشہور ہے اس کے علاوہ عابد نے خواجہ بندہ نواز کی فارسی تصنیف "معالجات بندہ نواز "کا بھی اردو نٹر میں ترجمہ کیا ہے ۔

ندکوہ بالا نیز نگاروں کے علاوہ محمد قلی قطب شاہ کے زمانے میں شاہ سلطان اُنی اور علی عادل شاہ تانی شاہی کے عبد میں محمد حسینی معظم بیجابوری کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ شاہ سلطان تانی کی تصنیفات میں ایک دلوان کے علاوہ " درالاسراد " اور " زنجیرہ " دو نیژی تصانیف شامل ہیں۔ درالاسراد کا موضوع کنت کئر مخفی کی تشریح ہے ۔ تشریح کے درمیان فارسی اشعاد آیات اور احادیث کا برجستہ استعمال ملآہے۔ زبان قدامت سے قریب ہے۔

محمر حسینی معظم بیجابوری نے سکندر علی عادل شاہ اور اورنگ زیب کا زمانہ دیکھا تھا۔
دبوان معظم ، معزاج نامہ ، گفتار عقل و عشق ، سی حرفی ، گلرار چشت ، مفتل الاسرار کے علاوہ شرح شرک منطل نامہ بھی ان کی تصنیف ہے ۔ اس شرح سے یہ یقین ہوجاتا ہے کہ شکار نامہ حضرت بندہ نواز ہی کا دسالہ ہے ۔ شرح شکار نامہ میں معظم کی زبان صوفیانہ اور اصطلاحات کی فراوانی کی وجہ سے بوجھل ہوگئ ہے ۔ اس اعتبار سے یہ شرح مسائل کے کھولنے اور تغیم میں اپنا حق ادا نہ کر سکی ۔

شمال ہند میں نٹر نویسی کی ابتداء بار مویں صدی کے نصف اول سے ہوتی ہے ۔ پہلی کلب جو نٹرار دو میں لکمی گئی ہے ۔ وہ فصنلی کی دہ مجلس ہے ۔ یہ کتاب ۱۱۳۵ میں مکمل ہوئی ۔ اس کے بعد محمد حسین کلیم نے ابن عربی کی فصوص الحکم کا ترجمہ قریب قریب اسی زمانے میں کیا ہے ۔ عطاحسین تحسین کی نوطرز مرص مجی اس عمید کی کتاب ہے ۔

دکن نٹرکے اکٹررسائل تراج پر بنی ہیں۔سب رس ایک شاہکار دکنی ادبی کارنامہ ہے۔ جو راست ترجمہ نہیں بلکہ ماخوذ ہے۔ تاہم اس میں طبزاد تصنیف کی شان پائی جاتی ہے۔ نظم کی طرح ابتداء میں بچانور کی نٹر بھی ہندی ہے ہت قریب رہی۔ حضرت جاتم کے رسائل میں ہندی اور فارسی الفاظ ایک دوسرے سے آنکھ محول کرتے نظر آتے ہیں۔ امین الدین اعلیٰ کے بیال فارسی الفاظ ایک دوسرے سے آنکھ محول کرتے نظر نگار فارسی اسلوب کے عادی رہے بین سب رس میں وجبی نے فارسی میں گوجری ، برج بھاشا ، مراجع کو "گھلا" دیا ہے۔

بیانور اور گولکنڈہ دونوں سلطنتوں کے نثر نگار تہذبی و معاشرتی اعتبار سے لینے عصر کے ترجان ہیں اور ملکی اور مقامی عناصر پر زور دیتے ہیں ۔ دکنی دور کے بعدیہ خصوصیت آہستہ کم ہوتی جاتی ہیں اور ملکی اور مقامی عناصر پر زور دیتے ہیں ۔ دکنی دور کے بعدیہ خصوصیت آہستہ کم ہوتی جاتی ہی سوائے "سب رس" کے تمام رسائل، تراجم، اور تالیفات میں صنائع بدر نع غیر شعوری طور پر استعمال ہوئے ہیں ۔ اس دور کی نثری تحریول میں تلمیات، تشبیبات، کہاوتیں اور صرب الامثال بھی مقامی اور ملکی خمیر سے ہی لی گئی ہیں ۔ بیرونی تلمیات میں لیلی مجنول، شیریں فرباد، یوسف زلیخا، خصر، سلیمان بلقیس، ابراہیم "اور اسماعیل" سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے ۔ ساتھ ہی تل و دمن، چندر بدن و مہیار کی تلمیجیں بھی ملتی ہیں جنھیں بعد کے ادب میں یکسر بھلادیا گیا ہے ۔ ساتھ ہی تل و دمن، چندر بدن و مہیار کی تلمیجیں بھی ملتی ہیں جنھیں بعد کے ادب میں یکسر بھلادیا گیا ہے ۔

دکن زبان کی ابتدائی نٹر ی تصانیف ندہبی معلومات اور صوفیانہ مسائل کو عام استعداد کے حامل افراد تک مینچانے کے لیے ایسی زبان میں تحریر کی گئی تھیں ، جسے وہ لوگ باآسانی سمجہ سکتے تھے ۔ یہ تصانیف بولی کو بول خال کی سطح سے بلند کرکے ادبی زبان کا اعتبار عطاکرتی ہیں ۔

دی تراج خاص طور پر فارس سے لیے گئے ہیں۔ ترجموں میں فارس اسلوب نتر کا پر تو واقعے طور پر نظر آتا ہے ۔ ابوالفضل اور ملا ظہوری کا فارس انداز تحریر دکن کے نتر نگاروں کے لیے نمونہ ثابت ہوا۔ دکن میں ایسے صوفیانہ رسائل کی کمی نہیں جو مکالموں کی شکل میں لکھے گئے ہیں ان میں بعض اوقات گفتگو کا غیر رسمی انداز بھی ملتا ہے ۔ کمی کبھی مسائل تصوف کو ذہن نشین کرنے کے لیے صوفیانے حکایات کا وسیلہ اختیار کیا ہے ۔ دکن مصنفین نے بعض ذہن نشین کرنے کے لیے صوفیانے حکایات کا وسیلہ اختیار کیا ہے ۔ دکن مصنفین نے بعض اوقات فارس میں مروج عام محاوروں کا لفظی ترجمہ کرلیا ہے ۔ جس کی وجہ سے دکن زبان کی لفظیات میں گراں بہا اصافہ ہوا ہے ۔ ان مصنفوں کے بیاں ملک کی تہذیب و تحدنی روایات

ہوتا ہے ۔ بربان الدین جانم کے بعد ایسا لگتا ہے کہ دکنی مصفین و مرجبن اور بررگان دی کا

سابقد عوام کے علاوہ اس عبد کے رہھ لکھے قاری سے بھی رہنے لگا تھا۔ اس لیے زبان و

بیان س تبدیلی کا آنا صروری موگیا تھا۔ چنانچہ محمد ابراہیم (مصنف انوار سیلی مولفہ ۱۸۲۲ ، مطبوعہ

١٨٢٣ م) تك آتے آتے ذبان اور طرز بيان خاصا برنكلف موكيا ہے _ _

سے گرے دشت کا احساس ہوتا ہے کو دوسری جانب مشرکہ تہذیب کے جالیاتی نظام سے

وابسكى كابة چلتا ہے ، عبد به عبد اساليب كى تبديليوں اور تكنيك كى بدلتى مونى صور تول كا اندازه

لطف النساء امتیآز اردوکی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ

دکن اردو ادب کی جنم بھوی ہے ۔ اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر بیال پیدا ہوا۔
اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ اشت آز کے مرزوبوم ہونے کا انتیاز بھی اس کو حاصل ہے ۔
کل کی تحقیق نے ماہ لقاباتی چندا کو پہلی صاحب دیوان شاعرہ کا رہبہ عطاکیا تھا گر سرچ کی تحقیق نے لطف النساء امتیاز کے سرچ اولیت کا تاج رکھا ۔ چندا کا دیوان ۱۲۱۳ م ۱۲۹۸ء میں پہلی مرتبہ مرتب ہوا جو انڈیا آفس، لندن کے کتب خانے میں محفوظ ہے ۔ اس کا دوسرا نعد میں موجود ہے ۔

التیاز نے صرف ایک سال کی اولیت سے ماہ لقا کو مات دی ۔ التیاذ کا دلوان ۱۳۱۲ میں مرتب ہوا ۔ کتب خلنہ سالا جنگ میوزیم میں اس کا قلمی نیخہ موجود ہے ۔ اس نانے میں تمنا ، تملی ، شوق ، احسان ، شادال اور بیان وغیرہ کے خرو تمن کا دکن میں چرچا تھا۔ التیاز کے دلوان میں تقریبا تمام اصنافِ خعر یعنی غرابات ، قصائد ، محس ، مثمن ، مسدس ربامی ، قطع ، شنوی اور مناقب وغیرہ لئے ہیں ۔ اس دلوان کے علاوہ ایک اور طویل شنوی لئی سے جو چے ہزار سے زیادہ اشعاد پر مشتل ہے جس کا نام ، گلتن شواء ، ہے ۔ یہ شنوی سدیسین علی خال صاحب مرجوم کے کتب خلد میں موجود تھی ۔ ان کے انتقال کے بعد یہ شہری اس کتب خالہ کاکیا ہوا۔

(۱۵۹) منفات کے اس داوان س (۱۸۲) خولی (۹۵) منفات پر جمیا ہیں۔ یہ خوالی دور ترسیب کی الله میں پرونی گئی ہیں گر کسی کسی ترسیب می فاق بی آگیا ہے ، جیسے

"ب " کی ردیف میں " پ " اور " ر " میں " ڑ " کی غزلیں مل گئی ہیں ۔ غزلوں کے بعد ٢٣ متفرق اشعار ہیں تھر پندرہ (۱۵) رباعیات ، پانچ (۵) قطعات ، چند مخمس ، مثن ، نعت اور حمد ہے ۔ اس کے بعد ایک "عرصی بجناب امامت پناہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور ایک فارس نعت ہے۔ عاقبت کے ساتھ ساتھ کچھ تو دنیا بھی بنانا رہن ہے اس کے اب آصف جاہ ثانی (نظام علی خال) کی مدح میں دس قطعات اور جھ قصائد آئے ہیں ۔ مچر (۲۲۱) اشعار رہے مشتمل منتوی اور ایک فارسی نظم ۔ دنوان کاخاتمہ دنوان کی تاریخ پر ہوا ہے جو درج ذیل ہے۔

حوِل از کنیز حضرت ِ خاتوں دریں زباں اشعار تازہ جمع شدہ · دل شگفتہ شد ازروئے مین سال ہمالون ای کتاب دلوان امتیاز بخوانیہ ، گفتہ ثد کئی اور عظیم الشان ہستیوں کی طرح امتیاز کے حالات ِ زندگی بھی ابھی بردہ خفا میں ہیں . جو کھچ حالات معلوم ہوئے ہیں وہ دیوان میں شامل مثنوی اور " گلشن شعرا "سے اخذ کئے گئے ہیں۔ جناب نصیرالدین ہاشی نے اپن مرتبہ فہرست (کتب خانہ سالار جنگ) میں دلوان امیاز کے متعلق لکھا ہے :

"التيازدكن كاشاعرب ، بم كونهيل معلوم اس كا نام كياتها ، اوركس كاشاكرد تھا، کسی قدیم اور جدید تذکرے میں اس کا حال درج نہیں ہے ۔ اختتامی شعر میں لفظ "كنير" آيا ب اس سے خيال موتا ہے كه مكن ب انتياز كوئى شاعرہ ب لینے مضمون "اردو کی پہلی صاحب دلوان شاعرہ لطف النساء امتیاز کا دلوان اور منتوی گلٹن عشق شعراء " مشمولہ د کھن (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مصنامین " میں مولوی نصیر الدین ہاشی نے دیوان لطف النساء کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔ اسی مضمون میں گکش شعراء کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ " امتیاز تخلص شاعرہ کا نام لطف النساء تھا " م

تیرے شعر کا شہرہ تا روم شام حبال میں سبت اس کا ہوگارواج ہے سب اہل ہنروں میں توشاہ باز

جولطف النساء سي ہے تيرا نام عجب قصہ نادر بنائی ہے آج تراجو تخلص ہے اب امتیاز

دلوان میں جو متنوی ہے اس میں شاعرہ نے اپن زندگی کے حالات قلمبند کئے ہیں ۔ لطف النساء سوا سال کی تھی کہ والدہ کا انتقال ہوگیا ۔ شفقت پدری سے بھی کچ دنوں کے لئے محروم دی ۔ غیروں کے گھر میں پرورش پائی ۔ ان لوگوں کے کوئی اولاد نہ تھی ، امیر گھرانہ تھا مال و دولت کی کمی نہ تھی ۔ بڑے ناز و نعم اٹھائے گئے ۔ زیور تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا گیا ، جب قسمت جاگی تو گمشدہ باپ بھی مل گیا ۔

سوا برس کی بے شبہ تھی یہ جال که اول جدائی کیا بای اس ہوار ورش ہائے اغیروں کے سات موئی ان به دن عمد شب، شب برات زر و مال کیا تھا تصدق تھی جاں کئے رپورش وہ جو یالی تھی ماں وہ ہوتے تھے صدقے یہ دیکھ حال تھے یه اولاد تھی ان کو اور آل تھے . ترمینا و رونا مرا کام تھا یه پیه مجه کو معلوم انجام تھا کس سے یہ دیکھا نہ جاتا عذاب سجی گھرکے تھے لوگ بے صبر و تاب یلے صد کے آگے مذکس کاعلاج بنا آکے صد سے می نازک مزاج گویا چرخ کج رو کو قائل کئے برما اور لکھا کر ہے قابل کئے ہزار آفتوں سے لئے تھے مجھے وہ کیوں کر جواس طور پالے مجھے قبيله ي ميرا تفاكيم مزار وہ غم باپ و مان کا مجھے بے شمار چھڑایا یہ ملک اور املاک سے کیوں کیوں یہ میں جور افلاک سے دنوں سال بعد باب آکر لے کھ کی اترہا آکے لئے گے کہ قبلہ ہے میرا یاکوئی غیرے ری نا شناسائی ان کی محجے يه کچ شعر و اشعار کا مشغسله الرمكين سے بيا شوق دل نے كيا ہوس اوں می چپ کھنے سننے کی تھی لیاقت تو کیا شر کھنے کی تھی

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ انتیاز کا مزاج بجین سے ہی شاعرانہ تھا اسد علی خان تمنا جسیا استاد سخن شوہر ملا تو ظاہرہے ان ہی سے اصلاح سخن مجی ملی ہوگی۔

انتیاز کی تاریخ پیدائش یا سنہ وفات نہیں ملنا ۔ ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب " دکھنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مصنامین "(ص ۱۰۸) میں لکھا ہے کہ :

" چھتیں برس کی عمر میں دلوان مرتب ہوا ، حوِنکہ دلوان ۱۲۱۲ ھ (۲۲۹۹ ء) میں مرتب ہونے کی صراحت کی گئی ہے اس لئے المتیاز کی پیدائش ۱۲۹۱ ھ (۱۲۹۲ء) قرار دینا ہوگا "

مثنوی میں صرف دو شعر الیے ملتے ہیں جن میں چھٹنیں (۳۹) کا عدد آیا ہے۔ جس سے چھٹیں سال کی عمر میں دیوان مرتب ہونا اخذ نہیں ہوتا ۔ اس سے صرف بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیاہتا زندگی کے چھٹیس سال بعر شاعرہ کے شوہر تمنا کا انتقال ہوا ہے ۔ مثنوی کے اشعار ملاحظہ ہوں ^ہ

کہ تھا حیث آبو و ایرو کمال سخن کے اقالیم کا شہر یار برادوں ہیں رنگ کے وہ تازہ بیال تھا عرصے میں شعب داکے چابک سوار وہ سب ماہ روؤں کا تھا آفتاب اسد تھا علی کا ، تھا رو ماہ رام کہ جس پر بول آنکھوں سے میں خول فعال یا میری گردشس کو سب نے کیے بوا بات کر جس وقت ایسا ہے جا سورہا

نہایت شکل و جمیل کی جوال کمیت شر کا اتھا شروار کہ تمے شرواشعاد کے گل دہاں اسی نے کیا شعر ہے آبدار مجب خوش ادا تھا نزاکت آب اس نوجواں کا تمنا تھا نام حسین و عجب نازئیں خوش جوال کہ احسالا و ادنا سمی مل مجمج جوگردش سے اس چرخ کی وہ جوال نہ بھٹ کر زمس کا کلیج گیا

سو برباد میں مجر میں یہ کیا کیا کرو دور گردش برائے نی اٹھاجوسٹس کر دل میں غم کاوفور یکب ارگ بلئے دھوتی گئ جباز آہ دل کا ہے کرزاں ہوا میراعثق ہے سال چھتیس کا کہ اس چرخ کو چرخ دلو یاعلی کیاششہ دل کے تئیں پیس حور مشقت برسس بائے چھتیں کی جگر کے ہے دریا کا طوفاں ہوا

اسد علی خان تمناکا انتقال شادی کے چھتیں سال بعد (۱۵۸۹ء) میں ہوا اس طرح ۱۱۹۸ھ م (۱۲۵۴) شادی کاسنہ جو تاہے ۔ اس زمانے میں لڑکیوں کی شادی کی زیادہ سے زیادہ عمر عمواً تیرہ حودہ سال بوتی تھی۔اس لحاظے اندازاً انتیاز کاسن پدائش ه١١٥هم یا ١١٥٣هم بوسكانے۔

اس شنوی سے دلوان کے اشعار کی تعداد اور سنہ تصنیف کا بھی اظہار ہوجاتا ہے اور

انتیاز کے نام میں "لطف" شامل ہونے کی طرف بھی اشارہ لمآہے بھلا جو ہوا سے ہوا لطف ہے

تو ہبر ہیں بزرگال نظر مہرے چلا ہے مگر چھوڑ کر یادگار بزرگوں کی ہخر میں ہو روح شاد کہ کیوں لطف سے بن گیا امتیاز مخس ۱ ،گر ریخته جو بوا جوئے دو **بزار ساٹھ اور ایک** سو ہوئے کی ہزار دو سویہ بارا جاں

تو ہے باغباں نخل بند گل عذار ہے مقصد سی جان و دل کی مراد يه لاوس فم تنس دانائ راز مناقب تصائد مدح برجو لكحا بي تعداد_ِ ابيات دلوان جو

کیاس ہے ہجری کوجب میں عیاں منتوى و ككن شعرا " سے واضح بوما ہے كه امتياز شاہ عطاء الله كى مربيه تمى جو شاہ امين الدين على اعلیٰ کے بوتے تھے ۔

شراب محبت سے بے ہوش ہے عطاء الله سيح ميرے مرشد كانام وہ علسم حقیقی کے ہیں مجتہد تو عشق حقیق سے مہوش ہے عطا وہ کئے معرفت کا کلام اس الدين اعلى جوبين ان كے جد

جہاں تک زمیں ہے وہاں تک امیں ہیں سب اولیاؤں میں مثل نگیں ہے اس مثل نگیں ہے ہیں سب اولیاؤں میں مثل نگیں ہے ہیں سب اولیاؤں میں مثل نگیں ہوتاہ علی ہے اللہ مثاہ علی ہے اللہ مثاہ علی ہے اللہ مثاہ علی ہے اللہ مثاہ علی مقابی و نقلی ، ظاہری و باطنی کے ماہر تھے ۔ آپ کی قابلیت اور تقدس کا اظہار آپ کو دیکھتے ہی ہوجاتا تھا ۔ حس صورت اور حس سیرت کے جوہر سے آداستہ تھے ۔۔۔۔ آصف جاہ آپ کے بڑے متقد تھے اور بڑی عرت کرتے تھے ۔ محلات ہی کی کئی بیگمات شاہ صاحب کی مرید ہوگئیں ۔ اعظم الامرا ارسطو جاہ کو بھی آپ سے اعتقاد تھا ۔ شاہ عطاء اللہ حیدر آباد سے کر نول گئے اور کر نول میں میں شاہ صاحب کی مرید ہوگئیں ۔ اعظم الامرا ارسطو جاہ کو بھی آپ سے اعتقاد تھا ۔ شاہ عطاء اللہ حیدر آباد سے کر نول گئے اور کر نول میں میں میں شاہ صاحب کا انتقال ہوا ۔ " (ص ۱۸۳)

لفظف النساء امتیاز کو ماہ لقا چنداً پر ایک اور طرح سے اولیت حاصل ہے ۔ ماہ لقا نے صرف ۱۲۵ غرابی لکھی ہیں اور ہر غزل میں پانچ پانچ شعر ہیں۔ اس طرح اس نے جملہ ۱۲۵ شعر ہی کے ہیں گر انتیاز نے پہلے صاحب دیوان شاعر (محمد قلی) کی طرح ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے جس سے اس کی شاعرانہ صلاحتین اور آرگوئی کا ثبوت ملاہ ہے۔

امتیاز نے قصائد بھی لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں۔ ان میں تشبیب و گریز مدرح اور دعا سب کھیے ہے۔ گر زبان زیادہ تر دکنی ہے۔ مبر طور شوکت الفاظ ور فعت تخیل جس میں قصیدہ کی برتری کاراز مضمر ہو التیاز کے ہاں موجود ہے۔ مثال کے طور چند اشعار ملاحظہ ہوں جو مختلف قصائد سے لئیے گئے ہیں شکر صد شکر خدائے کارساز بندگاں کس مزے سے بھر کیا دل ہائے عالم شادماں ہو خوشی سے بھی صدائے تہنیت سب خلق نے ہو خوشی سے بھی صدائے تہنیت سب خلق نے شاد ہو سپنچائے نیکی از زمیں تا ہماں صاف ہو رنگس جین دل کے بھی سب تازہ ہماں

کیا نگلوفے گل و غخوں کے ہے لائی ہر وہاں

ہر زبال گل رہز ہے وصف شاہنشاہ میں حق سلامت تا قیامت رکھے اسے شاہ زمال بو کوئی شاه شمال یا محن و جواد ہو زیر فرمال ہو کہ تیرا ہی مطیع منقاد ہو دو جال کے ہو مقاصد ہر ہے تو شاہنشہا خاطر دل خواہ تیرے سب طرف سے شاد ہو رہوے جاری تو مثنائے لکھ منہ سے حشر تک کیا فرشته کیا میں رو ، کیا می آدم زاد ہو جس طرح سے ہے بزرگی عرش کو رفعت کے ساتھ سلطنت کو تیری ایے طرز کی بنیاد ہو ہے سکندر تو ہمارے عضر کا لاشک و ریب عم کا رشتہ تری جبوں رشتۂ فولاد ہو تو سلیماں وقت آصف کادفرائے جال عدل و اصال سے تربے سادا جباں آباد ہو داد و فریاد رسی ہے نائب خالق ، سمجیح چلهئے مخلوق بر تیرا کرم ایزاد ہو ہی جاں تک انس و جال ماح ہیں تیرے ما**م** سرح من تیری خول کو مجھ سے اے ایجاد ہو مدھا ہے ہے کہ کینچ کعبتہ اللہ المیاز حرف دخصت اب زبان خاص سے ادشاد ہو

الک محس پیش ہے جس سے اس دور کے حالات کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور محس کے رنگ کا بھی م

ساقیا برم میں تم ان کے جو تیاد ہوئے ہم تو اس دور ، تمحارے میں ست خوار ہوئے کیا بھلا ایک ہی پیالے کے گناہ گار ہوئے ناحق اس درد مصیبت کے گرفتار ہوئے فرقت منے سے زبس دیدہ ، خونبار ہوئے

اور پوی بی ، ربی ترستے ہم بی کچ تو انساف ہی فرا کہ سسکتے ہم بی نشہ ، ہوش میں سب سر کو پیکتے ہم بی خسرت افسوس کنال بائے تربیتے ہم بی باعث اندوہ و غم کے بی تم اب بار ہوئے

یہ نہیں شرط و مردت کہ سنو ہم سے تم ذرہ ذرہ ہے ہوا مبر یہ لے جام کرم آہ کس آنکھوں سے دیکھیں کہ تماری ہے قسم ہم کو جھوٹے ہی نہ لوچھو تو یہ کیا ہے گا ستم کیا وہ تقصیر کئے جس کے سزاوار ہوئے

رند بدنام ہی ہو ہم تو جباں میں کہلائے یہ رجا ہم کو مذتھی جو کہ یہ تم نے دکھلائے کہ تو اب جان ہماری سے کونے سکھلائے روساہ بلئے رقبیوں نے کیا یہ می بتلائے کرکے برباد بی الفت کو دل آزار ہوئے

جان کے ساتھ گلی ہے ہمیں مینا کی طلب زندگی سے تھی مقدم ہوئی مینا کی طلب کیا ہوا تم کو نہیں عاشق رسوا کی طلب امتیاز اب تو کیا جان نے صحرا کی طلب ہم تو سب چھوڑ غلام حدد کرار ہوئے

ایک مسدس کے چند بند ملاحظہ ہوں 🗝

س دل سے مصطفے کا جاں فداہوں باصفا شير يزدال حبابِ میں بندہ ء خيرالنسا يي بر دم كيول گا اور كيا بول ابل بيت مصطفے ہول مرتفني خاندان ب ہوں ربعوں جاکر سی میں عارفوں میں گا بیٹھ کر اب عاشقوں

سناؤل جا کے بزم کالموں میں کروں تکرار سارے شاعروں میں محب اہل بیت مصطفے ہوں غلام خاندان مرتضے ہوں

ڈروں رندوں سے نامستوں سے کچ بجی فراب شوق ان کے یاں نہیں پی اگر آوے کوئی لینے میرا ہی زبال سے یہ نکل جادے گا تب بجی خباب مصطف ہوں مصطف ہوں غلام خاندان مرتفیٰ ہوں غلام خاندان مرتفیٰ ہوں خاندان مرتفیٰ ہوں

کرے ہے امتیاز اب عرض تم سے

دل پرُ غم سے اور اس چشم نم سے

نکالو یا علی اس بحر غم سے

مبر اک دم میں رکھو جاری یہ دم سے

محب اہل بیت مصطفے ہوں

غلام خاندان مرتصنے ہوں

غلام خاندان مرتصنے ہوں

انتیاز نے ایک مثن بھی لکھا ہے جو آدم کی کہانی ہے۔ اس مثن کے ہر بند کا آخری شعر فارس، ہے ۔ مثن سے کمچ بند پیش کئے جاتے ہیں: ا اساط حاسمہ سالت کے ساتھا

یا اس طرح سے میرے لئے بے قرار تھا پہلے تو سی گنوا کہ پھر کون یار تھا عالم میں سب جگہ ہی عجب پر بہار تھا جو دیکھے میرے ساتھ وہ کہنا پکار تھا یہ وہ کہنا پکار تھا یہ وہ کہنا پکار تھا یہ وہی شخص ہے ، نہ کہیں جس کو بار تھا سارے جہان میں ہی جو کم اعتبار تھا یا ایں زبال بہ بین در آفت جو باز کرد یر روئے خلق آہ عجب فتنہ ساز کرد

میں نے لینے ہوش و خرد دے ، تو جی لیا

ایتے جبال سے ایک خریدار میں ہوا

کھر بعد ساری خلق نے نشو و نما کیا

یہ مجمی نہ آیا دل میں ترے ، حیف بے وفا!

کیا کیا جفا و جور و ناز و ادا سہا

خون جگر کو ان نے مئے ناب کر پیا

افسوس ایں جگر کہ در آتش کباب شد

افسوس ایں جگر کہ در آتش کباب شد

اذ بوئے او شدیر و عالم خراب شد

کیے مرے نصیب بنایا تھا اے الد میں اس جفا کا مارا ہوں جاکس سے داد خواہ جو کوئی بوچھے مجھ سے تو میں کیا کیوں کہ آہ لیو نہیں لکھا تھا غم مری قسمت میں واہ واہ چاہوں کہ جا چھوں کہیں اس دکھ سے نیں پناہ لیا گناہ لیے میں آپ دنگ ، کیا ایسا کیا گناہ

کز تبر آن جدا شده ساقی و جان من. اوہم نمیید زمئے ار عوال بہ من

وہ عیش وافر ہو ہمیں متدام تھا
اس بجر روسیہ سے نہ کچھ ہم کو کام تھا
دیں سیر باغ و دلبر و ساتی مدام تھا
کیک دہر ہے انتیاز ہو وہ اختشام تھا
کیہ دے صبا کہ اتنا ہی اس کا پیام تھا
جو تو نباہتا اس سے تو تیرا ہی نام تھا
حالا تو انتیاز محبت کن
حول جال بہ تن در آئے کہ یا بوے در جمن

امام المثارق والمغارب حضرت علی علیہ السلام کی ایک منتبت ہے جس کا مطلع ہے ۔ اے وصی مصطفے ہو صاحب لولاک کے علیہ علیہ علیہ کا مطلع ہے ۔ حکم پر ہیں جن و انس اور ساکناں افلاک کے

مدکے تین شعر:

خاک کو اشرف کیا 'کن نے ؟ اولے ۔ ذات کو جلوہ گر اوسمیں کیا کن نے ؟ اولے ۔ اوسکی توحید کئی سے نہ ادا ہوے ککن فعر و اشعار و شاعر کیا کن نے ؟ اولے ۔ المَيْازَ ہوئے ہمیں یہ چشم بینا دیکھیں ہر شئے میں ظہور کیا کئے ؟ اولے

قطعات.

زلف بل دار کو دل اپنا نه دینا ، سو دیا مسر په بیه کال بلا بائے نه لینا ، سو لیا دوستو ! دیکھیو کیا آن بن ہے جی پر عشق کا زہر مجرا جام نه پینا ، سو پیا

غرض کھنے میں آنہیں سکتی جو کہ حالت ہے دل ہمارے کی ہم کو کس چے و تاب میں ڈالا داؤ دیتے ہو ہت تمحارے کی

ایے چیج شراب اے رندو میکشی کا مجمی نام رہ جادے کیا مزا ہے جو میکشی میں مری شیشے رودیں ہنتا جام رہ جادے

سخر میں ایک فارس منقب مجی محت موالے متعیان علی علیہ السلام میں ملت ہے جس سے پت چلتا ہے کہ شاعرہ کو فارس میں مجی انجی خاصی دسترس تھی ع

اے نوردب العالین اے جان ختم المرسلیں اے زیبدہ عرش بریں اے رہنائے عاشقیں تو پيشوائ سالكي طلل مشكل مومنين المقلس التين ال

جس طرح قلی کے کلیات میں مقافی رنگ ملتا ہے اس طرح امتیانہ کے دنوان میں بھی اس کی جھلکیاں نظر آتی ہیں ۔ امتیانہ نے " بسنت " رپر کچھ شعر اور " ہول " رپر ایک نظم لکھی ہے ۔

"ہولی"

دیکھلائی کس مزے سے اب کے بہار ہولی
کھیے ہیں سب جمع ہو کیا گل عذار ہولی
سادی پری رخال مل ، کسی مجائیں دھویی
دنگ ذرد و سرخ لے کر کھیلیں نگار ہولی
سونے کی تھالیوں میں دکھ کر عبیر و ایرک
مجر موٹیاں ہے تھیکیں کرئے پکار ہولی
شیٹوں میں زعفران کا دنگ شہاب بھر کر
اوپر سے مقمول کے ہے بار بار ہولی
جب داگ کا سماع کر گاویں ہیں کس ادا سے
خب داگ کا سماع کر گاویں ہیں کس ادا سے

امتیاز نے بڑی طویل بحروں میں بھی عزلیں کی ہیں۔

یہ وہی ہیں دل چاک جو آکے بیٹے ہیں تم پاس کرتے ہیں باتیں مٹھائی سے سیٹی ہماری سخن تم کو گئی ہے کڑوی نصیحت کی باتیں ہمیں اب نہ سمجھو ہے جانال چکوروں کی باتید

ہوا ہوں میں مقتول از بس کہ نیلی نگاہوں کا ، سر کو پکٹا ہوں باتد مجنوں سنا سرگزشت اپنی صحا میں ساری غرالوں کو حیرست میں لاکر دلاؤں انتیاز کے کلام میں زندگی کے ہر پہلوکی تصویریں پوری کاسیابی سے ملتی ہیں۔ اخلاق و موعظت کی سخیدگی ، فلسفہ و تصوف کی پاکیزگی ، عشق کی موشگافیاں ، مناظر قدرت کی سحرطرازیاں ، واردات و کمیزیات ، درد و الم ، کیف و سرور ، یاس و حربال ، لذت و مسرت اور رنج و حسرت سب پر اظہار خیال کیاہے ۔

مطالب کی روانی و سلاست بے تکلفی و بے ساختگی در دو ترمپ، تشبید و استعارہ ، صنائع و بدائع و بدائع و بدائع و بدائع سے بھی اس کا کلام خال نہیں ۔ تصوف ہمارے شعر و ادب کی جان ہے ، عشق مجازی سے عشق حقیقی کا حصول صوفیائے کرام کامترک اصول تھا ۔ امتیاز کوئی صوفی شاعرہ نہیں لیکن پھر بھی اس کے کلام میں کئی صوفیائد اشعار ملتے ہیں اس کے کلام میں کئی صوفیائد اشعار ملتے ہیں اس

دل ''آدم ہی جو آئیننہ سرکار بنا پر توئے ذات تحلی سے جلا دار بنا

عنقا مثال ہم تو بے نام بے نشاں ہیں گرچہ جباں ہیں ہی ہم نابود پر جباں ہیں

توڑ مت دل کے تیں خانہ خدا کہتے ہیں محتب یار کا یہ جلوہ نما کہتے ہیں واہ واہ کیا ہے مزا اون نے بنایا خاک میں جلوہ گاہ خاص ہی کو کردکھایا خاک میں

نہ ہے کعبہ میں بہ بت خانے میں دونوں جہاں خالی کوئی لبیک میں کوئی ناقوس میں حیراں ، اللہ !

آنگھوں میں تیرے حن کی اب جلوہ گری ہے دیدار کے وعدہ کی نجی کیا وعدہ گری ہے

شیشہ دل میں ہمارے وہ رپی رہتی ہے عقل انسال کی جبے دیکھ دھری رہتی ہے

نہ محمجہ کفر کو کیا ہے نہ کچھ جانے مسلمانی ہمیں دیر و حرم یکسال عبث سب کو ہے حیرانی عام طور پر عور تیں مردول کی نسبت کچھ زیادہ ہی ندہبی ہوتی ہیں خواہ کسی پیشہ یا کسی مجمی طبتے کی ہوں۔ ماہ لقابانی چندا کی طرح انتیاز نے مجی تقرباً تمام مقطعوں میں حضرت علی درسول پاک صلح ،حضرت امام حسین ،اور عوث اعظم سے عقیدت کا اظہاد کیا ہے .

التیاذ اب ترا لقب ہم نے جال فدائے ابوتراب کیا

امتیاز ہے گی سی عرض جناب اقدس اب گنم بوے معاف اے شہ شاہاں مرا بلالو اب نجف میں انتیاز ہے یا علی مصطر دکھاؤ اب کرم سے اس کے شیں ہردم مزار اپنا

احوال امتیاز پہ روز جزا میں تم ان چشم پر نجات سے یا پیر دیکھنا

انتیاز اب تو تصدق سے بی آل بی شکر حق دل سے محب حدید کرار بنا

امتیاز کس سے توقع نہ رکھ حضرات سوائے کیوں کہ ہے دونوں جہاں میں وہ وسلہ میرا

انتیاز اس جان کو ہمراہ دے سوئے نجف پیش کش کر شاہ کے پیغام بجھوانے کے سات انتیاز کے کلام میں درد کا عضر بھی پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ خود کہتی ہیں:

شر کینے کا سلقیہ نس ہے انتیاز ہے گر احاکہ یہ رکھتا ہے تک عم کا تراش

ب وغم، حسرت و يام ، اشك والم من دوب موسة كى اشعار دلوان من ل

آنسو کی جگہ لوہو برسے ہے یہ آنکھوں سے ڈرتا ہوں کہ ان سے ہی طوفان نکلتے ہیں جاتے ہیں ع

کس کے آگے کر گریباں چاک غم اپنا کہیں جو سے ہے ایک شر منہ پھرا جاتا رہا

خوانوں میں ہے نظروں کے بھر اشک کے دو گوہر لے لیکے ہر اک جا سے سامان نکلتے ہیں

آتا ہے جی میں ترک می دنیا کو کیجے رکھنا یہ بند طوق جہاں کا گراں عبث

معلق آسمال کیوں کر کھڑا ہے ستوں جا آہ کا میری کھڑا ہے

آنکھیں تو انظار میں تج کیں نگار کے ہوں جاں بلب میں آج نہ آویگا جب تلک

ہے میں انصاف ساتی اب تمہارے دور میں ہم سسکتے ہی رہنے ہیں اور سب پی کر اٹھیں

ہمارے اس طرح رونے کے اور یہ بنسو ہرگز دوباکر لوٹ میں آنسو کے ، عالم کو ہماویں گے کہاں تک مثل بسمل انتیاز اب آہ ہم تڑییں ہمیں تو ذک بھی کرتا ، نہیں جلاد ، یا قسمت امتیاز کے کلام میں اعلیٰ اخلاق اقدار کی بھی کی نہیں ۔ وہ دشمن سے بھی دل میں کید نہیں رکھتی۔ اے انتیاز دشمن ترا فلک ہے لازم تھے ہے دل میں ہرگز یہ رکھئیو کینہ

> ہزاروں شکر ہے ناصح نہیں محتاج سوزن کا مراچاک گریباں بھی یہ سلوانے کے کام آیا

> > صنط عم کی مثال 🗝

اس جور اور جفا پر شکوہ کسی کے آگے ہرگز کیا نہ گرچہ معجور ہورہا تھا کلام کی بے ساختگی، سادگی اور روانی کلام ملاحظہ ہو

سینے سی جب آبول کے ممان لگلتے ہیں آنکھول سے میری آنو ہر آن لگتے ہیں

جاتا ہے جان تن سے نکل اب تو آئیو قاتل ضدا کے واسطے کک منہ دکھائیو

منت میں جان دیے ہم پس دیوار مین کس نے پرشس نہ کیا کون تما بیمار کمن نہ تھے ہم آشنا گرچہ مقرر فلط گوئی ہے کیا اللہ اکبر چھوڑ دے صیاد ہم کو ورنہ توڑیں گے قفس

پور دے صیاد ،م تو وریہ توری ہے ہی فصل گل نوں مفت جائے اور رہے باقی ہوس

محتب سنگ ستم ہے کر تو خوف کبریا کیوں مرا مینائے دل کرتا ہے ظالم چود چود حور جس دن سے کیا سجدہ صنم کو مرے دل نے

جس دن سے کیا حجدہ صنم کو مرسے دل نے اسلام کیا ترک ہے زنار سے الفت

میں تو شکوہ نہ کیا اپن زباں سے یارو دیکھ روتے ہیں سبھی حال پریشاں میرا

گر نہیں منظور جینا ہی میرا تو نزع کر ہے او مختا ہو مختا

نہیں اعتبار اس کو ہرگز میری وفا کا جس جاگرے پسینہ وال گرچہ خول فشال ہوں دیر پر سے گر گزر ہوئے صنم تو کیا عجب رہمن تو کیا کریں سب صاحب بخانہ رقص

تم اٹھو لقمان و افلاطون بالیں سے میری کچے نہیں ہے دل میرا ایسی دواؤں کا مریض

کیا مزا ہے عثق کا اس کو چکھا بھر آگ سے فاک کو میں خاک کر کر کیا جلایا خاک میں

ہم تو سر دے چکے ہیں اس راہ میں خاکساری قبول بسم اللہ

بہار آئی ہے ہم شور جنوں میں ہیں اسے ناصح کوئی اس وقت میں احمق گریباں کو سلاما ہے

شوختی کلام کی چند مثالیں پیش ہیں:

روٹھو گے بلاسے ، ابی روٹھ جاؤ ، دفع ہو اب کاش کہ تم مجم کو برا مان مذ پھیڑو

ڈال تیوری کو چڑھاتے ہو سوں غصے ہو کیا نے طور نکالے ہو صنم ، عالم سے انتیاز نے جہاں کہیں محبوب کا ذکر کیا ہے وہاں پس پردہ اکثر تمناً ہی نظر آما ہے م جامہ زبی و ادا سنی و ناذک بدنی کیا اسے شعر سمجھنے میں سخندانی ہے رہا منٹیں امتیاز اب سکنگو کا مرب صاحب ہو تم تو اب سخنور

"گُٹن فنعرا " ایک ضخیم متنوی ہے ، جس سے اعلیٰ تخیل اور شاعرہ کی بڑ گوئی کا اندازہ ہوتا ہے۔ افتیاز نے بتادیا ہے کہ تصد فرصی ہے ۔ اور اسے عشق حقیقی کی تفصیل کرنا مقصد تھا۔ مثنوی ، حمد سے شروع ہوتی ہے ۔ نعت اور منقبت کے بعد مناجات ہے ، مناجات میں ہی مثنوی کے نام اور دیگر تفصیلات کا ذکر ہے ۔ مطلع کے بعد مناجات کے کچے شعر پیش کے جاتے ہیں م

کھوں کیا وصف میں اس کریا کا ہے صاحب عرش اور تحت الری کا

کری اس کو پند سادے سخنور
سخن یں خوب جرات دے اے داور
نظر پھیری جو اس پر ہوش مندال
طرافت سے نہ ہوویں نکتہ چنیاں
سبے اس میں عشق کا آغاز و انجام
سبے اس کا "گشن شعرا " دیکھ نام
سب اس کا "گشن شعرا " دیکھ نام
سکرے جو اجلیا اس کمنوی کا

ہمیں خواہش ہے اس منے کی اے ساقی رہے تا حشر متی جس کی باقی

اس کے بعد عشق کی مدح سرائی کی گئے ہے جس میں دو ڈھائی سوسے زیادہ شعر کھے گئے ہیں۔
اس سلسلے میں اپنے بادشاہ آصف جاہ اُنی اور ارسطوجاہ کی تعریف ہے ، پھر قصہ شروع کیا ہے ،
قصہ وہی قدیم طرز کا ہے ۔ سح ، جادو ، دیو ، رپی اور قالب کی تبدیلیاں وغیرہ جو داستانوں کے لوازم
ہیں بیاں بھی ملتے ہیں ۔ مختصر قصہ یہ ہے ۔

« ایک بادشاه تھا اس کا نام فیروز بخت تھا ۔ اس کا عدل و انصاف رحم و همدردی سخاوت و شجاعت مبت مشهور تھی ۔ ایک رات محفل عیش و نشاط سجائی گئی ۔ صبح جب نغیہ و پایل کا سر ٹوٹا توسب کو ہوش آیا ۔ سب نے دیکھا بادشاہ بت کم سم ہے ۔ لوگوں نے لکھ بات کرنا چاہا گر جو اب میں بس وہال ا کی چپ ہی تھی۔ تین دن اس عالم میں گزر گئے ۔ اہل دربار بڑے منظر ہوئے ۔ اخر بادشاہ کے جار وزیر حاضر ہوئے ۔ ہر ایک نے ایک ایک داستان سنائی (منتوی کا برا حصه ان می داستانوں بر منحصر ہے) حویتھے وزیر نے جیسے می داستان ختم کی ، بادشاہ نے زبان کھول اور کہا کہ اتنی برس سلطنت کاکوئی وارث نہیں جس کا اسے بڑا افسوس ہے ۔ بادشاہ کی شادی کی تیاریاں ہوئیں ۔ ایک دوسرے ملک کا بادشاہ "زیرجد شاہ "کی الڑی کے لئے پيام بھياگيا پيام منظور نهيں ہوا ۔ جواباً جنگ جوئي او رصلح بر ختم جوئي تو شادی بھی ہوگئی۔ اس شادی کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام در شہوار ر کھا گیا ۔ شِبزادے کی شاہانہ تعلیم و تربیت ہوئی بڑا ہوا تو ایک ماہ جبیں کو دیکھ كر عشق كاتير كهائ بغيرنس ره سكار بالاخر "كوبرشب چراغ" سے شادى ہوجاتی ہے ۔"

داستان کافی دلچسپ ہے ۔ مثنوی کے خاتمے سے پہلے اپنے مرشد کا تذکرہ کیا ہے ۔ آخر میں شاعرہ نے خدا سے مانچ باتوں کی التجا کی ہے ''

ساتھ بیہ میری عرض تحجه ال بي مقصد ميرے پانج ره تو گواه عثق سے لینے کر سرفراز میرے دل میں بجردے سجی لینے داز دوم یاد میں اپنے رکھ ش*ب* و ترميتي ربهول عشق من شب و روز سوم دل کو دنیائے دوں سے چیڑا اور عالم کی الفت سے دل کو تورا ہے عرض اے داورا میرے جتنے ہیں مقصدوں کو برآ پنج مجھے رکھیے کرکے کنز سب کنیزول میں ہوکر عزیز جس پہ تیری نظر ذوالجلال بخشے سب معرفت کا کمال یہ قصے کو میرے تو مقبول کر ریٹھے اور سے کوئی اہل ہنر

مننوی کب تصنیف ہوئی اس کی کوئی صراحت نہیں ہے ، البعۃ کتابت کی تاریخ حسب ذیل ہے : "تمت الکتاب بعون ملک الوہاب ہدالفقیر حقیر سید محمد بدیج الزمال عفراللہ ذنوبہ واستر عیوبہ ۔ تاریخ نہم شہر محرم الحرام ۱۲۳۳روز جمعہ(۲۵ بولائی ۱۸۲۰) به اتمام رسید۔ " لطف النساء المتیاز کے کلام میں کئ خوبوں کے ساتھ خامیاں بھی ہیں جس سے اور استادان فن بھی نہیں جس کے حصیہ تعقید لفظی ، حضو ، الفاظ کا بیجا استعمال ، بھدے اور متروک الفاظ کی نشست کہ کہس کافیہ خانب ہوجاتا ہے ۔ کہس اوزان میں گریز ہوجاتی ہے ۔ دیوان میں

الفاظ کی نشست ۔ کمیں کمیں قافیہ غائب ہوجاتا ہے ۔ کمیں اوزان میں گربر ہوجاتی ہے ۔ دیوان میں جد عامیانہ اشعار می میں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امتیاز اپنے شوہر تمناسے اصلاح لیتی تھیں ، مگر شوہر کے انتقال کے بعد کسی کو اپنا کلام نہیں دکھایا۔

مبر حال کسی طرح امتیاز کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ اس نے اس دور میں شاعری کا بج بویا جب عور توں کا ہاتھ میں قلم پکڑنا گناہ سے کم نہیں تھا ۱۰س لیے ہرجگہ اپنے لیے صیفہ ، ذکر ہی استعال کیا ہے۔

 \approx

دبستان صفی

ببود علی صفی نے جس زمانے میں شاعری کا آغاز کیا تھا اس وقت سرزمن دکن میں شمالی ہند کے دو متمالہ اساتدہ و سخن ، امیر مینائی اور فصیح الملک داغ کی نواسخیاں انھی فصلے ادب میں گونج رہی تھیں ۔ حیدآباد میں شعراء کی تعداد بیسیوں نہیں سیکڑوں میں تھی ۔ ردیف و قافیہ اور بحرکی تبدیلیوں کے ساتھ الفاظ کے الٹ چھیر سے ، پٹے ہوئے مصامین کی ملمع کاری عام ہو حکی تھی ۔ شعراء عام طور پر فکر نوک تہی دامن کا شکار ہورہے تھے ۔ فکر و ادب کی اس کساد بازاری میں مصفی دربار اور امرائے دربار کی سرپرستیوں نے حید آباد کے شاعروں اور بیرون ریاست سے آنے والے شاعروں کو نئی راہیں بھائیں اور مہاراج کش بیشاد شاہ کے دربار س حبال نظم مباطبائی ، فانی بدانونی ، نظام شاہ لبیب ، مسعود علی محوی اور جبیب کنتوری جیبے ائم فن لين كلام كي داد حاصل كررب تھے وہيں صفّى اورنگ آبادي كا بھي قلندراند ،صاف سقرا اور پاکٹرہ لب و لجہ عوام و نواص کے دلوں ہر اپنا سکہ جما رہا تھا۔ صفی ایک ہشفتہ سر اور قلندر مزاج شاعرتھے ۔ ذہانت اور ذکاوت قدرت سے کمی تھی مگر گردش روز گار نے سلیقہ سے زندگ بسر کرنے کاموق نہیں دیا۔ کم عمری میں تلاش معاش کے لئے جگہ گی خاک جھانی کہتے ہیں: ہم گردشوں میں ایک بگولہ بنے رہے کی بگڑی ہوا تو خاک اڑائی کہال کہاں امیر پائیگاہ نواب معین الدولہ اور مہاراجہ کے دربار سے چاہتے تو وابستہ ہوجاتے ۔ درباروں کے جوڑ توڑ اور ملازمتوں کے تعود اور بند شوں سے تلک آگر گھر بیٹھ گئے اور شاعری سے ناطہ جوڑ لیا۔ جو شاعر اپنے من میں ڈوب کر تلاش سخن کرتا ہے اس کے کلام کو اس کی زمرگی کے نشیب و فراز سے الگ نہیں کیا جاسکتا ۔ صُفّی کا شمار نمی لیے شاعروں میں ہونا چاہیے جن کا کلام ان کی زندگی اور طرز زندگی کا آئینہ دار ہے ۔

صفی، غول کے مسلم اللہوت استاد اور اپی طوز کے بے مثل شاعر تھے ۔ ان کی غولوں میں رعنائی ہے اور رنگین بھی ، سر انگیزی ہے اور سر آفریق بھی ۔ ان کی غولوں میں ارتکاز خیال اور شدید داخلیت ہے اور ساتھ ہی خارجیت اور جامعیت بھی ۔ صفی کے کلام میں ایک ایسا رد ہے جو اپنا درماں آپ ہی ہے ۔ ایک ایسا سوز ہے جس پر ذندگی کی حرارت کا کمال ہوتا ہے ۔ صفی کی اس آواذ کو بھینے کے لئے ان کے لب ولجہ سے واقفیت سبت صروری ہے ۔ موتا ہے ۔ ضفی کی اس آواذ کو بھینے کے لئے ان کے لب ولجہ سے واقفیت سبت صروری ہے ۔ صفی کے لیج سے زور حیات آشکار ہے ۔ ذندگی ان کی شاعری میں بولتی مر بنسق ، صفی کے لیج سے زور حیات آشکار ہے ۔ ذندگی ان کی شاعری میں بولتی مر بنسق ، رسیمان نظر آتی ہے چند اشعار سے اس حقیقت کا پنہ چل سکتا ہے ۔

حن وعشق اددو خل کا البا بنیادی موصوع ب جس سے کس مجی عامر کو مفر

نبس، صنی خود می کیتے ہیں:

ختم ہوجاتے ہو حن و معنی کے راز و دیاد معامی بھی محتم ہوجاتی نبیت کی طری منی کی شامری میں حن و معنی کی ہو تصوریں ملتی میں وہ زعمگ سے سبت قریب ہیں۔ ان کا محبوب نہ خواجہ میر در آ کے محبوب کی طرح ماورائی ہے ، نہ دائ کے محبوب کی طرح ماورائی ہے ، نہ دائ کے محبوب کی طرح مور ایک جنیں اور زال ، صفی کا محبوب ایک جنی جاگا انسان ہے جو مقدر سے ملا ہے ۔ زر اور زور سے لیے تو صفی اسے معثوق نہیں کہتے ۔

کہیں معشوق ملاہے کسی کوزور سے زر سے زایع کو ملے تھے حضرت بوسف مقدر سے مسلم مسلم مسلم مسلم کی ایسار ہیں جس میں بانکین ہو ، آن بان ہو مگر تہذیب اور متانت کے رہتا ہیں جس میں بانکین ہو ، آن بان ہو مگر تہذیب اور متانت کے رہتا ہیں جس میں بانکین ہو ، آن بان ہو مگر تہذیب اور متانت کے رہتا ہو ،

ادا پیدا نظر ہے ، شان رخ ہے ، آن تیور ہے ترب ترب ترب ہوں کے لئے ترب ترب ترب ہوں تا ترب ہوں ہے جان تیوں ہے ترب ترب توریک ہائے ہے۔ ہائولا سلونارنگ ہائے یہ سانولا سلونارنگ صنی حن و عشق کے مقام و منصب کا لحاظ رکھتے ہیں۔ ان کے عشق میں گناہ کا تصور نہیں ،معصومیت بھول کھلاتی نظر آتی ہے ۔

دخسار لایمسه الا المطهرون اس کا لحاظ وہ ہے جو قرآن کا لحاظ ہم بیں کہ کمبی آنکھ ملائی نہیں جاتی وہ بیں کہ کمبی ہاتھ ملایا نہیں جاتا

اورول کی طرح صنی در حن پر جبہ سائی نہیں کرتے بلکہ اپنی انا اور خودداری کے تیورسے اپنی قدر و منزلت ، حن پر جملا مجی دیتے ہیں۔ عجزسے زیادہ انا اور خودداری کی آن بان وہال مجی نظر آتی ہے جہال اتھے اتھے سر تھکا دیتے ہیں:

دہاں ہی سرای سے بہن سے سے سرمقادیے ہیں:
اپن دہلیز کے سجدے بی جوہیں آپ کوباد گریں دکھ لیج انحوا کے یہ تقرایا منہی منہ ہی شکوہ ہے عافق دل خستہ کیوں بات ہی ہے تو پر فرلمتے اہستہ کیوں عکوست کے الفاظ لکھے ہیں ہم کو سے نامے ہیں یا " نیم سرکادیاں " ہم

تمادے یہ لیے جاتے ہیں آپ کو گونسی معلوم سقی کا کیا خوب بی ہوگیا گردی دے ہیں اگردئے کے دن بوچھتے دلی کو چلے جاتے ہیں آپ کو گھر نہیں معلوم سقی کا کیا خوب صفی کے بیاں اپنے دور کے دیگر شاعروں کی طرح کوئی نظام یا فلسفہ نہیں ۔ بعید از حقاق دانشوری ، خارج سے گریز ، اورائیت ، غزل کی متر نم فضا کو بوجھل نہیں بناتی ۔ وہ ایک مرنجاں مرنج شاعر تھے ۔ خوش گفار ، دوسرے کے غموں کی آگ میں جلنے والے ۔ لینے دکھ انھیا کینے تھے اور جب برداشت نہیں انھیں کیا کم تھے بچر بھی وہ اوروں کے دکھوں کا بوجھ بھی اٹھا لیتے تھے اور جب برداشت نہیں کرسکتے تو ایک گونہ بیؤدی اور سرشاری میں ڈوب جاتے ، جیسے یہ اسباب بے خودی لاکھوں کا محمق کی ایک نعمت ہو ۔

ہے لکہ نعموں کا مزہ آک شراب میں اچھی دہی یہ چیز جبان خراب میں وہ ہے خودی ، عشق نہ پائے گا اے صفی پینا تو کیا ہے دوب کے مرجا شراب میں صفی جس زالے کے شام تھے وہ زانہ وضع داری کا تھا وضع داری کو دکن کے بای مدن کی جان سمجھتے تھے ۔ خودداری کو شوہ ، شرافت جائے تھے اصولوں اور روایات کو سینے سے اکا کی بان می اقداد کو ہر طال میں بنائے آگا اللہ میں بنائے آگا اللہ کو ہر طال میں ہوئے کے ہوئے کی ان بی اللہ کو ہر طال میں ہوئے کی ان بی اللہ کو ہر طال میں ہوئے کی ہوئے کی ہوئے کی ہوئے کی ہوئے کے ہوئے کی ہوئے

جودوست کی خوشی ہے وہ اپنی خوشی رہے ہے تو سی ہے آیک طریقہ نباہ کا سیرے گذا کو دونوں جہاں سے غرض نہیں صورت نظیر کی ہے تو الل بادشاہ کا اظلاق و آذاب رہتے ناطے ، عفو و دز گزر اور احسان شاسی اس تالے کی حروج قدریں تصی بوکسی عنوان نظر اعداز نہیں کی جاسکتی تھیں ان اقدار سے انخواف اس وقت کے معاشرہ میں جرم کے مزادف سجھا جاتا تھا ۔ صفی کے کلام میں ان قدروں کی پاسداری اور قدر دانی کا جگہ جگہ اظہار ہے ۔ صنی ، کینی کے شاگر درشیر تھے ۔ کینی کے انتقال پر انموں نے جس شدت سے اظہار ہے ۔ صنی ، کینی کے ساد اور شاگر دکے متحکم اور مقدس دشے کا پہتے چاہے ۔

صفی استاد کا اور باپ کارشۃ برابر ہے مرے جب حصرت کمنی توسایہ انھ گیاسر سے صفی کے کئی شاگرد تھے اس کے باوجود انھیں احساس تھا کہ فن میں کمال حاصل کرنا ہوتو استادان فن کی صحبت اور خدمت بے حد صروری ہے ۔

صفی استاد بننا ہے تو استادانِ عالم کی اٹھاؤ جوتیاں ، بازہ کروحقے ، بحرو چلمیں صفی نے زندگی کے سوز و ساز کو دیکھا ، پر کھا اور برتا ہے ۔ اپن وصنعداری سے وہ اس کی دعوت عام بھی دیتے ہیں ۔ ان کے منتخب اشعار سادے شہر میں ذبان زد خاص و عام تھے ۔ بزرگ انحیں بحوں کو یاد دلاتے اور موقع و محل سے اشارے و کنائے یا ضرب المش کے طور پر ان اشعار کا استعمال کرجاتے تھے ۔ دو ایک شعر ملاحظہ ہوں م

استعمال ترجائے ہے۔ دو ایک سر ملاحظ ہوں۔
مصیبت نام ہے اہل وفاکی آزائش کا اس میں آدی کا حوصلہ معلوم ہوتا ہے
آبرد کھوکر کوئی کیوں اہل دولت سے لیے پاوٹکڑا، لاکھ نعمت ہے جو عربت سے لیے
کی کوکوئی کیادے گا، کسی سے کوئی کیائے گا صفی بھم تو حساب دوستال درد دل سمجھتے ہیں
آداب نہ اخلاق ، محبت نہ مروت کرتے ہیں ہزاروں تری محفل کی شکایت
لیے دہا کرو کہ کریں لوگ آرزو لیے ملا کرو کہ زمانہ مثال دے
لیے دہا کرو کہ کریں خلاق اکبرے صفی ہتھر کے کیڑے کو غذا ملتی ہے پتھرے
کسی کا رزق رک سکتا نہیں خلاق اکبرے صفی ہتھر کے کیڑے کو غذا ملتی ہے پتھرے
صفی کا عبد جاگیر دارانہ روایات کا عبد تھا۔ جبال افلاس اور دولت کے دو متعاد
دھارے سماج کو تبہ و بالا کررہ ہے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد عالمی سطع پر اس خلیج کوہلائے کی
دھارے سماج کو تبہ و بالا کررہ ہے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد عالمی سطع پر اس خلیج کوہلائے کی

بلا کر رکھ دیا ، صنی اور صنی جیبے اہل کال ، صاحب احساس انسان اس شکست و ریخت کو شدت سے محسوس کرتے تھے ۔ قوموں کی زندگی میں ایسازیان بڑا نازک زبانہ ہوتا ہے جب کہ زندگی کی طاقتیں ایک دوسرے سے مقادم نظر آتی ہیں ۔ بہانے تراش کر مروجہ اور معتبر راہوں سے

کی طافتی ایک دوسرے سے مصادم نظر آئی ہیں۔ بہانے تراش کر مروجہ اور معتبر راہوں سے مخطئے والے تو ہر زمانے معاد لوگوں سے مخطئے والے تو ہر زمانے میں مل جاتے ہیں لیکن ایسے ناذک دور میں جویائے معاد لوگوں سے

قدم قدم پر سابقہ بڑنا ہے ۔ صنی ایسے زمانے اور ایسے لوگوں پر کھی طفرسے کھی سادگ سے اور کھی تنزی سے وار کرتے ہیں مثلا

صفی اب زمانہ ہے نلذک ببت یہ ہیں اپنے سائے سے ڈرنے کے دن صفی کیوں قدر کا طالب ہوا ہے اس زمانے میں ارب کہنت ؛ تیرے یاں کب ہے مال و زر امتنا

مخلوق ہاتھ جو متی ہے ان کا اے صفی ! حیلہ تراش لیتے ہیں جو ہرگناہ کا کیوں یاد رہیں صفی کے اشعاد مظلس کے کلام میں اثر کیا غریبوں کو رہا رہنے دو لینے آستانے پر کہ اس سے رتبہ ودولت سرامطوم ہوتا ہے کیفی کے وسلے سے صفی کا رشتہ ، دبتان دل سے ماتا ہے ۔ درد وغم ، عرفان اور

تصوف جس کی نمایاں خصوصیات ہیں ۔ لین داغ اس سے بکسر مختلف دبستان کے شاعر ہیں جبال زندگی عادی آلائشوں میں گزرتی ہے ۔ جس زمانے میں داغ کے اشعار دکن کے گلی کو چل مس گنگنائے جاتے تھے اسی زمانے میں میرشمس الدین حضرت فیفن کے شاگردوں نے اور

امیر مینائی کی نعتوں نے تقدس کا مجی ایک پائیزہ ماحول شعر و ادب کی دنیا میں پیدا کردیا تھا۔ حقیقت و مجاز کی اس دھوپ حجاؤں سے صفی نے مجمی خوب استفادہ کیا ہے۔

صفی نے باضابط مدرسہ و کمت میں تعلیم حاصل نہیں کی لیکن اپنے ماحل اور دوست احباب سے بہت کچے حاصل کیا ۔ مولوی اعظم علی شایق ، سید بادشاہ حسینی لئتی ، منتی اشرف علی علامہ سید اشرف شمسی ، جبال الدین نوری ، مولوی عبدالوائع ، حکیم عبدالباتی شطاری اور پروفسیر ابونصر خالدی کی ہم نفینی اور علمی صحبتوں نے صنی کے جوہر قابل کو خوب جلادی ۔ ان ہی کی صحبتوں کا اثر ہے کہ صفی کے کلام میں تغزل کی چہپ کے ساتھ تصوف کی آب و تاب بھی نظر آتی صحبتوں کا اثر ہے کہ صفی کے کلام میں تغزل کی چہپ کے ساتھ تصوف کی آب و تاب بھی نظر آتی ہے ان کی صوفیانہ فکر میں گھرائی و گھرائی یاکسی خاص نظام تصوف سے وابستگی نہیں ملت ۔ صفی کے بال ایک مرد قائدر کی آئید قاب اور وشن ضمیری اور صدق و صفا کا انعکاس و انعطاف ملتا ہے :

ول خار ، خوا ہے تو مجراس میں اے صفی صرت رہ ہو امدید ہو ، معانہ ہو دل ہے کیا چر اگر اتا سمجہ لے انسان نظر آلے لگے اللہ کی قدرت دل میں مروده کاتات کامرمت عشق ہے قربان جاؤں آپ کمال ہیں کمال نہیں حِیک جاتی ہے ایس کون سی بحلی ، خدا جائے مر یا ہوں سورج سے زیادہ روشیٰ دل میں ا مال بار آمانت بوع مم آپ صفى اس لے كي بار تو بم ير نسي والا ابنا صفی کی غراوں میں نعت کے مجمی چند خوبصورت اشعار ملتے ہیں۔ دو شعر نمونتا پیش ہیں : جهام سورج بن حسن اور بین بے سامیر مجی جان جب نکے تو ان کا نام اب رہ ہو صفی میں جن کے لطافت تھی ہماری جان کی منال بندے آنے والے شاعروں اور ادعول کاجب سلسلہ دارز ہوا اور انھول کے دکن والول نو این فصلیت و برتری جمانی مشروع کی تو اہل دکن کی انکساری اور دواداری مجمی و على كے طور براين انفراديت اور اہميت جلكے بر مائل ہوتى وجنال چردكن كے استاد كل میر شمس الدین فیفن کے شاکرد احد حسین اعل وان کے علامہ اور کیفی کے شاکرد صفی لے دکن کی زبان ولب لجہ اور بہال کے تہذیبی اور اخلاقی اقدار کو این شاعری میں پیش کر کے وکن کی الفرادية اور شاعت كو منوال كي كوشش شروع كي حديد آباد كالمرايد شرو ادب اي آغاز بی سے عجاز و حقیق کا خوصورت امتراج اور این تردین قدرون کا آمد دار رہا ہے دون ک حتدیب اور شامری سی تقدم و تسلسل کے باعث دلی اور لکھنو کے مقابل تہذیبی سطح پر امتیادی اومناف رکھی سے جس کو صفی اور ال کے معصر شعراء کے اجساس و شعور کی بوری شدت کے ا ماتھ ماتھ اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔ چنان چہ صفی لیے دکن کی مضرک اور محلوط سندیب كو معيدة آباد ك محاورت ووزمره أتبان أور بيان كو اين همري البيار ك ساني مي اس ب سانتگی اور بع متکفی سے مو دیا کہ ان پر تصنع اور تکلف کا گمان تک نہیں کردتا۔

صفی کہتے ہیں:

نہ جانے ہند والے کون ہیں اور بولتے کیا ہیں صفی ہم دکنوں کی صاف اردو اس کو کہتے ہیں صفی نے دکن کے روزمرہ اور محاورہ کو اس خوبصورتی سے برتا ہے کہ شعر کا لطف

دوبالا ہوجاتا ہے .

ر الرفائي المركب المرك

صفی ای و منع قطر سے ایک زابد حقل مسلوم ہونے سے ین سیس یہ جس کہ ان طبیعت میں اس کو ان طبیعت میں اس کو ان طبیعت میں بلاک شوقی اور شکفتگی تھی ۔ اس شوقی نے ایک ایسارنگ اختیار کرلیا تھا جس کو ان کی عزل کی جان کہا جاسکتا ہے بلاحظہ ہو :

سب کھ درست ، شوخ ہیں ہم ، بے وفا ہیں ہم

اچھا یہ کیے سب بی معشون یا بیں ہم! اب اپنے سب پر ہی سے اندازہ کیجے بر پی ہے ایسے ویسوں پر میری نظر کمان سب دو تھے بیں تو ہم بجی بین خفا تول میں وہ تھا ، مدید آفرار میں صفی حدر آبادی روز مرہ اور محاورہ کے بادشاہ تھے جس سے ان کے محلام میں روز ڈ

سکی ہے ۔ محاورہ بندی اور روزمرہ کی پابندی صفی کو استاد کیفی سے ورش میں لی سمی ۔ سادہ اسلوب میں ایسے شعر کرنا جس میں زبان کا چنارہ اور روزمرہ کی چاشی موجود ہو صفی کا کمال ہے ۔ اسلوب میں ایسے شعر کرنا جس میں زبان کا چنارہ اور استعمال محاورات دئے ہیں جن سے صفی کے اشعار کی

معنویت میں اصافہ ہوا اور ان کاشفری حس بڑھ گیا ہے۔ میں وجہ ہے کہ صفی کی زندگی ہی میں

ان کا کلام حید آباد میں زبان زد خاص و عام ہوگیا تھا۔ فقیر گلیوں میں ، عور تیں ڈھولک پر گایا کرتی تھیں اور اس طرح ڈوب کر جیسے یہ ان کے لینے دل کی بات ہو اور ان ہی کی زبان میں ہی گئی ہو۔ صفی نے تکرار الفاظ اور مکالماتی انداز سے مجمی خوب استفادہ کیا ہے جیسے بہترامیکم " مانگ ہر ایک چیز مجم سے مانگ "
میری دعا کہ " دے مرے بروردگار دے "

میں بار بار مانگوں جو درکار ہو تھے اور لینے نصنل سے تو تھے بار باردے سب جان بوجھ کر بھی میں انجان آج تک او آشنا فریب ، فریب آشنا ہیں ہم

زبان تہذیب کی صحت مند نشانی ہوتی ہے ، اپن آگبی اور عرفان ذات کی جانب رہبری کرتی ہے ۔ صفی کا کلام دیگر شاعرانہ خوبیوں کے ساتھ خصوصیت سے اپنی زبان، محاورہ اور روز مرہ کے باعث دکن والوں کے لئے ہمیشہ سرمایہ ، افتخار رہے گا۔

صفی حید آباد کے ان اساتدہ میں سے ہیں جن کے فیف سخن سے سنگراول شاعر مستقید ہوتے رہے ہیں۔ شعرائ دلی میں تلاذہ کی یہ کرت یا تو مصحفی کے ہال ملتی ہے یا کھر فالب کے پاس حید آباد میں میر شمس الدین فیض علیہ الرحمہ کے بعدیہ اعزاز صفی کو حاصل ہے انحول نے فارس سے اردو میں آئی ہوئی استادی اور شاگردی کی اس روایت کو براے فلوص کے ساتھ آگے برطیا ۔ ان کے شاگردول کی فیرست جو اس تذکرہ میں دی گئی ہے وہ اگرچہ کممل نہیں ہے آہم اس میں شامل نامول سے اندازہ ہوتا ہے کہ صفی بہ حیثیت استادین ، اگرچہ کممل نہیں ہے آہم اس میں شامل نامول سے اندازہ ہوتا ہے کہ صفی بہ حیثیت استادین ، حید آباد کے ہر طبقہ میں مقبول رہے ہیں۔ ان کے شاگردول میں مخصوص طبقہ کی قید نمیں محمد اللہ کے جالی ان کے شاگردول میں مخصوص طبقہ کی قید نمیں مقبول اسے بیں۔ ان کے شاگردول میں مخصوص طبقہ کی قید نمیں مقبول ان کے شاگردول میں محاجزادہ اللہ ین خان اشرف ، خان اقب محمد میں مقبول اللہ مقبر الدین خان مقبر ، صاحبزادہ اور جم الدین علی خان اشرف ، صاحبزادہ میر محمد علی خان شور ، صاحبزادہ تواجہ سعادت اللہ ناقب ، صاحبزادہ رحم الدین علی خان اسرف میا خوت ہیں ، وہیں پرزادہ سید عوث می الدین قادری جاوید ، وہیں پرزادہ سید عوث می الدین قادری جاوید ، وہیں پرزادہ سید عوث می الدین قادری جاوید ، وہیں پرزادہ سید عوث می الدین قادری جاوید ، وہیں پرزادہ سید عوث می الدین قادری جاوید ، وہیں پرزادہ سید عوث می الدین قادری جاوید ، وہیں پرزادہ سید عوث میں الدین قادری جاوید ،

پرزادہ سد محی الدین روی تادری ، سد شاہ خباع الدین علی صوفی اور کش لال ساقی ، محد عفار پرزادہ سد محی الدین موٹی اور کش لال ساقی ، محد عفار پلوان بھی ۔ خواتین میں بشیر النساء بیگم اور رئیس جہال آرا شادال کے نام بھی ملتے ہیں ۔ صفی کے شاگردوں میں بعض نام ایسے بھی ملتے ہیں جو استادی کے مقام پر فائز رہے ہیں اور بغضل تعالیٰ آج بھی چند اہم نام مثلا خواجہ شوق ، پرزادہ سد محی الدین روقی قادری ، سد نظیر علی عدیل ، واکٹر غیاث صدیقی یہ ادبی فریصنہ انجام دے رہے ہیں ۔

صفی بڑے بو گوشاعرتھ اپنی ضروریات زندگی کی تلمیل کے لئے انھوں نے اپنے کلام کی قربانی بھی دی لیکن جس میں جوہر قابل دیکھا اسے اپنے شاگردوں کی صف میں شامل کرایا۔ ان کے کلام کی اصلاح اور ان کی فن ترقی کی ذمہ داری قبول کی ۔ بخششش کلام سے ان کی صلاحتیل اور شاگردانہ عقیبت کو مجروح ہونے نہ دیا ۔ شاگردوں کے کلام پر اصلاح کا کام دل چیی او ردیا صداری سے انجام دیتے تھے ۔ وہ اصلاح رسماً نہیں دیتے تھے بلکہ اصلاح میں مضمون کا ترفع اور معیار کی بلندی کو بھی پیش نظر رکھتے تھے ۔ اصلاح دینے کے بعد وہ اس کی توجید و تشریح مجی کردیتے تھے ٹاکہ شاگرد این کوائی یا غلطی سے آگاہ ہو اور اصلاح کی زاکت اور صرورت کا تھی اسے علم ہوجائے ۔ اس لحاظ سے ان کی اصلاحیں شقید ، تجزیہ اور تنبیم کا بھی مجر بور سرایہ ثابت ہوئی ہیں ۔ بعض شاگردوں کے کلام پر صفی کی اصلاحوں کو جناب محبوب علی خال ا حکر نے بڑی تلاش و جستو کے بعد حاصل کرکے روزنامہ "منصف" حدیدآباد من شائع کرنے کا میرا اٹھایا ہے اس کی اب تک (۱۰) قسطیں شائع ہو تھی ہیں د ،۳۰ رسمبر ،۱۹۹ ، کے روزنامہ منصف ص ۹ ر محبوب علی خال افگر نے اصلاحات صفی اورنگ آبادی کے سلسلہ میں وقارالدین صدیقی وقار کے کلام پر دی گئ اصلاح کے چند نمونے شائع کتے ہیں جس سے چند اشعار اور ان کی اصلاح نقل کی جاتی ہے۔ اس سے صفی کے شاعرات کمال اور علمی تج کا اندازہ

مشش جہت سے تری آواز محجے آتی ہے کتن راموں سے بیک وقت گزرنا ہے محجے

حضرت صفی نے پہلے مصرع میں "مجھے "کو " حلی " سے بدل کر لکھا۔ جس سے " پیم " کے معنی کا اصافہ ہوا۔

وقار کا دوسرا شعرے

یے نہ بوچھو کیا دیکھا یہ نہ بوچھو کیا پایا میری خود فراموشی حاصل نظارہ ہے پلے مصرع میں صرف ایک لفظ " یہ نہ بوچھو کیا دیکھا " میں " بوچھو " کو " دیکھو " سے

بدل کر مصرع اس طرح بنا دیاء

یہ نہ دیکھو کیا دیکھا ،یہ نہ نوچھو کیا پایا اور وجہ اصلاح لکھی کہ " نوچھو "کی تکرار کی گرانی رفع ہوئی نیز " حاصل " نوچھنے سے زياده غور و تال کی چیزہے ۔

مال کی چیز ہے ۔ وقار صدیقی حیدرآباد کے ایک علمی اور ادبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اعلی تعلیم یافتہ ہیں ۔ پیشہ تدریس سے وابستہ ہیں اصلاح کے بعد انھیں اشارہ وجہ اصلاح لکھ دی لیکن دوسروں کے ساتھ زبانی تقبیم اور تبیہ سے بھی کام لیا ہے۔

صفی کے طریقہ اصلاح کی ایک خوبی یہ مجی تھی کہ وہ ایک آدھ لفظ بدل کر شعر کو بلند كرديتي تف مكر ايساكمي شن بتواكر شاعر كااصل خيال يا منهوم بي بدل كر ركم دي - الفاظ ك مناسب اور موزوں انتخاب و تبدیلی سے شعر کی ترقی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتی تھی۔ صفی کے فینان تربیت ہے ان کا ہر شاکرد این افرادیت رکھا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ استاد کا اسلوب بیان مجی ان کے لئے شمع راہ بن جاتا ہے ۔ جناب محبوب علی خاں اخکر (مرتب تلامذہ صفی) کا کلام

تواه وه نعت ہو كه منقب ، عزل ہو كه سلام ، سادگي و سلاست نے ان كے انداز بيان كورونق دی ہے یہ الفاظ کا انتخاب، روزمرہ اور محاورہ کا برجستہ استعمال، استاد صفی کی یاد دلاتا ہے شاید

اس کی وجہ یہ ہو کہ انھوں نے زندگی کے دور بہار میں استاد کے آگے زانوئے ادب تہ کمیا۔ یہ وہ نازک زبانہ ہوتا ہے جب کہ جوش عقیدت اپنا گیرارنگ غیر شعوری طور بر شاگرد کے

ذہن و فکر پر ثبت کردیتا ہے ۔ اظرکی انفرادیت ان کے لینے غم ، سوز و گداز و بندگ و نیاز

نقش ین کر رہ گئے دیوارکے ہم بری محفل میں سے بھی تو کیا نگاس لگ گئیں جب سمال سے کرم کی اس کیا دنیا جبال ہے ادا ہو شکر تیرا کس زبال سے خطا کو در گزر فرانے والے خانہ دل میں روشی کے لئے عثق کا ایک داغ کافی ہے وہ ایک تم ہو کہ دنیا تھاری مھوکر میں وہ ایک میں جے تھکرادیاہے دنیانے زندگانی صفی کی بعض راہی لا أ بالی اور بے اعتدالی کا شکار تھیں مگر کج روی ان کی طبیت میں نہیں تھی ۔ میں وجہ ہے کہ تعلیم یافتہ حضرات بھی ان سے وابستگی کو اپنے لئے باعث فرسمجھتے تھے ۔ اس زمانے کے کئی علکیرین اور عثمانین ان کے شاگردوں کی فبرست میں نظراتے میں خواجہ امان اللہ ارشر علیر مرح تعلیم یافتہ میں ۔ صفی کی شاگردی میں آنے سے پہلے بھی شعر کما کرتے تھے اس زمانے میں ان کی شاعری کا آغاز ہوا جب علکیڑھ میں اصغر کونڈوی اور جگر مرادآبادی کے چرچے تھے۔ صنی کے آخری زانے میں ان سے اصلاح لین شرف کی عظر کے دنگ میں شعر کہتے ہیں۔

صفی کے شاگردوں میں ایک مشور نام جاندار افسر کا ملتا ہے یہ دوایت سے انجراف، حربت پیندی اور آزادہ روی ان کی طبیعت ثانیہ ہے وہ بیک وقت اتھے اور دیانت دار صحافی مجی بیں اور شاعر مجی جاندار افسر صفی کے ان شاگردوں میں سے ایک بیں جنھیں صفی نے خود بلاکر اپنا شاگرد بنایا تھا۔ افسر کی لفظیات ، مضامین کا انتخاب اور اسلوب بیان صفی کے دبیان سے نسبتا عدا گارہ ہے ۔

کانٹوں کی دسترس میں ہے ، پھولوں کی زندگی کیا ہوگا اب نظام گلستاں نہ لوچھتے اے کشتگان بے گہنی کچ یہ کچو کرو کیا انقلاب صرف کتابوں کی بات ہے
کیول بندگان عام سے یہ سخت امتحان پروردگاریہ تورسولوں کی بات ہے
امیر پائیگاہ نواب معنین الدولہ ہبادر کی دلوڑھی میں صفی کی برسی قدر و منزلت تھی ۔
معن الدولہ کے ہرمشاعرہ میں صفی کی موجودگ لازی تھی ۔

معین الدولہ کے صاحبزادہ نواب اقبال الدین خال اقبال بھی ان مشاعروں میں مشریک رہا کرتے تھے ۔ ان کا کلام صفی کے رنگ سے ہہتے قریب ہے ۔ صرف ایک دو شعروں سے بی اس بات کا اندازہ ہوسکتا ہے ۔

غیر، گستاخ ہوتے جاتے ہیں آپ کسیوں کو منہ لگاتے ہیں آپ کسیوں کو منہ لگاتے ہیں آپ کسیوں کو منہ لگاتے ہیں آپ بھپ کر جبل بھی جاتے ہیں انتخاب کی جاتے ہیں صفی سے بحر پور استفاہ حاصل کرنے والوں میں سدمجر حسینی افتخاری بانی کا نام ضرور ایا جائے گا جو مغلبورہ میں صفی کے مکان سے مبت قریب رہتے تھے ۔ طبیعت میں شگفتگی اور سنتشگی تھی جے صفی کی صحبتوں نے اور پر لگادیتے ۔ نوجوانی میں وفات پائی ۔ اگر اور جیتے سنتشگی تھی جے صفی کی صحبتوں نے اور پر لگادیتے ۔ نوجوانی میں وفات پائی ۔ اگر اور جیتے

رہتے توصفی کے باکمال جانشینوں میں شمار ہوتے ۔ ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں : بانی جو اکی ملگتے دیتا ہے وہ جزار کس مندسے شکر کیج پرورد گار کا

بال جو ایت سے دیا ہے وہ ہرار است کے رہا ہوں این این جگہ ہرکوئی سنبھل جاتا ہے۔

تم نے بیخود بنادیا جس کو! حضد تک ہوش میں نہ آنے کا میں نو کیا کوئی بتاسکیا نہیں باتی کمبی

آئے تھے دنیا میں کوں دنیا سے کوں جانے لگے

ابن احمد تآب فطری شاعرتے۔ ابتداء میں حدید پاشاہ حید سے مشورہ ، سخن کیا کرتے تھے۔ بعد میں صفی کے شاگرد ہوئے ۔ صفی کو ان کی شعر گوئی و سخن گستری کو جلادیے میں کوئی دقت پیش مذاتی۔ میں وجہ ہے کہ تاب کو غول گوئی میں خاصی مہارت ہوگئ ۔ زبان میں صفائی اور سلاست ہے ۔ نوبصورت فارس ترکیبیں شعر کو تازگی اور شکفتگی عطا کرتی ہیں ۔ تاب روایتی مصنامین ہی نہیں باندھے تھے بلکہ عصری روح بھی ان کے کلام میں نظر آتی ہے ۔ زندگی کی بعض حقیقوں کو باتوں باتوں میں ادا کردیتے ہیں:

سس نصیب س نور سر تو غم بھی نہیں گرچراع کی صورت بطے ہیں شام سے ہم ان کے باتھوں میں جھکتا ہوا پیلد ہے جن کو ساتی اجھی بینے کا سلیقہ بھی نہیں کرس کرم نہ برائے کرم معاف کرس ہیں بے نیاز زبانے سے ہم،معاف کریں صفی نے اپنے بعض شاگردوں پر خصوصیت سے توج کی ۔ شمس الدین تابال ان خوش نصیب شاگردوں میں ہیں جن ہر صفی کی خاص نظر عنایت تھی ۔ اصلاح شعر کے علاوہ اصلاح ذات و صفات سے مجی نوازا۔فن عروض اور قافیوں کے حسن و عیب کی تعلیم و تربیت سے ان کی شاعرانه شخصیت کو صفی نے خوب جلا بخشی ۔ غرل اور نظم دونوں میں انھیں کمال حاصل تھا ۔ ان کی منکسر مزاجی ، انسان دوستی ،خودداری ، احسان شناسی اور رقبق القلبی ان کی شاعری میں جھلکتی نظر آتی ہے ۔ تاباں کے کلام میں تصوف کے اہم موضوعات بھی جگہ جگہ طبتہ میں۔ تابال نے جس ماحول میں سانس لی ، تاریخ کے جن اوراق کو اللتے دیکھا، سماج کی جن تبدیلیوں کو بھگتا اور محسوس کیا ، ان می کو این شاعری میں سمولیا۔ ان کے کلام میں سوز و گداز بھی ہے سادگی اور ر عنائی مجی ۔ بعض اوقات آیات و احادیث کے موزوں و مناسب استعمال یا ان کی طرف اشاروں سے کلام میں پاکیزگ اور تقدس کی فصناء پدا ہوگئ ہے ۔ چند اشعار پیش ہیں۔

کعبہ ، کنشت ، دیر ، کلسیا ، مدرسے مجی
سب ان کے راستے میں ہیں گزروجد هرسے مجی
دیسف کا حسن تھا کہ وہ عسی کا عشق تھا
کہتے فراز دار پر سر کون دے گیا

ہیں سرخرو یہ لالہ و گل ،کس کے فیفن سے کھنے حمین کو خون جگر کون دے گبا

میر بہادر علی جوہر ، صفی کے شاگردوں میں بڑے زودگو شاعرتے ۔ شاعری کا ذوق کچھ تو ورشر میں بلا تھا اور کچھ استاد کی صحبت نے اسے چمکا دیا تھا۔ جوہر کے کلام بر استاد کا رنگ ماوی ہے اس تذکرہ میں ان کے کلام کا ایک بڑا صد شامل ہے جس سے ان کے رنگ سخن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

غلام علی حاوی صفی کے جانشین تھے ۔ حضرت کیفی نے حاوی تخلص دے کر انھیں صفی کے سپرد کیا تھا۔ حاوی ، عربی اور فارسی زبان و ادب کا انھیا شعور رکھتے تھے ۔ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے ۔ تاریخ گوئی میں انھیں کمال حاصل تھا ۔ ان کے میال ربان و محاورے ک خوش سلنگل کے ساتھ تازگ ، خیال اور بلندی ، فکر بھی نظر آتی ہے ۔ حاوی کا مطالعہ خاصا و شیخ تھا جس کی وج سے ان کی شاعری میں عالمانہ شان بھی جھکتی ہے ۔ بعض بعض مقالت پر علم و عرفان جب سادگ کے ساتھ جلوہ نما ہوتے ہیں تو بڑا بھلا معلوم ہوتا ہے ۔ حوالا کس قدر ہوگا سنی خدائی ہے والا اگر خاتم دہ جو خدا کو خدا کو خدا کو خدا کو خدا کو خدا کو

دل حال انا ہے ، انا محل علم ہے سادہ سا یہ ورق ہی مکن کلب ہے خود کو یادش بخیر مجول گئے سے مارہ سا کو دل سے مگر محلا مسک سے سادر علی جوہر اور غلام علی حاوتی کے جمعصروں میں محمد عبدالحمید خال خیال کا بھی بڑا

مقام ہے۔ وہ صفی کے استاد بھائی بھی تھے اور ان کے جانشین بھی بخیالی نے قلبی واردات و

کیفیات کو نہایت سادہ اصاف اور سست زبان میں ادا کیا ہے۔ کتے ہیں: ان کے جلومے تو مبر حال جلومے ہیں مگر

ديكھنے والی لگاہوں كا مقدر ديكھنے

بغیر درد ، لطف زندگ کیا ؟ سفر کے سب مزے ہیں ہمسفر سے

ای ہر اک سانس میں ہم اک پردہ نشیں کر مرتے ہیں ہم اک پردہ نشیں کی عدمیں میں ا

مبارزالدین رفست او صفی کے شاگرد تھے بلکہ ان کے عزیز دوست بھی تھے۔
پیشہ ، تدریس سے وابستہ تھے سی کالج اور میور او نورٹی میں فارس کے استاد تھے انھیں عربی
فارسی اور انگریزی پر اچھا عبور حاصل تھا۔ رفعا زادہ شنق کی تاریخ ادبیات ایران کا اودو میں
ترجمہ کیا عرب اور اسلامی فن تعمیر سے انھی خاص دل چیں تھی۔ اس موضوع پر انگریزی سے

کئی مصنامین اردو میں ترجمہ کئے ۔ حید آباد کے اولین محققین میں ان کا شمار ہوتا ہے ۔ ان کا کوئی شعری مجموعہ ابھی تک مرتب نہیں ہوا ہے ۔

خواجہ شوق ، صفی کے ان شاگردوں میں ہیں جن رہے صفی مجمی آج اگر ہوتے تو ناز کرتے۔ ابتداء میں مولوی مفتی اشرف علی کے آستانہ وسخن سے وابست رہے شوق صاحب ان کے شاگرد رشد بی نہیں بلکہ اداد تمندوں میں مجی ہیں ۔ مفتی صاحب جب زیارتوں کے لئے مقاات مقدسہ گئے توروتی قادری کے ساتھ خواجہ شوق مجی صفی کے پاس رجوع ہوئے ۔ صفی نے جس اسلوب سخن کی بنیاد رکھی تھی شوق نے اس پر ایک عظیم عمادت تیار کی خواجہ شوق کی زبان اور انداز بیان صفی سے سبت ملا جلتا ہے ۔ غراول میں ان کا ایک ایک لفظ آئینہ کی ماتند ب اوریہ تمام آیکنے اس نزاکت اور حن ترتیب سے سجائے گئے ہیں کہ ذراس تھیں سے ان تمنیوں کی آب و ناب ماند رہ جاتی ہے ۔ زبان کی سلاست، بیان کی دلاویزی اور اظہار واقعیت میں ان کا مقام سب سے جدا گلنہ ہے ۔ کیفیات ، واردات قلبی کو سادگی ، بیان کے ساتھ ظاہر کرنے کے عادی ہیں ۔ اپنے شعری سفر میں شوق دربار شجیع سے وابستہ رہے کیکن طمطراق اور نمود و نمائش سے یکسر بیگانہ ہیں ۔ آستان ناز پر زندگی بسر کرنے کو عین طاعت و عبادت محصت ہیں ۔ خواجہ شوق وضع دار حدر آبادی ہیں ان کا سرنیاز جھکتا ہے تو ایک ہی آستانے یر جہاں سب کے سر جھکتے ہیں۔ زندگی کی تلخیوں اور حفائق پر ان کی نظر بڑی گہری ہے۔ حکیمانہ اور اخلاقی مصنامین ان کے بیال موجود ہیں ۔ عشقیہ مصنامین کو لینے کلام کا مقصود حقیقی نهس محصقہ۔ تہم زندگی کی صرورت شمار کرتے ہیں جس سے ان کے عشق کو آ فاقیت حاصل ہوجاتی ہے۔ ان کے میاں درد انگیر خیالات ، نعلط روح کا سامان رکھتے ہیں کلام میں ۔ صفائی ، روانی برجنگی ہے۔ بندش تراکیب اور محاورات کا استعمال جس خوبصورتی کے ساتھ ان کے بیاں ہواہ اس کی نظیر صرف صفی کے کلام می میں مل سکت ہے۔

ڈاکٹر غیاث صدیقی کو شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق ورش میں ملاہے ۔ فن عروض و آہنگ پر

عبور اکھتے ہیں۔ مطالعہ وسیج ہے۔ عربی فارسی انگریزی اور تلکو سے بھی اچی واقفیت ہے۔ کی ہمصر شاعروں کے تلکو کلام کو اردو کا جامہ بہنایا ہے۔ نظم اور غرل دونوں پر یکساں عبور حاصل ہے نظم اور غرل کے جدسید رجحانات پر بھی توجہ کی ہے۔ عصری مزاج اور مسائل پر بھی بڑی نظر ہے۔ لینے کلام میں لینے عبد کے حقائق کو سمولیتے ہیں ۔ غیاث صدیقی نے بحروں کے استعمال میں نئے نئے تجربے کئے ہیں ۔ الفاظ کے انتخاب اور فقروں کی ترتیب میں توازن و تاسب موجود ہے۔

جناب نظیر علی عدیل ، دبستان صفی کے روشن چراغ ہیں جن کی اپنی ایک انجمن بے پہل ساٹھ شاعر آج بھی ان کی شاعرانہ فنکاری اور عظمت سے استفادہ کررہے ہیں ۔ شاعری میں ان کے قدیم اسلوب کا رشتہ جدید اسلوب و آہنگ سے ہمکنارہ ۔ روایت اور جدیدیت کائی امتراج ان کے کلام میں بلا کا حن اور زور پیدا کردیتا ہے ۔

چند اشعار دیکھئے ^{سا}

دنیا من اگر مچر آنا ہو دل لے کے نہیں آئیں گے عدیل . ک بات ہوئی تو سہ لیں گے ہر بات میں دل آزاری ہے دنیا بسا کے محبر کو کیا فائدہ ہواہے اک دل عطا ہوا ہے وہ مجی دکھا **ہو**ا ہے لوگ این نظر یہ مرتے ہیں حسن ہے اصل میں فروغ نظر زندگ اول خراب آخر خراب کیوں گناہوں سے کریں ہم اجتناب یاد محبوب گرشکل مین دهل جاتی ہے دیکھنے والے اسے تاج محل کہتے ہیں بات غلط مد تمی مگر که دی غلط مقام بر دار ہے چڑھ گیا کوئی لغزش ناتمام ہر سلح ر می ک امجرا ہے حباب بے ثباتی یائی ہے انسان نے مبت سنجل كر گزرنا عد ملّ دنیا سے قدم قدم ہے یہ ٹوٹی ہوئی سڑک ہے میاں

كة وه دار سے كيوں اشكار كيا جائے جولوگ شت بوت لات سوے دار مج اك نيا ہے باب ير الريخ كے الواب س في كے ہم د شمنون كے اس كے احباب م دبیتان صفی کے ان بلبگوں اور ان کی نواسنجیل کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے تی ہے کہ دکن کی بساط سخن کے سجانے میں صفی اور صفی کے شاگردوں کا بڑا صدر اسے ۔ باب سخن کی دات دن می کوشش دی که اودو زبان اود اردو شاعری کو سمرم و مثم آبل لر" بنائیں ۔ دکن کے محاورے اور روزمرہ کو علمی اور ادبی وقار عطا کریں فارسی اور عرفی کے ت الفاظ کے بے جا اور بے صرورت استمال سے بیسر کریں تبان و بیان اور ابتدال و الائش سے جبین سخن کو پاک و صاف رکھیں ۔ زندگ کے حمائق کو ارجے دیے کر دبیان صفی کی قدر و زلت میں اصافہ کریں

 $\stackrel{\leftrightarrow}{\bowtie}$

